عاشقانِ پاک طینت

ترتیب:

ڈاکٹر حامد اللہ خان

نام کتاب: عاشقانِ پاک طینت

سن اشاعت: 2021ء

تعداد: تین سو

ترتیب: ڈاکٹر حامد اللہ خان

تدوین و تحریر: محمد مقصود احمد منیبؔ

سرورق: محمد مقصود احمد منیبؔ

کمپوزنگ: محمد مقصود احمد منیبؔ۔ عامر سہیل

اہتمام طبع: ڈاکٹر قمر احمد حماد خان۔ داؤد احمد محمود خان

East Ewell Epsom, Surrey, KT17 3HB

11 Beverley Close

انتساب

محترم باباجی

حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب

کے نام جن کی بدولت ہمارا خاندان

احمدیت کے نور سے منور ہوا

فہرست مضامین

اظہارِ تشکر

سب سے اول خاکسار اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے کہ اس نے مجھے توفیق دی کہ حضرت دادا جان اور حضرت والد صاحب پر ایک کتاب تیار کر کے احباب جماعت کے سامنے پیش کر سکوں۔ الحمد للہ

اس کتاب میں خاکسار نے اپنے حالات زندگی بھی مختصراً درج کیے ہیں۔ نانا جان محمد خواص خان صاحب کے حالاتِ زندگی، دادا جان اور والد محترم کے متعلق دیگر بہن بھائیوں اور عزیزوں سے بھی مضامین لکھوائے ہیں تا کہ مختلف احباب پر ان بزرگوں کی زندگی کے جو جو گوشے عیاں ہوئے وہ اپنے اپنے انداز میں لکھیں تا کہ احباب جماعت کے سامنے آسکیں اور کوئی پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔

خاکسار ان تمام عزیزوں کا شکر گزار ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں مضامین لکھے اور اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں سب سے پہلے محترم نصیر احمد صاحب قمرؔ ایڈیشنل وکیل الاشاعت لندن کا انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت دیا اور نہ صرف مفید مشورہ جات دیئے بلکہ کتاب کے پروف بڑی محنت سے پڑھے اور قدم قدم پر رہنمائی فرمائی۔

عزیزم مکرم محمد مقصود احمد صاحب منیبؔ مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ سابق ایڈیٹر ماہنامہ تحریک جدید ربوہ نے بہت محنت کر کے اس کتاب کی نوک پلک سنوارنے کے ساتھ اس کے ذیلی عناوین لگا کر سیٹنگ کی اور پرنٹ ریڈی مسودہ تیار کیا جس کے لیے وہ خصوصی شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔

کتاب کی کمپوزنگ میں مکرم عامر سہیل صاحب مربی سلسلہ نے بھی مدد کی۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

سب احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی بھی مرحلہ پر خاکسار کی مدد فرمائی۔

والسلام

خاکسار

حامد اللہ خان

30 ستمبر 2019ء

مقدمہ

اُذْكُرُوْا اَمْوٰتَكُمْ بِالْخَيْرِ۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

مَنْ وَرَّخَ مُؤْمِناً فَكَاَنَّمَا اَحْيَاهُ وَمَنْ قَرَئَ تَارِيْخَهُ فَكَاَنَّمَا زَارَهُ

(الاعلان بالتوبیخ ص 28 تالیف حضرت الحافظ المورخ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: جس شخص نے کسی مومن کی تاریخ لکھی اُس نے گویا اُسے زندہ کر دیا اور جس نے یہ تاریخ پڑھی گویا اس نے اُس کی زیارت کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے 116 سال قبل 23 مارچ 1903ء کو ایک مجلس علم و عرفان میں فرمایا تھا:۔

”میرا تو اعتقاد ہے کہ ایک آدمی باخدا اور سچا متقی ہو تو اس کی سات پشت تک بھی خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا اور ان کی خود حفاظت فرماتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 182)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی تحریر کر کے محفوظ کرنے کی تحریک فرمائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہر احمدی خاندان کو نصیحت فرمائی کہ اپنے بزرگان کے پاک نمونے جمع کریں تا کہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ہوں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

”ہر خاندان کو اپنے بزرگوں کی تاریخ اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس تاریخ کو ان کی بڑائی کے لئے شائع کرنے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے آپ کو بڑائی عطا کرنے کے لئے۔ ان کی مثالوں کو زندہ کرنے کے لئے، ان کے واقعات کو محفوظ کریں اور پھر اپنی نسلوں کو بتایا کریں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے آباء و اجداد تھے۔ کن حالات میں کس

طرح وہ لوگ خدمت دین کیا کرتے تھے، کس طرح بیٹھا کرتے تھے، اوڑھنا بچھونا کیا تھا، ان کے انداز کیا تھے؟۔۔کاش سارے خاندان دنیا کے اسی طرح اپنے بزرگوں کو یاد رکھیں اور اپنے بزرگوں کے تذکرے اپنے خاندان میں اپنے بچوں سے کیا کریں۔ بعض ان میں سے ایسے بھی ہوں گے جن کو یہ استطاعت ہوگی کہ وہ ان واقعات کو چھپوادیں کتابی صورت میں۔"

(خطبات طاہر جلد 8 صفحہ 177،176)

ایک اور موقع پر فرمایا:

"گزشتہ چند سالوں میں میں نے جماعتوں کو بار بار نصیحت کی کہ وہ سارے خاندان جن کے آباؤ واجداد میں صحابہ یا بزرگ تابعین تھے ان کو چاہیے کہ اپنے خاندان کا ذکر خیر اپنی آئندہ نسلوں میں جاری کریں۔۔۔سب سے زیادہ زور اس بات پر ہونا چاہیے کہ آنے والی نسلوں کو اپنے بزرگ آباواجداد کے اعلیٰ کردار اور اعلیٰ اخلاق کا علم ہو، ان کی قربانیوں کا علم ہو۔"

(خطبہ جمعہ 30۔ اپریل 1993ء)

ہمبرگ جرمنی میں واقفین نو بچوں کی کلاس میں حضورؒ نے فرمایا:

"اپنے اپنے خاندان کی تاریخ زندہ رکھیں اور اپنے خاندانوں کی تاریخ، احمدیت سے شروع کریں۔ وہ کب احمدی ہوئے؟ پھر انہوں نے کیا کیا قربانیاں کیں؟ کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا فضل فرمائے؟ یہ ساری سچی کہانیاں ہیں اور بڑی دلچسپ اور دردناک بھی ہیں۔ یہ ساری باتیں یاد رکھوگے تو زندہ رہوگے ورنہ مٹی میں مل جاؤگے۔ اگلی نسلوں کو پتہ ہی کوئی نہیں ہوگا کہ کن کی نسلیں ہیں؟ کہاں کہاں سے آئے ہیں؟ ان کی کیا نیک روایات ہیں؟"

(الفضل انٹرنیشنل 7 جون 1996ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 17۔ اکتوبر 2003ء میں فرمایا:

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیاری جماعت میں ہزاروں بلکہ لاکھوں نمونے بکھرے پڑے ہیں جنہوں نے اپنی وفاؤں، اخلاص اور قربانیوں کے اعلیٰ معیار قائم کیے۔ یہ

لوگ خاموشی سے آئے اور محبت و تعلق، وفا اور اطاعت کی مثالیں قائم کر کے خاموشی سے چلے گئے۔۔۔ اپنی نسلوں کو بھی بتاتے رہیں کہ ہمارے بزرگوں نے یہ مثالیں قائم کی ہیں اور ہم نے ان کو جاری رکھنا ہے۔۔۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان واقعات کا تذکرہ قارئین کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہو گا۔"

(الفضل 27 جنوری 2010ء)

ان بابرکت تحریکات پر بہت سے خاندانوں نے فی الفور لبیک کہا اور کئی ایک خاندانوں کی تاریخ مرتب ہو کر مُنصّۂ شہود پر آئی جبکہ کئی ایک ابھی تیاری کے مراحل میں ہوں گے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ دربارِ خلافت سے کوئی آواز بلند ہو اور احبابِ جماعت والہانہ و دیوانہ وار لبیک یا امیر المومنین! نہ کہیں۔

قارئین محترم! کئی ایک مبلغین نے اپنی تبلیغی مساعی، تبلیغی مساعی کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور کامیابیوں کے متعلق کتب لکھ کر احبابِ جماعت کو ایک بہترین سرمایہ مہیا کیا جس سے ایمان تازہ ہونے کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو اپنے آبا کی قربانیوں پر اطلاع ملتی ہے اور ان کے اندر تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ بھی دینی میدان میں قربانیاں پیش کر کے قربِ خداوندی حاصل کر سکیں اور عملاً ایسا ہوا کہ ایسی کتب پڑھ کر کئی بچوں نے وقف کیا اور پھر قرب کے میدان میں مقام حاصل کیے۔ الحمد للہ

زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب اور ان کے خاندان کے متعلق میرا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ خاندان بحیثیت مجموعی ایسے بزرگان کے ایک سلسلہ پر مشتمل ہے جس کی ہر کڑی قابلِ تحسین اور عجز و انکسار کے پانی سے گوندھی ہوئی اور عشقِ صفا کے عطر سے معطر و ممسوح ہے۔

ایمان افروز واقعات پر مشتمل ایک نابغہ ٔروزگار کتاب ہے جو واقعاتی انداز میں اپنے اندر تربیت کا بہترین رنگ رکھتی ہے۔ ان بزرگان کے حالات زندگی پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس طرح کی جماعت اور احمدی مسلمان پیدا کرنا چاہتے تھے یہ بزرگان اسی طرح کے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں یہ بزرگ محبت الٰہی کے رنگ میں رنگین ہو کر توکل علی اللہ، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر قناعت پسندی، عجز و انکسار، غیرت دینی، محبت و فدائیت، سادگی و جانثاری، اخلاص و وفا،

تقویٰ شعاری، عشق مسیح و مہدی میں غوطہ زن ہو کر خلافت احمدیہ کے ساتھ اٹوٹ آہنگ اور پرہیز گاری کے پیکر دکھائی دیتے ہیں وہاں قدم قدم پر تائیداتِ الٰہیہ اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی محبت کے نظارے بھی نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان بزرگان کو آزمایا بھی لیکن یہ ابتلا کے ہر ایک بھنور سے سرخرو ہو کر نکلے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا بھی لیکن یہ آپے سے باہر نہیں ہوئے اور ہمیشہ شاکر رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں لائق اور ذہین اولاد دی اور عین عالمِ شباب میں واپس بھی لے لی لیکن دنیا کی آنکھ نے ان کے منہ سے جزع فزع سنی نہ سینہ کوبی کے مناظر دیکھے، کئی قسم کے ابتلا میں ڈالے گئے لیکن ان کے منہ سے ہمیشہ کلمات شکر نکلتے رہے، ہر حال میں راضی بہ رضا رہے اور سجداتِ شکر بجالاتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا نوازا کہ کسی کو کیا نوازا ہو گا؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذُرّیتِ طیبہ کے ساتھ ان کا رشتہ جوڑ دیا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

محترم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب سے میری ملاقات جلسہ سالانہ جرمنی 2018ء پر ہوئی۔ انتہائی مختصر ملاقات کے باوجود ان کی خاکساری، عاجزی، متانت اور محبت نے دل پر قبضہ جمالیا اور پھر 2019ء میں پاکستان میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ان کی زیر ترتیب کتاب کی نوک پلک سنوار کر اسے تیار کرنے میں ان کی مدد کروں۔ میں نے اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اپنے لیے ایک سعادت سمجھا کہ ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست! اور ہاں کر دی۔ اس کتاب میں ایسے ایمان افروز واقعات ہیں جو ازدیادِ ایمان کا باعث بنتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب محترم نے یہ بھی فرمایا کتب کے اس مجموعہ کا نام بھی میں ہی تجویز کروں۔ نام تجویز کرنے کے ضمن میں میرے ساتھ ایک ایمان افروز واقعہ پیش آیا کہ میں نماز تہجد میں اِس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مصرع بڑی شیریں آواز میں میرے کانوں میں گونجا کہ:

عاشقانِ پاک طینت را

میں نے سارا ماجرا لکھ کر محترم ڈاکٹر صاحب اور محترم نصیر احمد قمر صاحب کی خدمت میں عرض کیا

تو دونوں محترم صاحبان نے فرمایا کہ یہ بہترین نام ہے جو عطا فرمایا گیا۔ محترم نصیر احمد قمر صاحب نے فرمایا کہ یہی نام رکھا جائے کیونکہ کتاب اسم با مسمیٰ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بابرکت کتب کے اس مجموعے کا نام رکھ دیا گیا:

عاشقانِ پاک طینت

آج اللہ کے فضلِ محض سے یہ کتاب شائع ہو کر احباب کے ہاتھ میں ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا روحانیت میں ترقی محسوس کرے گا اور زندگی کے کئی معاملات میں اسے اپنی اصلاح کا موقع ملے گا۔ اس کتاب کی تیاری کے دوران میں نے اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل و احسان اور انوار اپنے اور اپنے خاندان پر نازل ہوتے دیکھے ہیں اور مجھے کبھی حیرانگی نہیں ہوئی کہ یہ احسانات و افضال الٰہیہ ہم پر کیوں نازل ہو رہے ہیں؟ کیونکہ میں اچھی طرح سے ان انوار الٰہیہ کے نزول کی وجہ جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس میں میری کسی لیاقت کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

مری جھولی تو چھوٹی تھی پر اُس نے

مری اوقات سے بڑھ کر دیا ہے

محترم ڈاکٹر حامد اللہ صاحب کے دینی قد و قامت کا ذکر تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ایک تبصرے سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ احباب کتاب کے اندرونی صفحات پر پڑھیں گے لیکن میں ذاتی طور پر سر تاپا ان کے اعلیٰ اخلاق فاضلہ، اوصافِ حمیدہ اور عظیم الشان احسانات کے فتراک میں بندھ سا گیا ہوں۔ مجھے ان کے سراپے میں ایسی آسودگی ملی جو مجھے میرے بڑے اباجی یعنی داداجان اور چھوٹے اباجی یعنی والد محترم سے ملا کرتی تھی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی وضع قطع، چال ڈھال، عجز وانکسار، فروتنی، رہن سہن، اپنے آبا سے محبت، اپنی محسنہ اہلیہ مرحومہ سے وارفتگی کی حد تک عقیدت و محبت، ہر ایک کی خیر خواہی، امانت داری و دیانت داری اور سادگی میں ایسی جاذبیت ہے کہ انسان ان کی طرف کھنچتا چلا جاتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ عقیدت بھرا تعلق ہمیشہ نبھانے کی مجھے ہمیشہ توفیق عطا فرمائے۔ ان کی اور ان کے سارے خاندان کی دعائیں میرے اور میرے اہل و عیال کے حق میں قبول فرمائے اور ہر قدم پر میری پردہ پوشی فرماتے ہوئے انجام بخیر فرمائے۔ آمین

خاکسار
محمد مقصود احمد منیبؔ
مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ
(سابق مدیر ماہنامہ تحریک جدید ربوہ)
26 ستمبر 2019ء

حصہ اول
حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب
(عبد السلام خان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

میرے پیارے والد

مولوی محمد الیاس خانؒ

عبد السلام خان

سوانح

میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس خاں مرحوم رحمۃ اللہ علیہ چارسدہ ضلع پشاور کے رہنے والے تھے۔ چارسدہ میں سب سے پہلے احمدیت قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ ایک متقی، صاحب کشوف ورؤیا والہام، عالم باعمل اور فدائی احمدی تھے۔ 1909ء میں آپ کے قبولِ احمدیت کے بعد جب چارسدہ میں بہت شور اُٹھا۔ تو حکومت نے 1911ء یا 1912ء میں آپ کو صوبہ سرحد بدر کر دیا۔ اور اس کے بعد 1946ء تک آپ مستونگ ریاست قلات (بلوچستان) میں رہے۔ 9/ اگست 1948ء کو عید الفطر کے دوسرے دن صبح کے وقت آپ کا انتقال دماغ کی رگ پھٹ جانے سے ہوا۔ اس سے تھوڑی ہی دیر پہلے آپ درسِ قرآن مجید سے فارغ ہوئے تھے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً 76 سال تھی۔

نمازِ جنازہ

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دیر تک نماز میں دعائیں فرماتے رہے۔ نماز جنازہ کے بعد ٹھیٹھ پنجابی زبان میں فرمایا: مَیں نے عالم کشف میں دیکھا کہ تمام اولیاء اللہ، قطب اور غوث حضرت مولوی صاحب کے استقبال کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور فرمایا: جس

نے ولی اللہ نہ دیکھا ہو، وہ اب حضرت مولوی محمد الیاس خان کو دیکھ لے۔ آپ کی تدفین احمدیہ قبرستان پشاور میں ہوئی۔ آپ موصی تھے اور آپ کا یادگاری کتبہ نمبر 560 مقبرہ بہشتی قادیان میں لگایا گیا ہے۔

میرا خواب

آپ کی وفات کے بعد مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑے ہال میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد بطور خلیفۃ المسیح آپ کا انتخاب ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: وہ بیس علماء صحابہ جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں تبلیغ احمدیت کے لئے منتخب فرمایا تھا، وہ میرے قریب دائیں بائیں بیٹھ جائیں تو مَیں نے دیکھا کہ میرے والد حضرت مولوی محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے دائیں جانب پہلے نمبر پر بیٹھے ہیں۔ پھر ترتیب وار دیگر صحابہ بیٹھے ہیں۔

اوصاف

آپ احمدیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔ قرآن پاک پر بڑا عبور حاصل تھا اور ہر مسئلہ کو قرآن پاک سے ثابت کرتے تھے۔ شکل و شباہت کے لحاظ سے بہت خوبصورت تھے۔ چہرہ بارعب تھا۔ تلاوتِ قرآن پاک بڑی خوش الحانی سے کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے عشق کے درجہ تک محبت تھی۔ ہر وقت تبلیغ آپ کا مشغلہ تھا۔

نڈر مبلغ

تبلیغ کے سلسلہ میں بالکل نڈر تھے اور بڑی دلیری سے اپنے مؤقف کو پیش فرماتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا وسیع مطالعہ تھا۔ اس لئے ہر مسئلہ کو حضور علیہ السلام کی کتابوں کی روشنی میں ایسے آسان طریقہ سے حل فرماتے تھے کہ سامعین کی سمجھ میں آجاتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام (درّ ثمین فارسی) تقریباً زبانی یاد تھا اور ہر موقع پر حضور کے فارسی کلام کو پیش فرماتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فارسی درثمین میں جب

اسلام کے ضعف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر کے حملوں کا ذکر آتا، تو آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ حضور کا شعر:

بے کسے شد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست

گھر میں نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تو آنکھیں تر ہو جاتیں۔ احمدیت ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ فرماتے: اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں ؟ تو میرا جواب ہو گا چار احمدی۔ فرماتے تھے: احمدیت ہی میری زندگی اور احمدیت ہی میرا سرمایہ ہے۔ آپ احمدیت کی عملی تفسیر تھے۔

حقیقی بھائی

اپنے غیر احمدی بھائیوں کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ بھی میرے بھائی ہیں لیکن میرے حقیقی بھائی تو احمدی احباب ہیں۔ احمدی احباب سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے عشق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اتنا عشق تھا کہ اگر کوئی احمدی دوست دورانِ گفتگو صرف لفظ "مسیح موعود" کہہ دیتا، تو آپ اس احمدی دوست سے فرماتے: پورا فقرہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام" کہا کریں، صرف "مسیح موعود" مت کہیں۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح موعودؑ کو سلام بھیجا ہے اور آپ صرف مسیح موعود کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں۔ پھر فرماتے: حضور اقدس خدا کے نبی اور رسول ہیں کوئی معمولی انسان نہیں ہیں۔ لہٰذا اُن کا نام اُن پر درود و سلام بھیجے بغیر نہ لیا جائے۔

عشق کا پھل

آپ کا معمول تھا کہ اگر دوران گفتگو بیس دفعہ مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آتا تو بیس دفعہ ہی "مسیح موعود علیہ السلام" ہی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عشقِ مسیح موعود علیہ السلام اور عشقِ خلیفۃ المسیح

الثانی رضی اللہ عنہ کو ایسا نوازا کہ اس برکت کے سلسلہ میں آپ کے ایک پوتے یعنی خاکسار کے لڑکے ڈاکٹر حامد اللہ خاں کا رشتہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑپوتی حضرت میاں ڈاکٹر منور احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی سیدہ امۃ الحیٔ سے کروادیا اور اس طرح سے خاندان مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کو منسلک کر دیا اور اسی طرح سے حضرت مولوی صاحب کے دوسرے پوتے یعنی خاکسار کے چھوٹے بیٹے حبیب اللہ کی شادی عزیزہ ماہم سلمہا سے ہوئی ہے جو حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ دام ظلہا کی پوتی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی نواسی ہیں۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

خدا تعالیٰ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم پسماندگان کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار

عبد السلام

خاندانی تعارف

آپ کا اسمِ گرامی محمد الیاس تھا۔ والد صاحب کا نام حاجی عبد اللہ صاحب تھا اور قومیت افغان یوسف زئی تھی اور قبیلہ ملک خیل تھا۔ آپ کا اصل وطن یار حسین تحصیل صوابی ضلع مردان تھا۔ آپ کے پردادا کو جو ایک متمول زمیندار تھے، ملکی جرگہ کے فیصلہ کے بموجب (جبکہ خاندان میں کچھ قتل ہوگئے تھے اور ابھی انگریزوں کی عملداری شروع نہیں ہوئی تھی) یار حسین سے ملک بدر کر دیا گیا۔ آپ کا خاندان یار حسین سے ہجرت کے بعد فوزی علاقہ مہمند (قبائلی آزاد علاقہ) آکر آباد ہو گیا۔ آپ کے دادا خیالے بابا کچھ عرصہ بعد اپنے تمام افرادِ خاندان کو لے کر حجاز (عرب) چلے گئے اور وہیں پر مستقل آباد ہو گئے۔ آپ کے والد حاجی عبد اللہ صاحب کا چونکہ چارسدہ میں رشتہ طے پا گیا تھا اس لئے آپ کے والد صاحب حجاز سے واپس آئے اور شادی کرنے کے بعد چارسدہ ہی میں آباد ہو گئے۔ آپ کے والد صاحب نے بعد میں ایک اور شادی بھی کی جو اُن کے کسی عزیز کی بیوہ تھی۔ دوسری بیوی سے حاجی صاحب کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ اپنی والدہ سے صرف آپ دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ بڑے

بھائی مولوی رحمان الدین صاحب مرحوم تھے۔ بہن کا نام زوجان بی بی تھا۔ مولوی رحمٰن الدین صاحب اہلِ قرآن تھے۔ آپ کے والد صاحب دوسری شادی کرنے کے بعد عملاً دوسری بیوی کے پاس رہنے لگے۔ حضرت مولوی صاحب اور آپ کے بڑے بھائی صاحب اپنی والدہ کے پاس چارسدہ میں رہتے تھے۔ آپ کے والد صاحب پشتو اور عربی میں تحریر کر سکتے تھے اور عربی زبان صاف بولتے تھے۔

مولوی رحمٰن الدین صاحب

مولوی رحمٰن الدین صاحب گو عمر میں آپ سے بڑے تھے مگر آپ کے تقدس اور نیکی کی وجہ سے آپ کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی جب بھی ملاقات ہوتی تو موضوع قرآن پاک اور صداقت مسیح موعود ہی ہوتا۔ نماز کے وقت مولوی رحمان الدین صاحب باوجود احمدیت کے شدید مخالف ہونے کے حضرت مولوی صاحب کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔ جب کوئی شخص مولوی رحمٰن الدین صاحب پر اعتراض کرتا کہ تم تو ایک قادیانی کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہو تو وہ جواب دیتے کہ محمد الیاس کی نیکی، تقویٰ اور پاک زندگی کی اقتدا میں مَیں نماز پڑھتا ہوں۔ تم مجھے اس جیسا نیک آدمی دوسرے مسلمانوں میں تو دکھاؤ؟

دونوں بھائیوں کی باہمی محبت

دونوں بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ مولوی رحمٰن الدین صاحب جب بھی حضرت مولوی صاحب کو خط لکھتے تو لفافہ پر نورِ چشم محمد الیاس لکھتے۔ ایک دفعہ قادیان میں حضرت مولوی صاحب جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت ڈاکٹر عبد اللہ خان صاحب آف کوئٹہ کے گھر دارالبرکات میں ٹھہرے تھے۔ ڈاکیا ایک خط لایا اور ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگا آپ کے ہاں کوئی بچہ نور چشم محمد الیاس آیا ہے ان کا ایک رجسٹری خط ہے تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ بابا نور چشم محمد الیاس بیٹھے ہیں۔ تو تمام مجمع کشتِ زعفران ہو گیا۔

حُلیہ اور لباس

آپ کا قد موزوں لمبا تھا۔ گھنی سفید داڑھی تھی۔ سُرخ و سفید نورانی چہرہ تھا۔ سفید ململ کا عمامہ بغیر کلف اور بغیر کلاہ کے، افغانستان کے علما کی طرح سر پر باندھتے تھے۔ اور گلابند صدری زیب تن کرتے

تھے۔ پاؤں میں پشاور کی سادہ جوتی ہوتی تھی اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ گرمیوں میں سفید لٹھے کی چادر کندھوں کے گرد لپیٹا کرتے تھے اور سردی میں گرم کھلا چترالی چغہ پہنتے تھے۔ چہرہ بہت بارعب تھا۔ آواز بہت صاف اور تلفظ بہت صحیح ہوتا تھا۔ جسم مضبوط اور بھرا ہوا تھا۔ بینائی اخیر وقت تک ٹھیک رہی۔ عینک کا استعمال کبھی نہیں کیا۔ آخر عمر میں چاند کی روشنی میں اخبار اور کتاب پڑھ لیتے تھے۔ چال میانہ مگر پُر وقار تھی۔

زبان دانی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو لحنِ داؤدی عطا کیا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت اتنی خوش الحانی سے فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی تلاوت کے منتظر رہتے تھے۔ پشتو آپ کی مادری زبان تھی مگر اُردو اور فارسی میں بھی گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ عام پٹھان عموماً اُردو بولتے ہوئے تذکیر و تانیث کی غلطی کر جاتے ہیں مگر حضرت مولوی صاحب بہت صحیح اُردو بولتے تھے۔

صحت مند مومن

آپ ایک اچھے تیراک اور مانے ہوئے پہلوان بھی تھے۔ فرماتے تھے آج تک کسی نے میری پشت زمین پر نہیں لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے طاقت بھی کافی دی تھی۔ آپ نوجوانی میں روپیہ دو انگلیوں میں رکھ کر انگوٹھے کے زور سے توڑ ڈالتے تھے۔ تانبے کے دوہرے پیسے کو دو انگلیوں میں رکھ کر انگوٹھے کے زور سے ٹیڑھا کر دیتے تھے۔

والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب کبھی ہم حضرت مولوی صاحب سے گھر کے اخراجات کے لئے پیسے مانگتے تو کبھی کبھی ازراہِ مذاق صدری کے جیب میں ہاتھ ڈال کر جیب میں ہی سکے کو ٹیڑھا کرکے دے دیتے جس کو ہم بعد میں پتھر کے زور سے سیدھا کرتے۔

ایک توانا مرد مومن

آپ چارسدہ میں مدرّس تھے۔ چارسدہ سے ہجرت کے 25 سال بعد چارسدہ آئے تو چارسدہ

سکول میں ایک بڑا پتھر پڑا تھا۔ چپڑاسی سے پوچھا کہ یہ پتھر کیسے یہاں پڑا ہے؟ تو چپڑاسی نے کہا کہ یہاں پر ایک مدرس محمد الیاس نام ہوتے تھے، وہ اس پتھر کو اپنے داہنے ہاتھ پر رکھ کر اُٹھا لیتے تھے۔ اس کے بعد پھر کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹا سکے۔ حضرت مولوی صاحب نے اسی وقت اس پتھر کو اُٹھایا مگر پورا نہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ اس وقت آپ کی عمر 60 سال کے قریب تھی اور چپڑاسی کو بتلایا کہ وہ محمد الیاس مَیں ہی ہوں۔ حضرت قاضی محمد یوسف رضی اللہ عنہ امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ سرحد بیان فرماتے تھے۔ جب مَیں پانچویں چھٹی جماعت میں ایڈورڈ مشن سکول پشاور میں طالب علم تھا۔ حضرت مولوی صاحب اپنے سکول کے لڑکوں کے ساتھ ڈسٹرکٹ ٹورنامنٹس میں آتے تھے۔ کوئی شخص گولہ پھینکنے میں مولوی صاحب کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور اسی طرح رسہ کشی میں جس طرف مولوی صاحب ہوتے تھے وہ فریق منٹوں میں رسہ اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ مولوی صاحب کا وجود بہت مضبوط اور سڈول تھا اور بہت بارُعب تھا۔ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہم سکول کے لڑکے حضرت مولوی صاحب کے اِرد گرد جمع ہو کر مولوی صاحب کے چہرہ اور جسم کو دیکھتے کہ کتنا بڑا پہلوان استاد ہے اور چارسدہ کے لڑکے اپنے استاد مولوی محمد الیاس صاحب پر فخر کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ تمام عمر کسی پہلوان نے مجھے نیچے نہیں گرایا۔

ایک دفعہ مَیں نے پوچھا کیا آپ کوئی خاص غذا کھاتے ہیں۔ فرمانے لگے: نہیں۔ عام سادہ غذا کھاتا ہوں البتہ کبھی کبھی دودھ میں جلیبیاں اُبال کر کھاتا ہوں۔

مستونگ میں ایک مضبوط تندرست شخص مخبوط الحواس تھا۔ ہر شخص کو گریبان سے پکڑ کر روپیہ مانگا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اس کو کہا کہ ہم تم کو جب بہادر مانیں گے کہ وہ مولوی صاحب جارہے ہیں ان سے اسی طرح زبردستی روپیہ مانگو۔ وہ دیوانہ دوڑتا ہوا مولوی صاحب کے پاس آیا اور آپ کا چغہ پکڑ کر آپ سے روپیہ مانگنے لگا۔ مولوی صاحب نے اس کو بازو سے پکڑا اور قدرے زور دیا تو وہ بھاگتا ہوا گیا اور اس کے بازو سے خون جاری تھا۔ اس کے بعد اس دیوانہ کو اگر کوئی کہتا کہ مولوی صاحب سے روپیہ مانگو تو وہ دونوں ہاتھ کانوں کو لگا کر کہتا۔ میری توبہ!

ایک دفعہ مستونگ میں ڈاک لے جانے والی ڈاج گاڑی (منی بس) کھڑی تھی۔ مولوی صاحب نے مذاقاً اس کی پچھلی زنجیر پکڑ لی۔ ڈرائیور نے بس کو سٹارٹ کیا مگر بس ایک قدم بھی آگے نہ چلی۔ ڈرائیور حیران ہو کر نیچے اُترا تو دیکھا کہ مولوی صاحب نے بس کی زنجیر کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے بس صرف ہل رہی تھی۔ لوگ یہ تماشا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس وقت مولوی صاحب کی عمر ساٹھ پینسٹھ کے درمیان تھی۔

باعصمت اور شرم وحیا کا پیکر

آپ اللہ کے فضل سے باحیا اتنے تھے کہ احمدیت قبول کرنے کے بعد چارسدہ کے ایک پٹھان رئیس احمد خاں دُرّانی بھری مجلس میں کہنے لگے اگر مَیں کبھی کسی قتل کے کیس میں ماخوذ ہو جاؤں اور مجھے 14 سال قید مل جائے تو مَیں اپنی دونوں بیویوں کو یہ ہدایت کروں گا کہ تم میرے قید سے واپس آنے تک محمد الیاس کے گھر رہو، کیونکہ وہ بہت باعصمت ہے اور عورتوں کو دیکھتا تک نہیں۔ اور تم لوگ کہتے ہو کہ محمد الیاس قادیانی ہو گیا ہے، کافر ہو گیا ہے، اِس سے بہتر مسلمان تو مَیں نے دیکھا نہیں۔

ابتدائی تعلیم اور پرورش

آپ کے والد صاحب عملاً آپ کی والدہ صاحبہ سے علیحدگی اختیار کر چکے تھے۔ اور آپ کی والدہ صاحبہ بہت تنگدستی میں گزارہ کرتی تھیں اس لئے آپ اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے۔ انگریزوں کی عملداری میں جب پہلی بار چارسدہ میں سکول کھلا تو آپ کی والدہ صاحبہ نے دونوں بھائیوں کو سکول میں داخل کرا دیا۔ آپ فرماتے تھے کہ سکول کے داخلے کے وقت میری عمر اٹھارہ بیس سال تھی مگر چونکہ انگریزوں کی عملداری میں سکول کی ابتدا تھی اس لئے بڑی عمر کے لڑکوں کو بھی لے لیتے تھے۔

سکول میں داخل ہونے کے بعد آپ نے چار سال میں لوئر مڈل سکول کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ سکول میں آپ کی قابلیت کی وجہ سے دو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ اور اسی طرح سے دو روپیہ ماہوار آپ کے بڑے بھائی صاحب کا وظیفہ مقرر ہوا۔ ان وظائف سے گھر کا گزارا اچھا چلنے لگا کیونکہ ان دنوں بہت ارزانی تھی۔

غالباً 1895ء میں جب آپ نے لوئر مڈل کا امتحان نمایاں طور سے پاس کیا تو آپ وظیفہ حاصل کر کے راولپنڈی نارمل سکول میں داخل ہوئے۔ آپ فرماتے تھے کہ نارمل سکول میں ہمارا پرنسپل ایک ہندو رام پھیج ایم۔اے۔ تھا جس کو فارسی اور عربی پر بڑا عبور حاصل تھا۔ شمالی پنجاب میں بشمول صوبہ سرحد صرف یہی ایک نارمل سکول تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے بھی اسی راولپنڈی نارمل سکول سے امتحان پاس کیا تھا۔

ایک سال میں نارمل سکول کا سرٹیفیکیٹ لے کر آپ چارسدہ آئے اور آپ کو چارسدہ ہی میں پرائمری سکول میں مدرس مقرر کیا گیا۔ اس وقت آپ کی تنخواہ چھ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ چھ روپے اتنے کافی تھے کہ مَیں دو روپیہ اپنے والد صاحب کو دیتا تھا۔ گھر کا خرچ چلانے کے بعد بھی ماہوار کچھ بچ جاتا تھا۔

مولوی بادیر وملا صاحب

قرآن پاک باترجمہ آپ نے اپنے گاؤں کے امام مسجد "بادیر و مُلَّا صاحب" سے پڑھا۔ آپ فرماتے تھے کہ بادیر و مُلَّا صاحب بہت نیک اور متقی انسان تھے۔ وہ بہت قانع تھے۔ انہیں قرآن پاک سے عشق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر مُلَّا صاحب سوئے ہوئے ہوتے تھے اور کوئی ان کے قریب قرآن پاک پڑھتا تو وہ سوتے ہوئے ترجمہ شروع کر دیتے تھے۔ جب جاگ اُٹھتے اور شاگرد کہتے آپ نے سوتے ہوئے بھی ہمیں قرآن پاک پڑھایا ہے تو فرماتے کہ مجھے علم نہیں مَیں تو سویا ہوا تھا۔

ان کے تقویٰ کا ایک واقعہ حضرت مولوی صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک دن مُلَّا صاحب چارسدہ سے پشاور جانے لگے۔ 18 میل کا فاصلہ تھا اور یہ سفر پیدل طے ہوتا تھا کیونکہ ان دنوں ٹانگوں وغیرہ کا رواج نہیں تھا۔ نصف راہ جب طے کی تو اتنے میں ایک گٹھڑی پڑی ہوئی ملی جس میں کچھ روپے تھے۔ مُلَّا صاحب گٹھڑی کو لے کر سامنے ایک درخت کے نیچے اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ جس کی گٹھڑی ہو اس کو دے دیں۔ دوسرے دن شام کے قریب مُلَّا صاحب نے دیکھا کہ ایک شخص حیران پریشان ادھر اُدھر دیکھ رہا ہے جیسے کہ اس کو کسی چیز کی تلاش ہے۔ مُلَّا صاحب نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تو اس شخص

نے کہا مَیں تاجر ہوں۔ چارسدہ گھی بیچ کر واپس پشاور جارہا تھا گدھے پر ایک طرف روپوں کی گٹھڑی رکھی اور دوسری طرف وزن برابر رکھنے کے لئے پتھر رکھے۔ راستے میں دو گدھوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی۔ گھر جا کر دیکھا تو گٹھڑی غائب تھی۔ کہیں گر گئی ہے۔ اس کی تلاش میں نِکلا ہوں۔ مُلّا صاحب نے اس تاجر سے گٹھڑی کی نشانی پوچھی۔ نشانی صحیح بتلانے پر مُلّا صاحب نے روپوں کی گٹھڑی تاجر کے حوالے کی اور خود تین وقت کے بھوکے چارسدہ لَوٹ آئے۔ تاجر نے کچھ انعام دینا چاہا مگر مُلّا صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔

انہی مُلّا صاحب کا دوسرا واقعہ حضرت مولوی صاحب بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ چارسدہ کے تحصیلدار صاحب نے دعوت کی جس میں مُلّا صاحب بھی مدعو تھے۔ مُلّا صاحب نے دعوت میں صرف سوکھی روٹی کھائی اور کچھ نہ کھایا۔ آپ فرماتے تھے کہ جب مَیں نے مُلّا صاحب سے دعوت کے بعد اس کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگے کہ تحصیلدار کی آمدن عموماً حرام کی ہوتی ہے اس لئے مَیں نے سوکھی روٹی کھائی کہ یہ تو اس کی حلال کی تنخواہ سے ہو گی۔

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ ایسا متقی انسان مَیں نے سوائے احمدیوں کے اور کہیں نہیں دیکھا۔ الغرض آپ عجیب انسان تھے۔ بہت خوش الحان اور قانع تھے۔

خان غلام محمد خان دُرّانی

صرف و نحو آپ نے اپنے محلہ کے ایک بزرگ اور رئیس خان غلام محمد خان درّانی سے پڑھی۔ خان غلام محمد خان درّانی ذی علم انسان تھے۔ عربی و فارسی اور اُردو پر بڑا عبور حاصل تھا۔ انگریزوں کے ابتدائی زمانہ میں چیف محرّر یعنی ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز تھے۔ خان صاحب نے مسدس حالی کا منظوم ترجمہ پشتو زبان میں کیا جو بہت مقبول ہے۔

خان صاحب چونکہ ایک ذِی علم انسان تھے اس لئے ان کے گھر یعنی مردانہ بیٹھک میں علمی لوگ موجود رہتے اور ہر وقت کسی نہ کسی علمی مسئلہ پر بحث چھڑی رہتی تھی۔ خان صاحب اہل قرآن تھے اور ہر مسئلہ کو قرآن پاک سے حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ ان بحث

مباحثوں کی وجہ سے مَیں بھی اہل قرآن ہو گیا۔ اور چونکہ ہر مسئلہ قرآن پاک سے حل کرنے کی کوشش ہوتی تھی اس کی وجہ سے مجھے تقریباً قرآن پاک زبانی یاد ہو گیا۔ اور مَیں بھی مباحثوں میں خوب حصہ لیتا۔ اگرچہ بعد میں ایک رؤیا کی بنا پر مَیں نے ہر قِسم کے مباحثوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

آپ فرماتے تھے کہ خان غلام محمد خاں صاحب کا ایک چھوٹا بھائی تھا جو اَسّی سال کی عمر کا ہو کر فوت ہو گیا۔ قبرستان میں جب قبر تیار ہو گئی تو پہلے غلام محمد خاں لحد کے اندر داخل ہوئے۔ لیٹ گئے اور پھر اُٹھ کر باہر آئے اور فرمایا کہ ولی محمد کو اب دفن کرلو۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب ولی محمد خان کو دفن کرنے لگے تو مجھ سے فرمایا: محمد الیاس ولی محمد کو تو دفن کر رہے ہیں، تم اس بارہ میں کیا کہتے ہو؟ مولوی صاحب فرماتے ہیں: مَیں نے کہا اس وقت کسی کا شعر یاد آرہا ہے جو یہ ہے:

بر قبرِ کسے رفتم و پرسیدم چُونی
گفتہ احوال چہ پُرسی چو بیائی دانی

میرا کسی کی قبر پر گزر ہوا اور مَیں نے اُس سے پوچھا کیا حال ہے؟ اُس نے جواب دیا: احوال کیا پوچھتے ہو، جب آجاؤ گے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اس پر خاں صاحب فرمانے لگے: اچھا محمد الیاس! اگر کچھ ہوا تو مَیں تم کو بتلا دوں گا۔ بھائی کی وفات کے چوتھے دن خان غلام محمد خان بھی بھائی کے فراق میں فوت ہو گئے اور انہیں ان کے بھائی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

وفات کے بعد کا قصہ

مولوی صاحب فرماتے تھے کہ غلام محمد خاں کی وفات کے بعد مَیں نے خواب میں دیکھا: مَیں سکول سے چھٹی ہونے پر گھر جارہا ہوں۔ راستے میں ایک مسجد پڑتی ہے۔ دیکھا کہ غلام محمد خاں وہاں پر میرا انتظار فرمارہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ روز تم دیر سے آتے ہو کبھی بھی وقت سے نہیں آئے۔ مَیں نے کہا کہ خاں صاحب آپ تو وفات پا چکے تھے ہم آپ کو دفن کر آئے تھے۔ آپ یہاں پر کیسے آئے ہیں؟ تو فرمانے لگے مَیں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اگر کچھ ہوا تو مَیں تم کو بتلا دوں گا۔ سنو! سنو!

جب تم لوگ دفن کرکے گھر چلے گئے، تو دو فرشتوں نے پکڑ کر مجھے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کیا اور دو بڑی بڑی کتابیں ان فرشتوں کی بغلوں میں تھیں۔ مَیں خوش تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی ہستی کے دلائل پوچھے گا تو مَیں قرآن سے دلائل پر دلائل دینے شروع کروں گا۔ فرمانے لگے کہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ اس کا اعمال نامہ پیش کرو۔ کیا دنیا میں کوئی نیک کام اس نے کئے ہیں؟ فرشتوں نے ان کتابوں کے صفحات کو جو ان کی بغل میں تھیں جلد جلد الٹنا شروع کیا اور کہا جلّ جلالہ، کوئی نیک عمل نہیں ہے۔ مَیں غم کی وجہ سے نڈھال ہو گیا اور پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب یہ چیف محرر تھا تو ازراہ ترحّم اس نے دو یتیم لڑکوں کا ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں وظیفہ لگایا تھا۔ فرشتوں نے پھر کتاب کے صفحے اُلٹے اور فرمایا جلّ جلالہٗ ٹھیک ہے۔ اس نے دو لڑکوں کا وظیفہ لگایا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے اس کو اس کے اس فعل پر بخش دیا ہے۔ اس کو جنت میں لے جاؤ۔ اب مجھے ایک بنگلہ ملا ہے جس میں خوبصورت پھول ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ میرا بھائی کہاں پر ہے؟ اور پھر کہنے لگے۔ محمد الیاس بحث سے کام کم لو، عمل پر زور دو۔ وہاں پر بحث مباحثہ نہیں پوچھا جاتا، عمل کا پوچھا جاتا ہے۔ نیک اعمال پر زور دو تا کہ بخشش کا سامان پیدا ہو اور خاص کر مخلوقِ عالم پر رحم کرو۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس رؤیا کے بعد میں نے مباحثوں سے کلّی طور پر اجتناب کیا۔ یہ رؤیا اس وقت کی ہے جبکہ آپ ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس رؤیا کے بعد مَیں نے قرآن پاک کا مطالعہ برائے عمل شروع کیا اور اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اسی وجہ سے مجھے احمدیت جیسی نعمت نصیب ہوئی۔

والدہ کا انتقال پُر ملال

فرمایا: میری والدہ صاحبہ میرے قبول احمدیت سے پہلے وفات پا گئیں۔ آپ فرماتے تھے۔ میری والدہ صاحبہ بہت نیک اور تہجد گزار تھیں۔

ہماری والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میرا چھوٹا بچہ عبد القیوم ابھی چھوٹا تھا۔ اس کے لئے مَیں نے حلوہ پکایا۔ مولوی صاحب کی والدہ صاحبہ جائے نماز پر بیٹھی ظہر کی نماز پڑھنے کی تیاری کر رہی تھیں۔

عبدالقیوم سے ازراہِ مذاق فرمایا: مجھے کھانے کو حلوہ دو گے؟ تو عبدالقیوم نے کہا نہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ مَیں چولہے پر بیٹھی کھانا تیار کر رہی تھی، دیکھا کہ مولوی صاحب کی والدہ صاحبہ بیٹھی بیٹھی گر گئیں۔ میں دوڑی دوڑی گئی اور کہا کہ بچے کی اتنی سی بات سے آپ ناراض ہو گئیں مگر وہ تو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اپنے خُدا سے جاملی تھیں۔ حضرت مولوی صاحب کو والدہ صاحبہ کی وفات کا بڑا رنج ہوا۔ حضرت مولوی صاحب کے اثر و رسوخ کی وجہ سے والدہ صاحبہ کا بہت بڑا جنازہ ہوا۔ ہزاروں لوگ جنازہ میں آئے۔ اس پر حضرت مولوی صاحب کے والد صاحب کہنے لگے: کاش! میرا جنازہ بھی محمد الیاس کی موجودگی میں ہو اور اتنے بڑے مجمع میں میرا جنازہ ہو اور کافی لوگ میرا جنازہ پڑھیں۔

قبول احمدیت اور مخالفت

آپ فرماتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر میرے جسم کے ہر بال کے ہر ذرّہ کو گویائی مل جائے تو بھی مَیں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مامورِ زمانہ کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائی لیکن اس بات کا افسوس تھا کہ ایک سال کی تاخیر ہو گئی۔ مَیں نے 1909ء میں بیعت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیدار سے سرفراز نہ ہوا۔ فرماتے تھے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ فرماتے تھے کہ مَیں ابتدا سے اپنے والد صاحب کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد جب ان کے والد صاحب مخالفوں کے ساتھ مل کر احمدیت کے سخت مخالف ہوئے تو بھی بدستور مَیں ان کا ویسا ہی ادب و احترام کرتا جیسے پہلے کیا کرتا تھا اور اپنی تنخواہ سے ماہوار کچھ نہ کچھ ان کی خدمت میں پیش کرتا۔

قبولِ احمدیت کا واقعہ

حضرت مولوی صاحب کا تبادلہ بطور مدرس چارسدہ سے اسماعیلہ تحصیل صوابی ہو گیا۔ 1903ء

میں خانزادہ امیر اللہ خاں صاحب جناب مولانا غلام حسن خاں صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ رئیس پشاور اور جناب قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے احمدی ہو گئے تھے۔ پشاور میں جناب خان بہادر مولانا غلام حسن خاں صاحب کے مکان پر درسِ قرآن ہوتا تھا جس میں قاضی صاحب بھی شامل ہوتے تھے اور خان امیر اللہ خان بھی قاضی صاحب کی وجہ سے شامل ہوتے تھے۔ حضرت مولانا غلام حسن صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اور حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خلافت سے وابستہ رہے مگر خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں غیر مبائعین کے ساتھ مل گئے۔ آخر عمر میں حضرت قاضی صاحب اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی تحریک پر دوبارہ خلافت سے وابستہ ہوئے اور اب مقبرہ بہشتی قادیان میں محوِ خواب ہیں۔ ان کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ خان امیر اللہ خان صرف پرائمری پاس تھے مگر صالح دل و دماغ رکھتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے، بہت نیک اور پارسا انسان تھے۔ خانزادہ صاحب ایک بیماری کی وجہ سے علاج کے لئے قاضی صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ تندرست ہونے کے بعد جب خانزادہ صاحب اپنے گاؤں اسماعیلہ گئے تو انہوں نے اپنے نام الحکم، بدر اور ریویو آف ریلیجنز جاری کرائے اور چونکہ گاؤں کی ڈاک کا انتظام سکول کے ذریعے تھا اس لئے حضرت مولوی صاحب ان اخبارات کو پڑھتے اور نیک اثر لیتے رہے۔

ایک عظیم الشان مناظرہ

انہی دنوں خان محمد اکبر خاں۔ خان آف اسماعیلہ کی بیوی فوت ہو گئی جو خانزادہ امیر اللہ خان کی ہمشیرہ تھیں۔ نماز جنازہ میں خانزادہ صاحب بھی شامل ہوئے۔ امام جو جنازہ پڑھانے والا تھا اس نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو خانزادہ صاحب کو جنازہ میں کھڑا دیکھا تو انہیں جنازہ کی صف سے نکال دیا کہ تم قادیانی کافر ہو، جنازہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس واقعہ کی وجہ سے دونوں خاندانوں یعنی محمد اکبر خاں اور خانزادہ صاحب کو بہت دُکھ ہوا۔ خان محمد اکبر خان نے ایک مناظرہ کا انتظام کیا تا کہ معلوم کر سکیں کہ کون راستی

پر ہے؟ احمدیوں کی طرف سے میاں محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ امیر جماعت احمدیہ مردان تھے۔ یہ وہی میاں محمد یوسف ہیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں منشی محمد یوسف لکھا ہے جو مُدّ ضلع امرتسر کے مناظرہ مابین حضرت مولوی سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اور مولوی ثناء اللہ امرتسری ہوا تھا، کے بانی تھے۔ میاں صاحب ابتدائی صحابہؓ میں سے تھے۔ غیر احمدیوں کی طرف سے مناظر مولوی قطب شاہ تھے جو موضع تورو ضلع مردان کے رہنے والے تھے۔ اور اسلامیہ کالج پشاور میں تھیالوجی کے ڈین تھے اور ڈین صاحب کے نسبت سے ہی مشہور تھے۔ خان محمد اکبر خان نے حضرت مولوی صاحب کو اس مناظرہ کا سرپنچ مقرر کیا۔

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت میاں محمد یوسف صاحب کے پاس ایک چھوٹی سی حمائل شریف تھی، جس سے وہ پڑھ پڑھ کر وفات مسیح کے حوالے پیش کیا کرتے تھے اور دوسری طرف غیر احمدی مُلّاؤں نے گدھوں پر کافی کتابوں کا ڈھیر لاد کر جمع کیا تھا مگر قرآنی دلائل کے سامنے غیر احمدی مولوی کی کچھ بھی پیش نہ جاتی تھی۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مَیں نے سٹیج کے پیچھے سے یہ سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ قادیانی مولوی کے پاس چھوٹی سی کتاب ہے جس سے حوالے دے دے کر وہ ہمارے مولوی کو چپ کرا رہا ہے۔ کوئی شخص جائے اور قادیانی مولوی سے یہ کتاب چھین لے تا کہ قادیانی مولوی بے بس ہو جائے۔ تین دن تک یہ مناظرہ جاری رہا۔

مولوی صاحب فرماتے تھے کہ تیسرے دن میں نے سنا کہ غیر احمدی مولوی نے مشورہ کیا کہ قادیانی چند آدمی ہیں ان پر حملہ کرو، کفر کا فتویٰ لگاؤ اور ان کو ختم کرو ورنہ ہمارے مولوی رسوا ہو جائیں گے۔ ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے جب مَیں نے یہ واقعات سُنے تو مَیں نے خان محمد اکبر خاں کو علیحدہ کر کے سب واقعات بتا دیئے اور ان کو کہا کہ اب فساد ہونے والا ہے۔ اس پر خان محمد اکبر خان سٹیج پر آئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہم نے دونوں طرف سے دلائل سُن لیے ہیں اور ہم سمجھ گئے ہیں اس لئے مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ کھانا تیار ہے سب لوگ کھانا کھائیں اور اپنے اپنے گھروں کو فوراً چلے جائیں اور ظہر کی نماز اپنے اپنے گاؤں اور محلہ کی مسجدوں میں پڑھیں، اب مناظرہ ختم

ہے۔ ان تینوں دن سب کو کھانا محمد اکبر خان کی طرف سے ملتا تھا۔ خان محمد اکبر خاں نے یہ بھی انتظام کیا کہ احمدیوں کو بحفاظت مردان پہنچا دیا۔

مسئلہ نبوت

آپ فرماتے ہیں: دورانِ مناظرہ غیر احمدیوں کے مولوی، مولوی قطب شاہ نے اپنی جوتی اُتاری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح سے ناپنے لگا اور کہنے لگا کہ مرزا قادیانی کی کشتی سے تو میری جوتی بڑی ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں جو میری کشتی میں بیٹھ جائے گا وہ بچ جائے گا۔ ان دنوں طاعون کا بھی زور تھا۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مولوی قطب شاہ کے اس واقعہ نے مجھ پر بہت بُرا اثر کیا اور مَیں نے دل میں کہا کہ یہ مولوی کتنے ذلیل انسان ہیں، جو ایسی کمینہ حرکتوں پر اُتر آئے ہیں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس مناظرہ نے یہ اثر کیا کہ مجھے احمدیت کے قریب کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مناظرہ میرے سمجھانے کے لئے منعقد کرایا تھا۔ آپ فرماتے تھے: باقی سب دلائل کا تو مَیں قائل ہو گیا مگر نبوت کا مسئلہ میرے لئے ایک ٹیڑھا مسئلہ تھا اور چونکہ خانزادہ صاحب زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اس لئے مجھے وہ نبوت کا مسئلہ سمجھا نہ سکے۔

اس کے بعد حضرت مولوی صاحب کا تبادلہ پھر چارسدہ ہو گیا۔ چارسدہ میں ایک رئیس میاں محمد زمان احمدی تھے جو بعد میں غیر مبائع ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت مولوی صاحب سے قرآن پاک باترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ ایک دفعہ میاں محمد زمان صاحب مولوی صاحب سے کہنے لگے کہ جو تفسیر آپ بیان کرتے ہیں وہ سب احمدیوں کی تفسیر ہے۔ آپ احمدی کیوں نہیں ہو جاتے؟ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں: مَیں نے میاں صاحب سے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس پر میاں محمد زمان نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارہ میں دریافت کیا۔ اس کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے ایک کارڈ کے ذریعہ دیا اور بہت مختصر جواب تھا۔ "ہاں میرے مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کبھی مجھے مردان جانے کا اتفاق ہوتا، تو مَیں میاں محمد یوسف

صاحب سے ضرور ملتا اور ان سے نبوت کے مسئلہ پر بحث کرتا۔ جب یہ مسئلہ صاف ہوا تو حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے تو مَیں نے بذریعہ خط 1909ء میں بیعت کی اور پھر خود قادیان جاکر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دستی بیعت کی۔ ایک مدّت دراز کے بعد 1935ء کے کوئٹہ کے زلزلہ کے بعد حضرت مولوی صاحب عارضی طور پر بلوچستان سے چارسدہ آ گئے تھے۔

غیر مبایعین اور ایمانی غیرت

ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب اور خاکسار راقم الحروف چارسدہ تحصیل بازار میں جارہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی ”چال تو الیاس استاد کی ہے۔ اگر آپ الیاس استاد ہیں تو ٹھہر جائیں۔“ مولوی صاحب نے مڑ کر دیکھا تو میاں محمد زمان صاحب تھے۔ دونوں ایک مدّت دراز کے بعد ملے تھے، خوب بغل گیر ہوئے اور میاں صاحب نے حضرت مولوی صاحب کو اپنے بنگلہ جانے کو کہا جو کہ قریب ہی تھا۔ جب چائے کی میز پر بیٹھے تو دورانِ گفتگو حضرت مولوی صاحب نے میاں صاحب سے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے کارڈ کا ذکر کیا کہ حضور نے مختصر سا جواب دیا ہے کہ ”ہاں میرے مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔“ اِس پر میاں صاحب کہنے لگے۔ مجھے یہ واقعہ یاد نہیں ہے۔ اب میاں صاحب غیر مبائع تھے۔ حضرت مولوی صاحب چائے کی میز سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ایسے جھوٹے آدمی کی چائے مَیں نہیں پینا چاہتا جو ایسے اہم واقعہ کو چھپاتا ہے۔ حضرت مولوی صاحب ان کی قیام گاہ سے روانہ ہوئے۔ میاں صاحب نے بہت منّت سماجت کی مگر حضرت مولوی صاحب نے ان کی چائے نہ پی اور روانہ ہو گئے۔

انہی میاں محمد زمان صاحب کے متعلق میرا چشم دید واقعہ ہے۔ ترنگ زئی چارسدہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی ملک عادل شاہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تھے۔ میاں محمد زمان بھی جنازہ میں شمولیت کے لئے ترنگ زئی گئے تھے۔ مَیں بھی خان محمد اکرم خان کے ہمراہ گیا۔ واپسی پر میاں محمد زمان نے خاں اکرم خان دُرّانی سے کہا کہ وہ ان کے ٹانگہ میں سوار ہو کر چارسدہ چلیں۔ میاں صاحب اور خان صاحب ٹانگہ میں آگے بیٹھ گئے اور مَیں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

راستے میں ایک بہت بڑا قبرستان آتا ہے۔ میاں صاحب نے خان صاحب سے فرمایا کہ میرے پاس ایک انگریز سیاح کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں اس نے اس قبرستان کے متعلق ریسرچ کیا ہے کہ یہ کون لوگ تھے، کہاں سے آئے، کن کن سے ان کی لڑائیاں ہوئیں اور یہ قبرستان کن کن قوموں کا ہے؟ میں آپ کو وہ کتاب دوں گا۔ آپ وہ پڑھیں بہت دلچسپ کتاب ہے، خان صاحب نے فرمایا: اگر آپ مجھے یہ کتاب دے دیں تو بھی مَیں نہیں پڑھوں گا۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ خاں صاحب آپ گریجویٹ ہیں کیا آپ کو لٹریچر سے دلچسپی نہیں ہے۔ خاں صاحب نے فرمایا کہ مجھے لٹریچر سے دلچسپی ہے، مگر قرآن سے۔ آؤ اس مسئلہ پر بات کریں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی تھے یا صرف مجدد؟ کیونکہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ دریافت نہیں کرے گا کہ یہ افغان کون تھے؟ کہاں سے آئے اور کہاں دفن ہیں؟ مجھ سے تو یہ سوال ہوگا: مرزا غلام احمد قادیانی خُدا کا نبی تھا کیا تم نے اس کو بطور نبی کے مانا تھا یا نہیں؟ میاں صاحب کہنے لگے خان صاحب! یہ کیا فرسودہ بحث آپ نے شروع کر دی ہے؟ اس پر خاں صاحب اور میاں صاحب میں کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی اور خاں صاحب نے گھوڑے کی باگ کھینچ کر ٹانگہ رُکوالیا اور مجھے کہا کہ بیٹا آؤ کسی اور ٹانگہ میں جاتے ہیں، اس شخص کے ٹانگہ میں نہیں جاتے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے مسئلہ کو فرسودہ بحث کہتا ہے، یہ غیر مبائعین کی ذہنیت ہے۔

مخالفت اور قتل کے منصوبے

حضرت مولوی صاحب کی بیعت اور احمدی ہونے کا جب لوگوں کو علم ہوا تو سارے چارسدہ میں بڑا شور پڑا اور لوگ حضرت مولوی صاحب کے قتل کے درپے ہوئے۔

والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ روزانہ مَیں یہ اعلان سُنتی تھی کہ آج رات محمد الیاس کے مکان کو آگ لگائی جائے گی اور تمام افراد کو مکان سمیت جلا دیا جائے گا۔ سوشل بائیکاٹ بھی شروع ہوا کیونکہ چارسدہ کا نمبردار مکرّم خاں جو بہت زور آور اور بارُسوخ آدمی تھا، اس نے اعلان کر دیا تھا کہ جو بھی محمد الیاس کو سودا سلف دے گا اس کا بُرا حال کیا جائے گا۔

رُعب و دبدبہ

بائیکاٹ کے اُس دور میں حضرت مولوی صاحب کا ایک شاگرد محمد اکبر خادم، رات کے وقت چھپ چھپ کر سودا سلف دے جایا کرتا تھا۔ یہ محمد اکبر خادم بعد میں احمدیت کا سخت مخالف ہوا۔ اس نے پشتو میں ایک کتاب "غلام نبی" لکھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے عہد میں پیدا ہوا ہے اس لئے غلام ہے اور غلام، نبی نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب حضرت قاضی صاحب نے پشتو میں ایک کتاب "مطاع نبی" لکھ کر دیا اور محمد اکبر خادم کے تمام اعتراضات کے جواب دیئے۔ 1936ء میں جبکہ مولوی صاحب چارسدہ میں تھے، یہ شخص محمد اکبر خادم حضرت مولوی صاحب کے پاس آیا اور آپ کے پیروں میں بیٹھا رہا۔ آپ نے اس وقت خادم صاحب کو خوب تبلیغ کی اور وہ خاموش سُنتا رہا۔ بعد میں کسی نے محمد اکبر خادم سے کہا کہ تم تو احمدیت کے خلاف بڑے شیر بنے پھرتے تھے مگر مولوی صاحب کے سامنے بالکل گیدڑ بن گئے۔ کہنے لگا: وہ میرے استاد اور محسن ہیں ان کا اتنا رعب ہے کہ مَیں ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔

نیکی و پرہیز گاری پر اہلیہ کی شہادت

مولوی لوگ عورتوں کو اماں جی کے پاس بھیجتے کہ محمد الیاس قادیانی کافر ہو گیا ہے۔ اب تمہارا نکاح محمد الیاس سے ٹوٹ گیا ہے۔ تم اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤ۔ (والد صاحب پہلے ہی فوت ہو گئے تھے) ہم تمہارا دوسرا نکاح کسی اور شخص سے کرا دیں گے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ مَیں ان عورتوں سے کہتی: یہ کیسا کافر ہے؟ جو نمازیں پڑھتا ہے، تہجد کی نماز میں روتا ہے اور قرآن پاک ہر وقت پڑھتا رہتا ہے۔ اگر یہ کافر ہے، تو مَیں بھی کافرہ ہوں۔ مجھے ایسا ہی کافر خاوند چاہیے جو مجھ سے بہترین سلوک کرتا ہو، بہت نیک پرہیز گار اور نمازی ہو۔

توکل علی اللہ

والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ان شورشوں کے دنوں میں جب کہ ملّاؤں نے دف کے ذریعہ اعلان کیا کہ آج رات ہم محمد الیاس کے گھر کو آگ لگا دیں گے اور سب گھر کو مع افراد خانہ کے جلا دیں گے، تو

دوسرے دن D.S.P آدھی رات کے وقت ہمارے گھر آئے اور دستک دی۔ حضرت مولوی صاحب باہر نکلے، تو ڈی ایس پی صاحب نے کہا کہ آپ غم نہ کریں، بے فکر ہو کر سوئیں۔ ہماری موجودگی میں کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ حضرت مولوی صاحب نے ڈی ایس پی صاحب کو جواب دیا: تمہاری بہادری تو اِس سے ظاہر ہے کہ تم لوگوں سے چھپ کر آدھی رات کو مجھ سے ملنے آئے ہو۔ دن کے وقت آنے کی تمہیں جرأت نہ ہوئی۔ مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے میری اور میرے گھر کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ڈی ایس پی اپنا سا منہ لے کر واپس چلا گیا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے ان الفاظ سے بڑی ڈھارس بندھی ورنہ پہلے مَیں بہت گھبرا رہی تھی۔ لوگ ہمارے گھر کے قریب آنے سے گھبراتے تھے کہ محمد الیاس کے پاس بڑا اسلحہ ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا۔ یہ محض الٰہی نصرت تھی کہ وہ لوگ اتنے مرعوب تھے۔

حاجی ترنگ زئی

جب شورش اور زیادہ ہوئی تو لوگ حاجی صاحب ترنگ زئی کے پاس گئے کہ محمد الیاس کافر ہو گیا ہے اس کو مسلمان بنائیں ورنہ سارا چارسدہ ان کی سحر بیانی سے کافر ہو جائے گا۔ حاجی ترنگ زئی جو بعد میں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کی وجہ سے ایک غازی اور پیر مشہور ہو گئے تھے، ترنگ زئی سے چارسدہ آئے۔ ان کے مرید ان کو چارپائی پر اُٹھائے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کا اونچی آواز سے وِرد کرتے چارسدہ لائے، راستے میں جتنے گاؤں آئے اُن کے رہنے والے حاجی صاحب کے جلوس میں شامل ہوئے۔ جب حاجی صاحب چارسدہ کی عید گاہ میں پہنچے تو جلوس کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ حاجی صاحب نے آدمی بھیج کر حضرت مولوی صاحب کو پیغام دیا کہ حاجی صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں اکیلا اپنے گھر سے عید گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں لوگ میرے لئے راستہ چھوڑتے جاتے تھے اور لوگ دُور سے اشارہ کرتے تھے کہ وہ محمد الیاس ہے جو کافر ہو گیا ہے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ کسی کو مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب مَیں عید گاہ پہنچا، تو حاجی صاحب ترنگ زئی اُٹھ کر مجھ سے

ملے۔ حاجی صاحب نے مجھ سے پوچھا کیا تم کافر ہو گئے ہو؟ مَیں نے کہا بفضلہٖ تعالیٰ مَیں مسلمان ہوں۔ اس پر ایک مولوی حکیم عبد الجلیل نے کہا: حاجی صاحب، محمد الیاس کہتا ہے۔ اب مَیں احمدی ہوں محمدی نہیں ہوں اس لئے یہ مسلمان نہیں رہا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں، مَیں نے کہا: حاجی صاحب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں۔ ایک احمدؐ اور دوسرا محمدؐ۔ احمدؐ جمال کو چاہتا ہے اور محمدؐ جلال کو۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے تو آپ صفتِ احمدیت میں تھے۔ پیار محبت سے تبلیغ اسلام کرتے تھے، اور تلوار نہ اُٹھائی۔ اور جب مدینہ تشریف لے گئے اور کفار مکہ نے وہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ محمدیت یعنی جلالی صفت کا ظہور ہوا اور آپ نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔

اب بھی زمانہ ایسا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دینِ اسلام پر حملہ زبان اور لٹریچر سے ہو رہا ہے نہ کہ تلوار سے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ احمدیت آپؐ کے ایک بروز کے ذریعہ جلوہ افروز ہوئی ہے اور دشمن کا مقابلہ دلائل اور لٹریچر سے کیا جاتا ہے مگر حکیم عبد الجلیل یہ کہتا ہے کہ وہ محمدی ہے احمدی نہیں ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ احمدیت سے انکاری ہے۔ اس پر حکیم عبد الجلیل صاحب کہنے لگے کہ حاجی صاحب! محمد الیاس غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ مَیں احمدی بھی ہوں اور محمدی بھی۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں نے حاجی صاحب کو جواب دیا کہ مَیں بھی تو یہ کہتا ہوں کہ مَیں محمدیؐ بھی ہوں اور احمدی بھی اور آج کل ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہے۔ اس پر حاجی صاحب کہنے لگے مجھے سمجھ نہیں آئی یہ کیا باتیں ہوتی ہیں؟ تم صاف بتاؤ کہ تم مسلمان ہو یا نہیں؟ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں نے جواب دیا بحمد اللہ مَیں مسلمان ہوں اور پکا مسلمان ہوں۔ اِس پر حکیم عبد الجلیل نے پھر کہا: اگر یہ مسلمان ہے تو یہ اب ہمارے ساتھ عصر کی نماز باجماعت میں شامل ہو جائے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں: مَیں نے حاجی صاحب سے کہا: مَیں اپنی نماز علیحدہ پڑھوں گا۔ ایسے مولوی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا جو کہتا ہے مَیں احمدی نہیں ہوں صرف محمدی ہوں۔ حاجی صاحب نے فرمایا: ہاں

آپ اپنے گھر جا کر نماز پڑھ لیں۔ آپ جب جلسہ گاہ سے جانے لگے تو ایک شور پڑ گیا کہ محمد الیاس مسلمان ہو گیا ہے اور سب لوگ راستہ چھوڑتے جاتے تھے اور مولوی صاحب بخیریت بسلامت گھر پہنچ گئے۔

مولوی صاحب کا تبادلہ اور کوئٹہ کو ہجرت

چند دن بعد جب معلوم ہوا کہ محمد الیاس بدستور احمدی ہے تو ملّاؤں نے خوب تقریریں کیں اور بڑا فتنہ برپا کرنا چاہا۔ حکومت کو فکر لاحق ہوئی، ایسا نہ ہو یہ فتنہ بڑھ جائے اور حکومت کے لئے مزید تکلیفوں کا سامان پیدا کرے۔ آپ کو پہلے اکوڑہ خٹک تبدیل کر دیا اور بعد میں آپ کو سرحد بدر کر دیا۔
حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواجہ کمال الدین صاحب کو چیف کمشنر کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے ناجائز حکم کو واپس لے لے۔ چیف کمشنر نے جواب دیا کہ ہم ایک آدمی کی خاطر تمام سرحد (ان دنوں صوبہ سرحد چیف کمشنری تھی) کو آگ نہیں لگا سکتے۔ چنانچہ آپ سرحد سے ہجرت کر کے کوئٹہ اپنے بڑے بھائی مولوی رحمٰن الدین صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں پر اسلامیہ مڈل سکول کے ہیڈ مدرس مقرر ہوئے۔

خسر محترم

ہماری والدہ بیان کرتی ہیں کہ: شورش کے ان ایام میں حضرت مولوی صاحب کے والد اور بھائی، لوگوں کے ڈر کی وجہ سے بالکل خاموش رہے اور حضرت مولوی صاحب کی حفاظت یا امداد کا کوئی سامان نہ کیا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ ایک دن حضرت مولوی صاحب کے والد حاجی عبد اللہ صاحب ہمارے گھر لوگوں سے چھپ کر تشریف لائے اور مجھے کہا: بچی، وہ کتاب تو لاؤ جس کی وجہ سے محمد الیاس کافر ہو گیا ہے۔ تاکہ دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے کیونکہ اس کے کافر ہو جانے کی وجہ سے گاؤں میں ہم بھی کسی کو منہ نہیں دکھا سکتے۔ ہر شخص کہتا ہے کہ تمہارا بیٹا پڑھ لکھ کر عالم ہو کر کافر ہو گیا ہے اور لوگ اب ہم سے بھی نفرت کرنے لگ گئے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے قرآن مجید اُٹھا کر اُن کے سامنے رکھ دیا اور کہا یہ کتاب ہے جس کو وہ ہر وقت پڑھتے ہیں۔ اور اب تو قرآن پڑھتے رہتے ہیں اور روتے ہیں۔ نماز بھی بہت لمبی پڑھتے ہیں۔ حاجی صاحب کہنے لگے یہ تو قرآن پاک ہے۔ وہ دوسری کتاب ہے جس کی وجہ

سے محمد الیاس کافر ہو گیا ہے اور ہم سب کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ اب تو ہم کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں مَیں نے جواب دیا: اس کتاب کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کو وہ روزانہ پڑھتے ہوں۔ چنانچہ میرے خسر صاحب خاموشی سے چل دیئے۔

مخالفین کا انجام

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے: چارسدہ میں تین اشخاص نے میری شدید مخالفت کی اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے قہر کے نیچے آکر رُسوا ہوئے۔

ان میں ایک مُلّا محمود تھا جو اخی کتاب فروش کے نام سے مشہور تھا۔ وہ عورتوں کو تعویذ لکھ لکھ کر دیتا تھا کہ جا کر محمد الیاس کے گھر میں دفن کرو۔ اس سے اس کی بیوی محمد الیاس سے متنفّر ہو جائے گی اور اس کو چھوڑ کر اپنی والدہ کے گھر چلی جائے گی اور ساتھ ہی عورتوں کو تلقین بھی کرتا کہ محمد الیاس کی بیوی پر زور ڈالو کہ اب تمہارا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ بہتر ہے کہ اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤ اور ہم دوسرے نکاح کا انتظام کر دیں گے۔ تھوڑے عرصہ بعد اخی کتب فروش اپنی ایک رشتہ دار عورت کے ساتھ بدنام ہوا اور قتل کے ڈر سے چارسدہ چھوڑ کر غائب ہوا اور پتہ نہیں چلا کہ کہاں چلا گیا تھا۔ والدہ صاحبہ کی والدہ' نانی اماں اگرچہ بالکل اَن پڑھ عورت تھی مگر تہجد گزار اور نیک خاتون تھیں۔ وہ آکر اپنی بیٹی سے کہتیں، تم بالکل نہ گھبراؤ تمہارا خاوند بڑا نیک انسان ہے۔ اور تم بڑی خوش قسمت ہو کہ ایسا نیک اور پارسا انسان تمہارا خاوند ہے۔

دوسرا شخص اکبر شاہ تھا جو ایک بہترین تیراک اور اچھا زمیندار تھا وہ کہتا تھا کہ محمد الیاس جب دریا پر نہانے آئے گا، تو میں اُسے دریا میں غرق کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان وہ دریا میں تیرتا ہوا ڈوب کر مر گیا۔

تیسرا شخص مکرّم خان تھا جو چارسدہ کا نمبردار تھا۔ بڑا زمیندار اور بارسوخ تھا مگر بڑا ظالم تھا۔ اس نے حضرت مولوی صاحب کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا جو بھی محمد الیاس کو سودا سلف لا کر دے گا، اس کا انجام بُرا ہو گا اور بدمعاشوں کو اکساتا رہتا تھا کہ محمد الیاس کو قتل کر دو۔ مگر حضرت مولوی صاحب کی جسمانی طاقت اور قوت کی وجہ سے کسی کو آپ کے قریب آنے کی جرأت نہ پڑتی تھی۔

حضرت مولوی صاحب کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا مگر لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے پاس بڑا بھاری اسلحہ ہے۔

مکرّم خان کی بیوی تپ دق سے مر گئی۔ اس کے تین بیٹے بھی ایک ایک کرکے تپ دق سے مر گئے۔ مکرّم خان نے اپنی جائیداد کا کافی حصہ جوئے میں لُٹا دیا۔ جو جائیداد باقی بچی وہ مالیہ میں قرق ہو گئی اور نمبرداری بھی جاتی رہی اور ایک احمدی رئیس محمد اکرم خان دُرّانی کو ملی۔ مکرّم خاں اتنا تنگدست ہو گیا کہ ٹانگہ کرایہ پر چلانا شروع کیا۔

1928ء میں حضرت مولوی صاحب مستونگ سے چارسدہ مع اہل و عیال آئے، پشاور سے چارسدہ تک پانچ چھ دریاؤں پر بیڑیوں کے پل تھے اور ٹانگے والے سواری پشاور سے لے کر ناگمان پل نصف راہ تک لے جاتے تھے اور ناگمان سے دوسرے ٹانگے والے ان سواریوں کو لے کر چارسدہ لے جاتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے جب ناگمان کے مقام پر ٹانگہ تبدیل کیا اور دوسرے ٹانگے پر بیٹھے، تو راستہ میں ٹانگے والے سے چارسدہ کے لوگوں کے متعلق پوچھتے رہے۔ جب حضرت مولوی صاحب نے پوچھا کہ مکرّم خاں کا کیا حال ہے تو ٹانگہ والا جو نیچے پائیدان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اوپر نیچے حضرت مولوی صاحب کو دیکھنے لگا۔ اور پوچھا کیا آپ استاد الیاس نہیں ہیں؟ حضرت مولوی صاحب نے اثباتِ میں جواب دیا تو مکرّم خان نے روتے ہوئے کہا کہ وہ بدبخت مکرّم مَیں ہوں۔ آپ کے جانے کے بعد میرے ساتھ یہ ہوا، یہ ہوا اور اب ٹانگہ چلا کر گزارا کر رہا ہوں۔ مَیں نے آپ کی مخالفت کرکے دین و دنیا دونوں گنوا دیئے۔

چارسدہ پہنچ کر حضرت مولوی صاحب نے مکرّم خان کو ایک روپیہ کرایہ کی بجائے دس روپے دیئے، جس سے وہ بہت خوش ہوا اور حضرت مولوی صاحب کو دعائیں دینے لگا اور حضرت مولوی صاحب کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگا کر معافی مانگنے لگا کہ مجھے معاف کر دیں، مَیں نے آپ کی عظمت کو پہچانا نہیں تھا۔ اور کہنے لگا کہ آپ بڑے عظیم انسان ہیں۔ اپنے دشمن کے ساتھ بھی حُسن سلوک کرتے ہیں۔

دَورِ خلافت ثانیہ

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے: جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو

مجھے خلافتِ ثانیہ کی بیعت کرنے میں ذرا بھی تردُّد نہ ہوا۔ اگرچہ مولوی محمد علی صاحب کے ٹریکٹ خلافت کے متعلق پہنچ گئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ابتدا ہی سے مولوی محمد علی صاحب سے بغاوت کی بُو آتی تھی۔

بطور عرائض نویس

آپ کے بڑے بھائی مولوی رحمٰن الدین پشین بلوچستان میں عرائض نویس تھے۔ انہوں نے آپ کو تحریک کی کہ قانون کی کتابیں پڑھ کر عرائض نویسی کا امتحان پاس کر لیں۔ آپ نے یہ امتحان صرف دوماہ میں قانون کی کتابیں پڑھ کر اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا۔ آپ کی تعیناتی بطور عرائض نویس لورالائی میں ہو گئی۔ ابتدا میں آمدن کم تھی کیونکہ لوگوں سے واقفیت نہ تھی۔

عقیدۂ توحید کے لیے غیرت

لورالائی میں پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر کے سپرینٹنڈنٹ سربلند خاں (جو کہ بعد میں خان بہادر سربلند خاں ہوئے اور ایک عرصہ ریاست قلات کے وزیر اعظم بھی رہے) نے آپ سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنا شروع کیا۔ مولوی صاحب نے محسوس کیا کہ چند ماہ بعد ان کی آمدن بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اس کا ذکر حضرت مولوی صاحب نے سربلند خان سے کیا تو اُس نے کہا کہ لوگوں کو مَیں تحریک کرتا رہتا ہوں کہ وہ عرضی یا اپیل لکھانے کے لئے آپ کے پاس جائیں۔ جونہی حضرت مولوی صاحب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضرت مولوی صاحب لورالائی چھوڑ کر کوئٹہ آ گئے۔ جب مولوی صاحب سے لورالائی چھوڑنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے بتلایا کہ وہاں پر میرا ایک مجازی خُدا پیدا ہو گیا تھا جو میری آمدن بڑھانے کا سبب بنا تھا۔ چونکہ مَیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو روزی رسان نہیں سمجھتا اس لئے مَیں نے اس کو شرک جانا کہ میری آمدن اور روزی کا ذریعہ کوئی انسان ہو۔ میرا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ میرے لئے بہتر انتظام فرمائے گا۔ ان دنوں مستونگ ریاست قلّات میں عرائض نویس کی ضرورت تھی اور نواب سر میر شمس شاہ وزیر اعظم ریاست قلّات نے جو پشاور کے رہنے والے تھے، حضرت مولوی صاحب کو مستونگ میں عرائض نویس مقرر کیا آپ یہاں اکیلے عرائض نویس تھے اور کافی آمدن تھی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا رحم اور فضل تھا کہ مجھے سرحد سے نکالا جہاں پر میری بیس روپے تنخواہ تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کثیر اولاد سے نوازا تھا اس لئے مجھے ایسی جگہ بھیج دیا جہاں پر میری کافی آمدن ہو اور مَیں اپنے بچوں کی بہترین طریقہ سے پرورش کر سکوں۔ مستونگ میں آپ کی ماہوار آمد دوسو اور تین سو روپے کے درمیان تھی جو ان دنوں بہت بڑی چیز تھی یعنی سرحد کی آمدن سے دس گنا سے بھی زائد۔

شادی اور اولاد

ہماری والدہ کا نام اشراف بی بی تھا۔ آپ چارسدہ کے محلہ پینده خیل کے ایک معزز زمیندار عمر دین خان کی دوسری بیوی کی بڑی بیٹی تھیں۔ آپ کی والدہ سے آپ کی ایک چھوٹی بہن تھیں جن کا نام زینب تھا اور ایک چھوٹا بھائی جس کا نام قاسم تھا۔ آپ کے والد بہت بڑے زمیندار تھے۔ آپ کے بیل اپنے علاقے میں مشہور تھے۔ آپ کے والد آپ تینوں کو یتیم چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے اور تمام جائیداد پر آپ کی دوسری والدہ سے بڑے بھائی عبد الرحیم نے قبضہ کر لیا تھا۔ آپ کی والدہ صاحبہ کو صرف ایک مکان رہائش کے لئے ملا تھا۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا کاخیل خاندان سے تھیں۔ کاکاخیل حضرت شیخ رحمان بابا کی اولاد تھے جن کا مزار تحصیل نوشہرہ زیارت کاکا صاحب میں ہے۔ کاکاخیل اپنے آپ کو سادات میں سے کہتے ہیں۔ کاکاخیل میں یہ دستور ہے کہ مزار پر ہر ہفتہ جتنا نذرانہ جمع ہوتا ہے، وہ اپنے اقارب میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے ہر خاندان ہر ہفتہ کی آمدنی اپنے اپنے اقارب میں تقسیم کرتے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ ان کی والدہ صاحبہ کو زیارت کے نذرانہ میں سے باقاعدہ حصہ ملتا تھا۔ ان کا رنگ اتنا سُرخ و سفید تھا کہ محلہ میں ان کا نام انار دانہ مشہور ہو گیا تھا یعنی انار کی طرح سُرخ تھیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ یتیمی ہم نے بڑی تنگدستی میں گزاری۔ چونکہ ان دنوں لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج نہ تھا اس لئے آپ تعلیم سے محروم رہیں۔

جب آپ جوان ہوئیں تو حضرت والد صاحب کی والدہ صاحبہ بھی اسی کندے یعنی محلہ میں رہتی تھیں اور آپ کی والدہ اور حضرت والد صاحب کی والدہ کی آپس میں دوستی تھی اس لئے والدہ صاحبہ نے

آپ کا رشتہ اپنے بیٹے محمد الیاس کے لئے مانگ لیا جو انہوں نے قبول کر لیا۔

آپ کی شادی حضرت مولوی صاحب کے قبولِ احمدیت سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ حضرت مولوی صاحب نے اس وقت بیعت کی جبکہ آپ کے چار بچے دو لڑکے عبد الحیؒ اور عبد القیوم اور دو لڑکیاں بی بی فاطمہ اور بی بی کلثوم پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت والد صاحب کی والدہ صاحبہ بھی اپنے بیٹے کے ہمراہ اکٹھی رہتی تھیں اور حضرت والدہ صاحبہ کے حُسنِ اخلاق اور سلوک سے بہت متأثر تھیں۔ جب حضرت مولوی صاحب کی والدہ صاحبہ بوجہ حرکتِ قلب بند ہو جانے کے وفات پا گئیں تو حضرت مولوی صاحب کے اثر و رسوخ کی وجہ سے جنازہ میں بڑا مجمع ہوا جسے دیکھ کر حضرت مولوی صاحب کے والد صاحب حسرت سے کہنے لگے: کاش آج یہ جنازہ میرا ہوتا۔

والدہ محترمہ کی استقامت

حضرت مولوی صاحب نے احمدیت قبول کی تو گاؤں کے مُلّا گاؤں کی عورتوں کو والدہ صاحبہ کے پاس بھیج کر یہ پیغام دلواتے کہ تمہارا نکاح اس سے ٹوٹ گیا ہے۔ تم اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤ۔ ہم دوسری جگہ تمہارے نکاح کا انتظام کر دیں گے۔ ان مُلّاؤں میں ایک مُلّا جو اخی کتاب فروش کے نام سے مشہور تھا، پیش پیش تھا۔ وہ عورتوں کو تعویذ گنڈے وغیرہ لکھ کر دیتا تھا کہ جاؤ اور محمد الیاس کے گھر میں اس کو دفن کر دو تاکہ ان کی بیوی ان سے برگشتہ ہو جائے۔

والدہ صاحبہ فرماتی ہیں: مَیں ہر ایک کو یہ جواب دیتی کہ مَیں اپنے میاں کو دیکھتی ہوں۔ پہلے سے زیادہ نمازیں پڑھتا ہے، رات کو نمازوں میں روتا ہے، اس کے چہرہ پر ایک نور ہے، مَیں اس کو کیسے کافر کہوں ؟ اور اگر کافر ایسے ہوتے ہیں، جن کے ایسے اعمال ہوں، تو مجھے ایسا کافر خاوند منظور ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ باوجود اَن پڑھ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت استقامت دی اور میری بہترین رہنمائی فرمائی۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میری والدہ اکثر مجھے کہتیں کہ محمد الیاس پکا مسلمان ہے۔ مُلّاؤں کی باتوں میں ہرگز مت آنا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ کئی بار ایسا ہوا کہ دن کے وقت ہمارے گھر کے سامنے دف بجا بجا کر اعلان کیا جاتا کہ آج رات محمد الیاس کے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔ ہم اس کی بیوی

کو ہوشیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو لے کر باہر نکل جائے اور ایک کافر کے چنگل سے باہر آجائے ورنہ اُسے بھی کافر کے ساتھ ہی جلا دیا جائے گا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی استقامت دی اور اتنا مضبوط دل دیا کہ مَیں ان اعلانات کو کوئی وُقعت نہ دیتی اور آرام سے سو جاتی۔

والدہ محترمہ کی خدا ترسی

ایک دفعہ ہم ریل میں سفر کر رہے تھے۔ مستونگ سے سبّی جا رہے تھے۔ سخت سردی تھی۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ ریل کے ڈبہ میں چند غریب عورتیں تھیں، جن کے بچوں کے بدن پر صرف ایک ایک کُرتا تھا۔ آپ نے اسی وقت ہم بھائیوں کے کچھ گرم کپڑے اتار کر ان بچوں کو پہنائے اور جو روٹی کھانے کے لئے ساتھ لائے تھے، وہ بھی ان بچوں کو دے دی اور ہم سب کو بھوکا رکھا۔ اور ہم ساری رات سردی سے ٹھٹھرتے رہے۔

سادگی کا لطیفہ

والدہ صاحبہ خوش خوراک تھیں اور گھر پر لذیذ کھانے بناتی تھیں اور ہر نیا ڈش پکانے کے لئے کوشاں رہتی تھیں۔ مستونگ میں ہمارے محلہ میں ایک محرر کی بیوی رہتی تھی جو والدہ اکرام کے نام سے مشہور تھیں۔ اکرام کی والدہ ہر روز گھر میں دیوار کے ساتھ چارپائی لگا کر کھڑی ہو جاتی اور باتیں کرتی۔ والدہ صاحبہ ہر روز اکرام کی والدہ سے پوچھتیں کہ اکرام کی والدہ آج تم نے کیا پکایا ہے؟ وہ کہتی ”اماں جی! اچار نال کھایا ڈنگ لنگھایا“ دو تین دن جب اکرام کی والدہ نے ایسا ہی کیا تو والدہ صاحبہ نے بچیوں سے کہا آج جب اکرام کی والدہ چارپائی پر کھڑی ہوں تو اس سے پوچھو کہ ”یہ ڈنگ لنگھایا“ کیسے پکایا جاتا ہے؟ جب اکرام کی والدہ سے پوچھا گیا تو وہ بہت ہنسی اور کہا کہ اماں جی یہ پنجابی محاورہ ہے۔ اچار کے ساتھ روٹی کھائی اور وقت گزار دیا۔ والدہ صاحبہ کو پنجابی نہیں آتی تھی اور اُردو بہت معمولی بول لیتی تھیں۔

اسی طرح کوئٹہ کے عظیم زلزلہ کے وقت ہم مستونگ میں تھے۔ اگر کوئی والدہ صاحبہ سے زلزلہ کا حال پوچھتی تو ٹوٹی پھوٹی اُردو میں کہتیں ”ایک زلزلہ دا آیا۔ بس پھر سب ختم۔“

سلسلہ اور خلافت احمدیہ حقہ سے محبت

سلسلہ اور خلفائے سلسلہ سے بہت محبت تھی۔ حضرت والد صاحب کا یہ دستور تھا کہ وہ شام کے وقت اخبار الفضل یا دیگر رسائل کا پشتو میں ترجمہ کر کے والدہ صاحبہ اور بچوں کو سناتے۔ اس طرح سے حضرت والدہ صاحبہ کو کافی مسائل کا علم ہو گیا تھا اور جماعت کے روزانہ مسائل کا بھی علم ہوتا تھا۔ ایک دفعہ قادیان میں مستریوں نے بہت اُودھم مچایا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پر غلط قسم کے الزامات لگانے لگے اور لاہور کے غیر مبائع جن کو پیغامی اور لاہوری بھی کہتے ہیں اس گند کو اچھالنے میں پیش پیش تھے۔

حضرت والد صاحب اخبار الفضل سے جو اس وقت ہفتہ میں تین بار نکلتا تھا۔ غیر مبائعین کے مکروہ عمل کا تذکرہ کرتے کہ آج لاہوریوں نے یہ کہا، وہ کہا وغیرہ۔ ایک دن لاہور کے رہنے والے چند بھکاریوں نے بھیک مانگنے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ والدہ صاحبہ نے پس پردہ ان سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم لاہور سے آئے ہیں۔ والدہ صاحبہ نے ان سے کہا کہ اچھا وہ بدذات لاہوری تم ہو جو ہمارے پیارے آقا خلیفۃ المسیح کو گالیاں دیتے ہو؟ بھلا بتاؤ تو سہی کہ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم کیوں اتنے ظالم بن گئے ہو کہ ایک معصوم اور بے ضرر انسان کو دکھ دیتے اور جھوٹے الزامات لگاتے ہو؟ ان بھکاریوں نے کہا: اماں جی، خُدا کی قسم ہم تمہارے خلیفہ کو نہیں جانتے اور نہ ہم نے کبھی ان کو گالی دی ہے۔ والدہ صاحبہ نے ان کو خیرات تو دے دی مگر کہا خبردار اگر پھر کبھی تم نے ہمارے خلیفہ کو بُرا بھلا کہا۔ شام کو والدہ صاحبہ نے یہ تمام ماجرا حضرت والد صاحب سے بیان کر دیا تو حضرت والد صاحب ہنس پڑے اور کہا نیک بخت ہر لاہور کا رہنے والا خلیفہ وقت کو گالیاں نہیں دیتا۔ یہ ایک خاص گروہ ہے جس کو لاہوری کہتے ہیں۔ اس کے بعد والد صاحب نے غیر مبائعین کو گھر میں لاہوری کہنا چھوڑ دیا اور صرف غیر مبائع کہتے تا کہ پھر اس قسم کی غلطی سرزد نہ ہو۔

احمدی خواتین سے محبت

والدہ صاحبہ کو احمدی مستورات سے بہت محبت تھی۔ جب کبھی کسی احمدی خاتون سے ملتیں تو بہت

خوش ہوتیں اور ان کی خوب مہمان نوازی کرتیں اور اپنی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں ان سے کلام کرتیں۔ تمام نمازوں اور خاص کر نماز تہجد کی سختی سے پابند تھیں۔ بہت دُعا گو تھیں۔ ان کو عربی دعائیں نہیں آتی تھیں کیونکہ اَن پڑھ تھیں مگر حضرت والد صاحب نے اُن کو عربی دعاؤں کا ترجمہ پشتو زبان میں سکھا دیا تھا اور والدہ صاحبہ یہ دُعائیں نہایت تضرع سے کرتی تھیں۔

صبر و تحمل

حضرت والدہ صاحبہ نے حضرت والد صاحب کی وفات پر نہایت صبر اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔ نہ کسی قسم کی جزع فزع کی اور نہ آہ وبکا۔ فرماتی تھیں کہ تمہارے والد صاحب تو انسان نہیں تھے وہ تو ایک فرشتہ تھے جس نے مجھ جیسی اَن پڑھ خاتون کو احمدیت کی تعلیم دی اور تمام عمر حُسن سلوک کا نمونہ دکھایا۔

اولاد

حضرت والدہ صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے چھ لڑکے اور چھ لڑکیاں عطا فرمائیں۔

عبدالحیٔ خان

سب سے پہلا اور بڑا لڑکا عبدالحیٔ خاں تھا۔ عبدالحیٔ خاں کی پیدائش Premature یعنی مقررہ ایام سے پہلے ہوئی اس لئے وہ بہت کمزور تھے۔ ان کی پرورش اور صحت کی طرف خاص توجہ دینی پڑی۔ وہ زمانہ کی رسومات کا ذکر فرماتی تھیں کہ عبدالحیٔ بہت کمزور اور سوکھا تھا۔ ایک مُلّا کے کہنے پر ان کی دادی نے بہت بڑی روٹی پکائی اُس کو درمیان سے گول کاٹ لیا اور عبدالحیٔ کو اس روٹی میں سے گزارا تاکہ اس کو صحت ہو اور زندگی ملے۔ بعد میں والدہ صاحبہ ان بدرسوم کا ذکر کر کے ہنستی تھیں کہ احمدیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آج ہم کو ایک عظیم نعمت عطا کی اور مُلّاؤں کے چنگل سے چھڑا لیا۔

عبدالحیٔ خاں بعد میں بہت قوی ہیکل جوان ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھتے رہے اور بی اے پاس کیا۔ جن دنوں عبدالحیٔ خان اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھتے تھے انہی دنوں میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ بھی گورنمنٹ کالج میں پڑھتے تھے۔ دونوں فٹ بال کے کھلاڑی تھے اور آپس میں خوب دوستی تھی۔

ایک دفعہ مَیں نے عبد الحیٔ خان مرحوم کے بیٹے عبد العزیز کا جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں تعارف کرایا اور کہا: یہ آپ کے دوست فٹ بالر عبد الحیٔ خاں کے لڑکے ہیں۔ تو حضور نے فرمایا: بالکل غلط! وہ میرا دوست نہیں تھا بلکہ میرا بھائی تھا اور اس کے بعد عبد العزیز خان کو گلے لگا لیا اور پیار کیا اور بہت دیر تک حضور عبد الحیٔ خان کا تذکرہ فرماتے رہے۔ عبد الحیٔ خان کچھ مدت تک ریاست لسبیلہ میں والیٔ ریاست جام میر غلام قادر خان کے اتالیق رہے۔

ایک دفعہ راولپنڈی میں جبکہ اسمبلی کا اجلاس تھا، مکرم مولوی دین محمدؐ شاہد صاحب میرے پاس آئے اور فرمایا چلو ممبران قومی اسمبلی کو تبلیغ کرتے ہیں۔ جب ہم کوہِ نور ٹیکسٹائل ملز کے ریسٹ ہاؤس پہنچے تو وہاں پر چند ایم۔ این۔ اے صاحبان سے تبلیغی گفتگو ہوئی اور ان کو لٹریچر دیا۔ اسی ریسٹ ہاؤس میں جام میر غلام قادر خان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو مَیں نے ان سے ذکر کیا کہ میں آپ کے اتالیق عبد الحیٔ خان مرحوم کا بھائی ہوں تو بہت خوش ہوئے بڑے تپاک سے ملے گلے لگایا اور بڑی دیر تک ہماری باتیں سُنتے رہے اور پھر ہمیں رخصت کرنے کے لئے مین گیٹ تک تشریف لائے۔

سوانح محترم عبد الحیٔ خان

عبد الحیٔ خان بہت بارُعب تھے۔ تمام اساتذہ اور طالب علم ان کی عزت کرتے تھے۔ مستونگ میں ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب بیمار ہو گئے۔ زندگی کی اُمید باقی نہ رہی تو حضرت والد صاحب نے تمام افراد خاندان کو اپنی چارپائی کے گرد جمع کر کے کہا کہ مَیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے الفاظ میں جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو تمام بیٹوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم واحد خدا کی عبادت کریں گے جس کی آپ عبادت کرتے تھے، ہمارے دادا اسحاق اور پر دادا ابراہیم کرتے تھے۔ مَیں تم سے پوچھتا ہوں کیا میری وفات کے بعد تم احمدیت کو جو ایک صداقت ہے چھوڑو گے؟ تو ہم سب کی طرف سے عبد الحیٔ خان نے نمائندگی کی اور کہا کہ بابا: (ہم والد صاحب کو بابا کہتے تھے) ہم ان شاء اللہ احمدیت پر قائم رہیں گے اس پر اگر ہماری جان بھی چلی جائے تو اس کے لئے بھی ہم تیار ہیں۔ تو والد صاحب نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور کہا: اے اللہ تُو گواہ رہ کہ مَیں ان کو

احمدی چھوڑ کر جارہا ہوں تُو ان کی حفاظت اور نگہبانی کرتا رہ تا کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آئے۔ پھر فرمایا اب اگر مَیں مر جاؤں، تو مجھے کوئی غم نہیں ہے۔

شادی خانہ آبادی

عبدالحیٔ خان کی شادی ذکیہ بیگم بنت مولوی مسیح الدین صاحب سے ہوئی۔ مکرم مولوی مسیح الدین صاحب مولوی نور محمد صاحب کے بڑے بیٹے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ جنہوں نے کوئٹہ، صوابی، مردان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے متعلق شہادت دی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں درج ہے۔ عبدالحیٔ خان کی شادی سے پہلے جبکہ عبدالحیٔ خان گلستان (بلوچستان) میں ٹیچر تھے، ہمارے تایا مولوی رحمٰن الدین صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ مَیں اپنی لڑکی عبدالحیٔ خان کو دینا چاہتا ہوں۔ والد صاحب نے اپنے بھائی صاحب کو کہا کہ ہم ایک منظّم جماعت کے فرد ہیں۔ ہمارے ایک امام ہیں۔ مَیں اُن کی اجازت کے بغیر یہ شادی نہیں کر سکتا۔ حضرت والد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو تمام حالات لکھ کر مشورہ طلب کیا۔ حضور انور کا خط آیا، جو غالباً اس طرح سے تھا:

”اگر اس رشتہ سے آپ کے بھائی کی اصلاح مد نظر ہو تو اجازت ہے ورنہ احمدی لڑکوں پر ظلم نہ کیا جائے۔“

صحیح الفاظ مجھے یاد نہیں۔ لگ بھگ اس قسم کے الفاظ تھے اس لئے حضرت مولوی صاحب نے اس رشتہ کا خیال چھوڑ دیا۔ عبدالحیٔ خان کا بعد میں تبادلہ بلوچستان سے صوبہ سرحد ہو گیا اور آپ کی پوسٹنگ پاراچنار میں ہو گئی۔ انہی دنوں مکرم مولوی مسیح الدین صاحب بھی جو سکول ماسٹر تھے، اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے، ان کو اپنے پاس پاراچنار بلایا اور مولوی صاحب نے وہاں پر عرائض نویسی کا شغل اختیار کیا۔

مکرم مولوی مسیح الدین صاحب کا ایک لڑکا میجر مصلح الدین سعید تھا جو بنگلہ دیش کی لڑائی میں شہید ہو گیا۔ میجر سعید کے چار لڑکے ہیں اور چاروں مخلص نوجوان ہیں۔

وفات اور تدفین

پاراچنار میں عبد الحیٔ خان بیمار ہو گئے اور وہ بیماری بڑھتے بڑھتے تپ دق (T.B) کی صورت اختیار کر گئی۔ عبد الحیٔ خان کا تبادلہ بعد میں صوابی اور درگئی ہو گیا۔ درگئی میں ان کی طبیعت بہت خراب ہوئی اور انہوں نے لمبی چھٹی لے لی اور ڈاڈر سینی ٹوریم علاج کے لئے تن تنہا روانہ ہوئے مگر وہاں پر کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا اور چند دنوں بعد ڈاڈر سینی ٹوریم میں فوت ہو گئے۔ وفات کے وقت حضرت مولوی صاحب ان کے سرہانے موجود تھے۔ ان کی وفات پر حضرت والد صاحب راتوں رات ان کی لاش ایک ویگن میں رکھوا کر پبّی لائے۔ تمام افراد خانہ ان دنوں برادرم دانشمند خان کے گھر محب بانڈہ میں تھے۔ برادرم عبد الحیٔ خان کو اپنی ہمشیرہ فاطمہ بیگم (اہلیہ دانشمند خان) سے بڑی محبت تھی اس لئے عبد الحیٔ خان نے وصیت کی کہ مجھے محب بانڈہ میں دفن کیا جائے۔ عبد الحیٔ خان کی وفات 4/ اکتوبر 1940ء کو ہوئی۔

عبد الحیٔ کی وفات پر حضرت مولوی صاحب کا خط اور صبر

حضرت مولوی صاحب نے ڈاڈر سینی ٹوریم سے مجھے مندرجہ ذیل خط لکھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الکریم و علٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

نور چشم عبد السلام اطال اللہ عمرہٗ۔ بتاریخ 4/ اکتوبر 1940ء بوقت ڈیڑھ بجے رات بمقام ڈاڈر سینی ٹوریم میرا محبوب بیٹا اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت کر کے چلا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

2۔ جب فرزند موصوف فوت ہوا تو اسی وقت بہ کرایہ مبلغ پچاس روپے ایک موٹر مجھ کو مل گئی جس میں اس کی لاش رکھی گئی اور راتوں رات محب بانڈہ پہنچائی گئی۔ 5/ اکتوبر 1940ء کو بہ وقت 3 بجے دن وہ سُپرد خاک ہوا۔

والدعا

راقم محمد الیاس از محب بانڈہ 40-10-7

عبد الحیٔ خان کی وفات پر حضرت مولوی صاحب نے بڑے صبر کا نمونہ دکھایا اور راضی برضاءِ الٰہی رہے۔ عبد الحیٔ خان کی وفات کے بعد ایام عدت گزرنے پر حضرت مولوی صاحب نے عبد الحیٔ خان کی بیوہ زکیہ بیگم کو بلا کر فرمایا کہ عبد الحیٔ خان تمہارے میاں تھے وفات پا گئے ہیں۔ اب تم آزاد ہو۔ چاہو تو ہمارے گھر رہو۔ چاہو تو اپنے والدین کے گھر رہو۔ مَیں تم کو ماہوار خرچ حسب توفیق دیتا رہوں گا۔ زکیہ خانم نے کہا کہ مَیں اپنے والدین کے گھر جاتی ہوں۔ تو آپ نے اجازت دے دی اور آخر تک ان کو ماہوار اخراجات دیتے رہے۔ حتیٰ کہ جب زکیہ بیگم نے دوسری شادی کی تو بھی بچوں کے اخراجات بھجواتے رہے۔

عبد الحیٔ خان کے دو بچے ہیں۔ ایک لڑکا عبد العزیز ہے جو کہ سعودی عرب میں ملازم ہیں اور لڑکی رشیدہ بیگم جو مولوی غلام رسول صاحب پٹھان کے لڑکے عبد الکریم خان سے بیاہی ہے۔

دانشمند خان کا قبول احمدیت

والدہ صاحبہ کی پہلی بچی فاطمہ بیگم ہے۔ فاطمہ بیگم مکرم دانشمند خان سکنہ محب بانڈہ تحصیل نوشہرہ کی بیوی اور مکرم عزیزم بشیر احمد خان رفیق سابق امام مسجد لندن کی والدہ ہیں۔ دانشمند خاں محب بانڈہ کے ایک رئیس کے لڑکے تھے۔ گاؤں میں ان کی خاصی جائیداد اور زرعی زمینیں ہیں۔ اپنی نوجوانی میں بہت مست اور شرارتی اور بدنام تھے۔ ان کے والد صاحب ان کو گندے ماحول سے نکالنے کے لئے اپنے ایک عزیز کے توسط سے مستونگ بلوچستان میں لے آئے اور یہاں پر نائب داروغہ جیل لگا دیا۔ دانشمند خان کے والد صاحب کی نظر مستونگ میں اچانک حضرت مولوی صاحب پر پڑی تو اپنے بیٹے سے کہنے لگے کہ اس شخص سے ہوشیار رہنا۔ یہ جادوگر ہے ہم نے اس کو اس کے بدمذہب اختیار کرنے کی وجہ سے ملک بدر کر دیا ہے۔ اس سے دور ہٹ کر رہو۔ بالکل اس کے قریب نہ جانا۔ دانشمند خان کہتے ہیں کہ میں اپنے والد صاحب کی نصیحت پر عمل کرتا رہا مگر ایک دن جمعہ کے روز اچانک میری اور حضرت مولوی صاحب کی آپس میں ملاقات ہو گئی۔ حضرت مولوی صاحب نے مجھ سے پوچھا۔ دانشمند خاں کہاں جا رہے ہو؟ مَیں نے کہا نماز جمعہ پڑھنے جا رہا ہوں تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ آج نماز جمعہ ہمارے ساتھ پڑھو۔ دانشمند خاں کہتے ہیں کہ مَیں بھی دل میں خوش ہوا کہ چلو آج قادیانیوں کی نماز کو دیکھ لوں گا۔ نماز

سے پہلے حضرت مولوی صاحب نے خطبہ جمعہ پڑھا اور کچھ اس انداز سے پڑھا کہ جیسے میری تمام سابقہ بداعمالیاں حضرت مولوی صاحب پر منکشف ہوگئی ہیں اور وہ ان کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد نماز شروع ہوئی۔ دانشمند خان کہتے ہیں کہ مَیں نے نماز کیا پڑھنی تھی۔ مَیں نماز میں ادھر اُدھر دیکھتا تھا کہ یہ کس قسم کی نماز پڑھتے ہیں۔ مَیں نے محسوس کیا کہ ان کی نماز اور ہماری نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نماز کے بعد حضرت مولوی صاحب نے تمام احباب جماعت کو جو تعداد میں پانچ چھ تھے اور پنجاب کے رہنے والے ملازم تھے چائے کی دعوت دی اور چائے پر بھی مختلف مسائل پر باتیں ہوتی رہیں۔

دانشمند خان کہتے ہیں کہ دوسرے جمعہ مَیں از خود نماز جمعہ پڑھنے حضرت مولوی صاحب کے مکان پر گیا اور یہ لگن روز بروز بڑھتی گئی۔ دانشمند خان کہتے ہیں: ایک رات میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی میرے پیر پکڑ کر جگاتا ہے اور کہتا ہے اُٹھو بیعت کرو۔ مَیں چارپائی سے اُٹھ جاتا ہوں مکان کے کونے کونے کو دیکھتا ہوں مگر کسی غیر شخص کو نہیں پاتا۔ پھر سو جاتا ہوں۔ اس طرح کئی روز تک وقفہ وقفہ سے مجھ سے یہ سلوک ہوتا رہا۔

دانشمند خان کہتے ہیں: آخر کار تنگ آکر ایک دن مَیں نے حضرت مولوی صاحب سے پوچھا یہ بیعت کیا ہوتی ہے؟ اور جب انہوں نے بیعت کی تشریح کی، تو مَیں نے کہا آج کل بیعت کس سے کی جاتی ہے؟ تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے۔ دانشمند خاں کہتے ہیں کہ مَیں نے فوراً قادیان بیعت کا خط لکھ دیا اور جواب میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا دستخط شدہ پوسٹ کارڈ آیا کہ حضرت صاحب نے تمہاری بیعت قبول فرمالی ہے۔ پوسٹ کارڈ ڈاکخانہ میں پوسٹ ماسٹر نے پڑھا اور دیگر لوگوں کو بتایا کہ دانشمند خاں قادیانی ہوگیا ہے۔ دانشمند خاں کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے مجھ سے پوچھا تم قادیانی ہوگئے ہو تو مَیں سینہ تان کر کہتا۔ ہاں! مَیں قادیانی ہوگیا ہوں۔

حضرت مولوی صاحب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ دانشمند خاں کے گھر آئے اور فرمایا اب تم احمدی مسائل سے واقفیت حاصل کرو اور قرآن باترجمہ مجھ سے پڑھو! دانشمند خاں کہتے ہیں کہ مَیں نے مولوی صاحب سے کہا کہ قرآن باترجمہ ہرگز نہ پڑھوں گا کیونکہ ایک دفعہ مَیں نے گاؤں کے امام مسجد سے

ترجمہ اور تفسیر پڑھنی شروع کی تھی ایک جگہ جب مَیں نے اعتراض کیا تو امام مسجد مجھ سے کہنے لگے کہ تم معتزلہ ہوگئے ہو کافر ہو۔ دوبارہ کلمہ پڑھو اور مسلمان ہو جاؤ۔ مَیں دوبارہ کافر بننا نہیں چاہتا۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا مَیں تمہیں پڑھاؤں گا۔ تم جتنے اعتراضات کرنا چاہتے ہو کرتے جاؤ۔ جب تک مسئلہ تمہارے ذہن میں صاف نہ ہو جائے میں آگے ہر گز نہیں جاؤں گا۔ دانشمند خاں کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت مولوی صاحب سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنی شروع کی تھی اور میرے ذہن میں جتنے اعتراضات آسکتے تھے کرتا جاتا تھا مگر آفرین ہے حضرت مولوی صاحب پر نہ کبھی خفا ہوئے اور نہ میرے اعتراض کو رد کیا بلکہ مکمل جواب دیتے جاتے تھے۔ دانشمند خان کہتے ہیں: اس طرح سے مَیں ایک اچھا عالم بن گیا اور حضرت مولوی صاحب میرے روحانی باپ بن گئے۔

فاطمہ بیگم کے ساتھ شادی

کچھ عرصہ بعد دانشمند خاں نے کسی کے ذریعہ حضرت مولوی صاحب سے رشتہ کی درخواست کی اور حضرت مولوی صاحب نے بعد دعا و استخارہ ان کی درخواست قبول فرمالی۔ اور ان کی اپنی دختر نیک اختر فاطمہ بیگم بیاہ دی۔ انہوں نے حضرت مولوی صاحب کے قریب ہی مکان کرایہ پر لے کر رہائش اختیار کرلی۔ اور اس طرح حضرت مولوی صاحب کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔

پردہ کی پابندی

دانشمند خاں کہتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب ستر (پردہ۔ناقل) کے بہت سختی سے پابند تھے۔ ان کی باقی لڑکیاں مجھ سے ستر (پردہ) میں رہتی تھیں اور مجھے بھی حضرت مولوی صاحب کی موجودگی ہی میں آپ کے گھر جانے کی اجازت تھی جبکہ باقی لڑکیاں کمرے میں چلی جاتی تھیں اور ستر میں رہتی تھیں۔ یہ حضرت مولوی صاحب کا اپنا ایک انداز تھا کہ شریعت نے جس کو محرم کہا ہے اس سے پردہ نہ ہو باقی سب سے پردہ ہو۔

سوانح دانش مند خان صاحب

دانشمند خاں بعد میں صاحب کشف و الہام ہوئے اور بہت بزرگ انسان تھے۔ تبلیغِ احمدیت ان کا ہر

وقت کا مشغلہ تھا۔ قرآن پاک پر بڑا عبور حاصل تھا۔ سلسلہ اور خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے بڑی محبت تھی۔ احمدیت کے لئے بڑی غیرت تھی، تبلیغ ان کا مشغلہ تھا۔ بہت مہمان نواز اور خوش خلق تھے۔ دانشمند خاں فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کی صحبت نے مجھے باخُدا انسان بنایا۔ اگر میری ملاقات حضرت مولوی صاحب سے نہ ہوتی تو پتہ نہیں میں کس قسم کا انسان بنتا اور کتنے لوگوں کے لئے باعث تکلیف ہوتا۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ حضرت مولوی صاحب کے ذریعہ مجھے احمدیت کی نعمت نصیب ہوئی اور صحیح معنوں میں انسان بنا۔ ایسا انسان جس سے خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ دانشمند خاں ملازمت چھوڑنے کے بعد جب مستقل طور سے اپنے گاؤں محب بانڈہ میں رہنے لگے تو ہر شخص کو یہ کہتے تھے کہ مَیں اب احمدی ہوں، پٹھان نہیں ہوں۔

اتفاق سے ایک مقدمہ میں ان کی گواہی ہونا تھی۔ فریق مخالف کے وکیل نے ان کی گواہی کے زور کو کم کرنے کے لئے کہا کہ دانشمند خاں پٹھان نہیں ہیں ان کی گواہی ثقہ نہیں ہے اور وکیل نے دانشمند خاں سے سوال کیا: کیا آپ پٹھان ہیں؟ وکیل صاحب کا خیال تھا کہ جیسے عموماً دانشمند خان کہا کرتے ہیں کہ اب میں پٹھان نہیں ہوں، پٹھان ہونے سے انکار کر دیں گے۔ دانشمند خاں نے جواب دیا 1918ء تک پٹھان تھا۔ اب نہیں ہوں۔ عدالت نے پوچھا یہ کیسے؟ تو دانشمند خاں نے جواب دیا کہ پہلے مجھ میں یہ یہ عیوب تھے اور مَیں پٹھان تھا۔ اب مَیں نے احمدی ہو کر ان تمام چیزوں سے توبہ کر لی ہے جس میں ایک جھوٹی گواہی بھی ہے اس لئے مَیں اب پٹھان نہیں ہوں۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ کی گواہی ثقہ ہے اور مَیں فیصلہ آپ کی گواہی پر دیتا ہوں۔

وفات

دانش مند خان صاحب نے چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے ان کی صحت بہت اعلیٰ تھی۔ اپنے گاؤں میں اپنے مکان میں لیٹے ہوئے تھے کہ برآمدے کا شہتیر ٹوٹ کر ان پر آگرا جس سے وہ شدید زخمی ہوئے اور بعد میں زخموں کی وجہ سے وفات پائی۔ موصی تھے۔ اور مقبرہ بہشتی میں دفن ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ

اولاد

دانشمند خاں کے بڑے صاحبزادے عزیزم بشیر احمد خاں رفیق ہیں جو کافی عرصہ لندن میں امام مسجد رہے ہیں اور ایک کامیاب مبلغ ہیں۔ بشیر احمد خاں رفیق واقف زندگی ہیں۔ ان کے وقف زندگی پر ان کے والد بہت خوش تھے اور فخر کرتے تھے۔ بشیر احمد خاں رفیق کی تین لڑکیاں اور دو لڑکے منیر احمد اور محمود احمد ہیں۔ یہ سب بفضلہٖ تعالیٰ بہت نیک اور صالح اور احمدیت کے رنگ میں رنگین ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی امۃ الجمیل کی شادی اعجاز احمد خاں ابن مکرم صوبیدار عبدالغفور خاں سے ہوئی ہے۔ دوسری بیٹی امۃ النصیر کی شادی میرے بھتیجے عزیز ڈاکٹر عبدالوحید خاں سے ہوئی ہے۔ تیسری بیٹی بشریٰ ناہید ابھی زیر تعلیم ہے۔

دانشمند خاں کا دوسرا لڑکا کرنل نذیر احمد خاں ہے جو بہت نیک اور پارسا انسان ہے۔ دانشمند خاں کہا کرتے تھے کہ میرے دو بیٹے ہیں ایک کو خدائی فوج میں داخل کیا ہے اور دوسرے کو پاکستانی فوج میں۔ نذیر احمد خاں سے دانشمند خان فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری ساری ترقی اور عزت دراصل بشیر احمد رفیق کی وجہ سے ہے کہ وہ واقفِ زندگی ہیں اس لئے ان کی بڑی عزت کیا کرو۔

دانشمند خاں کی چار لڑکیاں ہیں۔ ان کی بڑی لڑکی امۃ الکریم جو محمد حسن خاں درانی چارسدہ سے بیاہی ہوئی ہیں۔ امۃ الحفیظ جو محمد حسین خاں شیخ محمدی سے بیاہی ہیں۔ امۃ الحمید جو صاحبزادہ محمود احمد صاحب سرائے نورنگ سے بیاہی ہیں اور امۃ الوحید جو صاحبزادہ محمد فاضل سے بیاہی ہیں۔ محمد فاضل مکرم جناب صاحبزادہ محمد طیب صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں اور صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے پوتے ہیں۔ اور یہ سب بچیاں بفضلِ خدا نیک ہیں۔

تعلیم

دانشمند خاں کی اپنی تعلیم پرائمری تک تھی مگر حضرت مولوی صاحب کی صحبت کی وجہ سے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھنے کی وجہ سے بہت بڑے عالم ہو گئے تھے اور علاقے کے بڑے بڑے علما ان سے گفتگو کرنے سے کتراتے تھے۔

مخالفت میں ثابت قدمی

دانشمند خاں کی احمدیت کی وجہ سے کافی مخالفت شروع ہوئی اور ان کو قتل کرنے کے مختلف

منصوبے بنائے گئے۔ گرمیوں کے دنوں میں ایک رات خان صاحب اپنے گھر کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔ صحن کی ایک دیوار بوجہ بارش گر چکی تھی۔ کسی دشمن نے موقع تاڑ کر رات کے وقت باہر سے ان پر بندوق کا فائر کیا جس سے ان کا سر تو بچ گیا مگر ایک ہاتھ ناکارہ ہو گیا جو بعد میں کاٹ دیا گیا۔ اور خان صاحب اخیر عمر تک ایک ہاتھ سے سب کام کرتے رہے۔ ہسپتال میں جبکہ آپ زیست و موت کی کشمکش میں تھے اپنے بیٹے کرنل نذیر احمد کو جو ان دنوں لیفٹیننٹ تھے بلا کر فرمایا: دیکھنا بیٹے! تم نوجوان ہو تم کو لوگ کہیں گے فلاں شخص نے فائر کیا ہے، فلاں نے کیا ہے۔ مگر مَیں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس لئے میرا کسی پر دعویٰ نہیں ہے۔ میرا بدلہ خدا لے گا۔ تم کسی کے کہنے پر اشتعال میں نہ آنا۔

غریب پروری

دانشمند خاں کی کافی زرعی جائیداد تھی مگر کبھی اپنی اراضی پر نہیں گئے۔ جو مزارعین دے جاتے خوشی سے لے لیتے۔ ان کو زمینداری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تمام دلچسپی تبلیغ احمدیت میں تھی۔ ایک دفعہ گاؤں میں سکول کے لئے زمین کی ضرورت پڑی۔ خاں صاحب نے اپنی زرعی زمین میں سے چار کنال کا رقبہ مفت سکول کو دے دیا۔ جب اس قطعہ پر سکول بن گیا تو ڈپٹی کمشنر وغیرہ سکول کے افتتاح کے لئے آئے تو کسی نے بھی دانشمند خان کو مدعو نہ کیا۔ آخر ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا: جس شخص نے زمین سکول کے لئے مفت دی ہے وہ کہاں ہیں؟ تو اس پر ایک شخص نے کہا۔ چھوڑو جی اس کو، وہ تو قادیانی ہے۔ ڈپٹی کمشنر یہ جواب سن کر بہت خفا ہوئے اور خود خان صاحب کے گھر پر ان کا شکریہ ادا کرنے آئے۔ دانشمند خاں نے ڈی۔ سی صاحب سے کہا کہ مَیں نے کسی پر احسان جتانے کے لئے یہ قطعہ زمین نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیا ہے۔

فاطمہ بیگم

دانشمند خاں کی بیگم فاطمہ بی بی بہت دُعاگو عبادت گزار خاتون تھیں۔ گاؤں میں تمام عورتیں ان کی سعادت کی وجہ سے ان کی قدر کرتی تھیں۔

ایک دفعہ ان کے دو بچے ایک لڑکی مہ طلعت اور ایک لڑکا بشیر احمد اوّل چار پانچ سال کے ایک ہی

دن میں ہیضہ سے فوت ہوئے مگر انہوں نے نہایت صبر ورضا سے یہ حادثہ برداشت کیا جس پر گاؤں کی عورتوں کو حیرت ہوئی۔

بی بی کلثوم

والدہ صاحبہ کی دوسری لڑکی بی بی کلثوم تھیں جو کہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ (صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی دوسری بیوی تھیں۔ پہلی بیوی سے جناب قاضی صاحب کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھیں تو حضرت قاضی صاحب نے کلثوم بیگم سے دوسرا نکاح کیا۔ یہ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے قادیان کی مسجد مبارک میں خود پڑھا۔

کلثوم بیگم بھی بہت نیک، سادہ طبیعت، نماز کی پابند، تہجد گزار اور بہت غریب پرور تھیں۔ ان کے گھر پر ہر وقت کوئی نہ کوئی یتیم اور غریب زیر پرورش رہتا۔ محلہ کے بچوں کو قرآن پاک بھی پڑھاتی تھیں۔

کلثوم بیگم کی اولاد

ان کے بطن سے دو لڑکے تھے۔ ایک میجر قاضی بشیر احمد شہید جو چھمب جوڑیاں کے محاذ پر شہید ہوئے۔ قاضی بشیر احمد صاحب کی لاش جب محاذ جنگ سے ہوتی (ضلع مردان) آئی تو کلثوم بیگم صاحبہ نے کمال ضبط اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ صبر کے معاملہ میں بالکل حضرت مولوی صاحب کے رنگ میں رنگین تھیں اور دوسرا لڑکا ڈاکٹر قاضی مسعود احمد ہیں جو آج کل امریکہ میں ہیں اور بہت نیک اور صالح ہیں۔

چار لڑکیاں ہیں۔ بی بی عائشہ مکرم اطہر ظہور بٹ صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں جو پولیس میں D.S.P ہیں۔ رضیہ بیگم خلیل احمد صاحب انجنیئر سے بیاہی ہیں اور زبیدہ بیگم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سے بیاہی ہیں۔ بہت نیک اور صالح خاتون ہیں۔ ڈاکٹر بشیر احمد غانا میں نصرت جہاں کے تحت تین سال وقف گزار کر آئے ہیں۔ جو خاکسار کے برادر نسبتی ہیں۔ قدسیہ بیگم اپنے چچازاد قاضی اسمٰعیل صاحب ایڈووکیٹ سے بیاہی ہوئی ہیں۔ یہ تمام بچیاں بفضلہٖ تعالیٰ بہت نیک ہیں اور ان کی نیکی میں ان کی والدہ کی تربیت کا بڑا ہاتھ ہے۔

سوانح حضرت قاضی محمد یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قاضی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ غالباً انہوں نے 1901ء میں مسیح دوراںؑ کی بیعت کا شرف پایا۔ وہ بہت متقی اور پارسا انسان تھے۔ عرصہ دراز تک جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد کے صوبائی امیر کے عہدے پر فائز رہے۔ نہایت زیرک اور منتظم انسان تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ امارت میں بعض نمایاں کام کیے۔ مثلاً صوبہ سرحد میں جہاں جہاں احمدی جماعتیں قائم ہوئی تھیں وہاں پر مساجد تعمیر کرائیں اور احمدیہ قبرستانوں کا اہتمام کیا۔ اُن کا معمول تھا کہ احمدی احباب کی خیریت معلوم کرنے کے لئے دور دراز کا سفر کرتے اور دورے کرتے رہتے تھے۔ اُن کا وجودِ گرامی غیر مبائعین کے لئے ایک شمشیر بُرّاں تھا۔ انہوں نے عیسائیت کے رد میں بھی نہایت مفید لٹریچر تیار کیا۔ خصوصاً اُن کی کتاب ”اناجیل کا یسوع اور قرآن کا عیسیٰؑ“ لائق التفات ہے۔ وہ پشتو، اُردو اور فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کا دیوان زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اُنہوں نے پشتو زبان میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے مگر افسوس کہ اُن کی زندگی میں وہ چھپ نہ سکی۔ پشتو زبان میں انہوں نے احمدیت پر متعدد کتب لکھی ہیں جو افغانستان میں احمدیت کی تبلیغ کے لئے خوب کار آمد ثابت ہوئی ہیں۔

حضرت قاضی صاحب ایک نڈر اور بے باک مبلغ تھے۔ خلیفۂ وقت کا احترام اُن کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ ایک مجلس مشاورت کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دعوت کا اہتمام فرمایا جس میں ہم صرف پانچ خدام مدعو تھے۔ ان میں دو بنگالی طالب علم تھے۔ ایک محترم شرما صاحب مبلغ بنگال تھے، ایک حضرت قاضی صاحب تھے اور پانچواں یہ خادم عبد السلام تھا۔ دعوت کا انتظام قصرِ خلافت کی بالائی منزل پر کیا گیا تھا۔ خاکسار نے اس دعوت کے دوران حضور کو پہلی مرتبہ سادہ لباس میں دیکھا تھا۔ آپ بغیر کوٹ کے صرف قمیص زیب تن کئے ہوئے بغیر عمامہ یعنی ننگے سر تشریف

فرماتے۔ مَیں نے دیکھا کہ کھانے کے دوران حضرت قاضی صاحب بہت چھوٹا لقمہ مُنہ میں ڈالتے تھے اور ہمہ تن حضور پُر نور کی طرف گوش بر آواز تھے۔ بعد میں مَیں نے حضرت قاضی صاحب سے کہا کہ انہوں نے تو کھانا بہت کم کھایا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: ایسی بزرگ ہستی کے سامنے کھانا کون کھا سکتا ہے؟ کھانے کے دوران حضور انور نے ایک گلاس سے کچھ پانی نوش فرمایا۔ شرما صاحب نے وہ گلاس اُٹھا کر تبرکاً خود بھی پیا اور اپنے بنگالی دوستوں کو بھی پلایا۔ غالباً حضور انور نے اس عمل کو بھانپ لیا تھا کہ خاکسار آپ کے تبرک سے محروم رہا ہے۔ چنانچہ حضور انور نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے سامنے رکھے ہوئے پیالے سے پہلے خود ایک چمچہ کھایا پھر وہ پیالہ میری حوصلہ افزائی کے لئے مجھے عنایت فرما دیا۔

1939ء میں خلافتِ ثانیہ کی سلور جوبلی کا جلسہ منعقد ہوا۔ مختلف ممالک کے نمائندے حضور کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کر رہے تھے اور ہر کوئی اپنی اپنی زبان میں یہ سپاس نامہ پیش کر رہا تھا۔ ان میں سے بعض سپاس نامے طویل بھی تھے، خصوصاً برما کے نمائندے کا سپاسنامہ طویل بھی تھا اور برمی زبان میں بھی تھا، جسے شاید ہی کوئی سمجھ سکا تھا۔ اس موقع پر حضرت قاضی صاحب نے ایک مختصر سپاس نامہ حضور انور کی خدمت میں مع ایک کتابچے کے پیش کیا۔ یہ کتابچہ صوبہ سرحد میں جماعت کی اُس ترقی پر مشتمل تھا جو اُس نے خلافت ثانیہ کے عہد میں کی تھی۔ حضور اقدس نے محترم قاضی صاحب کے اس انداز کو پسند فرمایا اور خوش ہو کر فرمایا: مَیں اس کتابچے کو ضرور پڑھوں گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیماری کے دوران (حضرت قاضی صاحب) دو دفعہ صرف اُمرائے اضلاع کو حضور کی ملاقات کی اجازت دی۔ ایک سال تو حضور انور کی نقاہت کے پیش نظر انہوں نے ملاقات کرنے والوں کو مصافحہ کرنے سے بھی روک دیا، جبکہ دوستوں کی خواہش تھی کہ وہ مصافحہ کا شرف حاصل کریں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضور اقدس نے حضرت قاضی صاحب کے اس انداز کو بھی بنظرِ استحسان دیکھا۔

غیرت ایمانی

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ہم ربوہ سے جا رہے تھے۔ شام کا وقت تھا کہ ٹرین میں حضرت

قاضی صاحب کے لئے کھانا پیش کیا گیا۔ وہ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ گاڑی ایک اسٹیشن پر رُکی تو انہوں نے پینے کے لئے پانی طلب فرمایا۔ میاں محمد یوسف صاحب صراف ڈبے سے فوراً اترے اور ایک برتن میں پانی لے آئے۔ حضرت قاضی صاحب نے پوچھا۔ کون سا اسٹیشن ہے؟ میاں محمد یوسف صاحب نے کہا: یہ گولڑہ کا اسٹیشن ہے۔ قاضی صاحب نے پانی پیے بغیر وہ برتن زمین پر دے مارا اور فرمایا: اِس زمین پر خُدا کی لعنت برس رہی ہے۔ مَیں اس جگہ کا پانی نہیں پیوں گا۔ چنانچہ راولپنڈی پہنچ کر پانی پیا۔

قاتلانہ حملہ

حضرت قاضی صاحب پر احمدیت کی وجہ سے قصہ خوانی بازار میں قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بال بال بچالیا۔ اور انہوں نے جرأت سے کام لیتے ہوئے فائر کرنے والے کو پکڑ لیا اور سرِ بازار اُس کی خوب خبر لی۔

اعلیٰ اسلامی اخلاق

قاضی صاحب محترم بہت مہمان نواز اور خوش اخلاق تھے۔ ہر شخص جو اُن سے ملتا اُن کا گرویدہ ہو جاتا۔ وہ اسلامی اخلاق کی ایک سچی تصویر تھے۔ صوبہ سرحد میں غیر مبائعین کا زور توڑنے پر محترم قاضی صاحب نے نمایاں خدمت سرانجام دی تھی۔ حضرت قاضی صاحب ہی کی کوشش سے حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب نیازی (خسر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ الغرض قاضی صاحب کے اوصاف کا بیان کسی لذیذ حکایت سے بھی زیادہ شیریں ہے مگر اس جگہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

عبد القیوم خاں بی ایس سی

عبد القیوم خاں نے اسلامیہ کالج پشاور سے بی ایس سی پاس کیا تھا۔ بعد میں بلوچستان میں ایک سکول میں سائنس ٹیچر مقرر ہوئے تھے۔ آپ بہت نیک اور صالح نوجوان تھے۔ بہت قابل تھے اور خاص طور پر انگریزی پر کافی عبور حاصل تھا۔ بہت نڈر اور دلیر تھے۔

ایک دفعہ مستونگ میں پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک اجلاس سے خطاب کرنا تھا جس میں زیادہ تر

ملازمین تھے۔ پولیٹیکل ایجنٹ جو انگریز تھا اور ابھی انگریزی حکومت تھی اور ان کا بڑا رعب تھا، اپنے مقررہ وقت سے کچھ دیر سے آئے اور اپنی تقریر میں ہندوستانیوں کی کمزوریاں جتلانے لگے اور کہا کہ ایک کمزوری یہ ہے کہ ہندوستانی کبھی بھی وقت کے پابند نہیں ہوتے۔ اس پر عبد القیوم خاں نے کھڑے ہو کر برجستہ انگریزی میں اُن کو کہا۔ آپ غلط کہتے ہیں آپ خود دیر سے آئے ہیں۔ ٹائم کا آپ نے خود خیال نہیں رکھا اور الزام ہندوستانیوں کو دیتے ہیں۔ اس پر پولیٹیکل ایجنٹ بہت ناراض ہوئے اور تقریر ادھوری چھوڑ کر چلے گئے۔ تمام ملازمین عبد القیوم خان سے کہنے لگے اب صاحب بہت ناراض ہو گئے ہیں اب ہم کو سزا دیں گے مگر عبد القیوم خاں بالکل نہ گھبرائے۔

عبد القیوم خان کی عقل ڈاڑھ نکل رہی تھی جو غلط علاج کی وجہ سے خراب ہو گئی اور بعد میں اس نے ناسور کی صورت اختیار کر لی اور ناسور نے T.B کی صورت اختیار کی۔ عبد القیوم خاں سول ہسپتال کوئٹہ میں ایک انگریز ڈاکٹر ولیم سَن سول سرجن کے زیر علاج تھے۔ عبد القیوم خان کی لیاقت، قابلیت اور انگریزی پر عبور کے بہت مداح تھے۔ آخر ایک دن عبد القیوم نے گھر پر علاج کرانے کا ارادہ کیا تو ولیم سن سول سرجن نے سرکاری ایمبولنس مفت دی اور ہسپتال میں پرائیویٹ وارڈ کا تمام کرایہ معاف کر دیا اور ان کو مستونگ پہنچایا گیا اور خود بھی کبھی کبھی خیریت پوچھنے مستونگ آتے اور عبد القیوم خاں سے بہت محبت اور پیار کی باتیں کرتے۔

وفات

مستونگ میں حضرت مولوی صاحب نے ان کے لئے مکان کے ساتھ ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لیا تھا تاکہ ان کو بچوں کے شور کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ ایک دن جب مولوی صاحب ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو عبد القیوم خان کچھ گنگنا رہے تھے۔ حضرت والد صاحب نے ان سے پوچھا کیا گنگنا رہے ہو تو عبد القیوم خان نے کہا کسی کا ایک شعر ہے:

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دِکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مرجھا گئے

اور پھر کہا کہ میرا ارادہ تھا کہ مَیں بڑا ہو کر بفضلہٖ تعالیٰ بڑا آدمی بنوں گا اور آپ کی ہر قسم کی خدمت کروں گا کیونکہ آپ نے سخت مالی تنگدستی میں ہم کو پڑھایا مگر افسوس کہ مَیں اس غنچہ کی طرح ہوں جو بن کھلے مرجھا رہا ہے۔ اس پر حضرت والد صاحب نے ان کو اس زندگی کی بے ثباتی اور عاقبت کی زندگی پر نہایت پُر مغز تقریر کی اور کہا بیٹا ہم بھی جلد آپ سے ملنے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی تمہاری موت ہو تو ہم اس پر راضی ہیں۔

چند دن بعد عبدالقیوم خان وفات پا گئے۔ گھر میں صرف تین مرد، چند بچے اور چند مستورات تھیں۔ حضرت مولوی صاحب نے عبدالقیوم خان کو خود غسل دیا۔ کفن پہنایا اور پھر خود ہی گھر پر ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور گھر میں سب مستورات کو صبر کی تلقین کی۔ مستونگ میں ان دنوں میں کوئی احمدی دوست نہ تھے۔ جب لوگوں کو عبدالقیوم خان کی وفات کا علم ہوا تو کافی لوگ جمع ہوئے جن میں بعض رؤسا اور سرداران قوم بھی تھے۔ جنازہ اُٹھایا گیا اور قبرستان لایا گیا۔ جب جنازہ کو رکھا گیا تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ متوفی کا جنازہ اُس کا ولی پڑھے۔ مَیں اس کا ولی ہوں اور مَیں نے اس کا جنازہ پڑھ لیا ہے اب یہاں پر دوبارہ جنازہ پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور جب نعش کو لحد میں رکھنے لگے تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت تازہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہوئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لحد میں رکھنے سے پہلے اس کا بوسہ لیا تو مَیں عبدالقیوم کا بوسہ لیتا ہوں نہ اس لئے کہ وہ میرا پیارا بیٹا ہے بلکہ حضور کی سنت کے اتباع کے لئے اور اس کے بعد گھر تشریف لائے۔ بہت سے لوگ تعزیت کے لئے حضرت مولوی صاحب کے پاس آتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب بہت صبر و تحمل کا نمونہ دکھاتے ہوئے اُن سے مذہبی امور اور خاص کر آخرت کے موضوع پر گفتگو فرماتے تھے۔ ہاں جب کبھی رقت آجاتی تھی تو اپنے سفید ململ کے عمامہ کے پلّو کو آنکھوں پر رکھ لیتے تھے۔ ہندو پنچایت کا چودھری، چودھری لہرو مل بھی مع دیگر ہندو افراد کے تعزیت کے لئے آئے۔ چودھری صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب! افسوس آپ کا یوسف گیا۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام

کو ان کا یوسف تو اس دنیا میں ہی مل گیا تھا مگر ہم اپنے یوسف سے ملنے اُس دنیا میں خود جائیں گے۔ اس کے بعد کافی دیر تک مسئلہ آواگون اور تناسخ پر گفتگو فرماتے رہے اور روزِ آخرت اور قیامت میں سوال جواب اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت پر کافی لمبی گفتگو فرمائی۔ وہ سب حیران تھے کہ عجیب انسان ہے۔ اس کا نوجوان لڑکا فوت ہو گیا ہے اور یہ ایسے گفتگو کر رہا ہے جیسے کسی غیر کا لڑکا فوت ہوا ہو۔

ولیم سن سول سرجن کو جب عبد القیوم خان کی وفات کا علم ہوا تو وہ کوئٹہ سے مستونگ تعزیت کے لئے تشریف لائے اور کافی دیر تک حضرت مولوی صاحب کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے مگر حضرت مولوی صاحب اس وقت بھی ولیم سن صاحب سے واقعہ صلیب اور کفارہ پر گفتگو فرماتے رہے۔

عبد القیوم خان کی وفات کے چند ماہ بعد عید تھی۔ حضرت مولوی صاحب بازار گئے اور خلافِ معمول خود مہندی وغیرہ لائے اور فرمایا۔ عید اچھی طرح سے منانا ہے اچھی پوشاک پہننی ہے اور اچھا کھانا پکانا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ نہ کہے کہ عبد القیوم میری ایک امانت تھی مَیں نے جب اپنی امانت ان سے لے لی تو یہ لوگ میرے اس فعل پر ناراض ہیں۔ نہیں! بلکہ ہم ہر حال میں راضی برضاءِ الٰہی ہیں۔ والدہ صاحبہ کو چونکہ بار بار صبر کی تلقین ہوتی تھی اس لئے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے بند ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے دل پر اثر پڑا اور جس نے بعد میں دمہ کی صورت اختیار کر لی۔ ڈاکٹر ولیم سن نے کہا کوئی صورت کرو کہ یہ کسی طرح سے رو لیں اور ان کے آنسو بہیں تاکہ ان کے دل کا غبار نکل جائے۔ عبد القیوم خان کی وفات کے بعد کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ عبد القیوم خان مجھے بہت پیارا تھا۔ وہ بہت نیک اور صالح نوجوان تھا۔

عبد الجلیل خاں

بی ایس سی ایگریکلچر کالج لائل پور (فیصل آباد) سے پاس کیا تھا۔ ایک خوبصورت نیک اور صالح نوجوان تھا۔ اچھا فٹ بالر تھا۔ 1935ء کے کوئٹہ کے زلزلہ عظیم میں جب کہ وہ مستونگ سے نائب تحصیلداری کے امتحان کے لئے کوئٹہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت مولوی صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے اور مکرم ڈاکٹر عبد المجید صاحب رضی اللہ عنہ کے گھر پر ان کا قیام تھا۔ زلزلہ کی وجہ سے مکان کی چھت

گرنے کی وجہ سے ان کے سینے کو ضربات آئی تھیں جس نے بعد میں ٹی بی کی صورت اختیار کرلی۔ انہوں نے بیماری کا یہ تمام عرصہ نہایت خاموشی اور صبر و تحمل سے گزارا۔ بہت دعا گو تھے۔ اپنی وفات سے بہت پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ بھائی عبد القیوم خان کا تار آیا ہے کہ اب چلے آؤ۔ نزع کے وقت بھی یہی کہتے رہے: تمہارا تار آیا تھا۔ یہ پردہ سا بیچ میں حائل ہے اس کے اُٹھنے پر مَیں تمہارے پاس آجاؤں گا۔ جب مَیں نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا کہ عبد القیوم خان ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جلد آجاؤ اکٹھی نماز جمعہ پڑھیں گے۔ اس کے بعد اسی دن ان کی وفات چارسدہ میں ہوئی۔

چارسدہ میں عبد الجلیل خان کو دفن کرنے کے بعد جب تمام لوگ قبرستان سے واپس آئے تو مکرم قاضی محمد شفیق صاحب کے حجرہ میں بیٹھ گئے تو حضرت مولوی صاحب نے تقریر شروع کی اور تمام لوگ ہمہ تن گوش سُننے لگے۔ ہمارے بہنوئی رستم خان سکنہ جلوزائی بھی مع اپنے چند غیر احمدی رشتہ داروں کے تشریف لائے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے رستم خان سے دریافت کیا کہ رستم خان تمہارے خسر کون سے ہیں جن سے تعزیت کی جائے؟ تو انہوں نے کہا وہ سفید ریش جو تقریر کر رہا ہے۔ اس شخص نے کہا مَیں یہ بات باور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ یہ نوجوان بیٹا اس شخص کا ہو سکتا ہے۔ حضرت مولوی صاحب میں صبر کا اتنا زبردست مادہ تھا کہ اگر کسی شخص کو یہ پتہ نہ ہوتا کہ اس شخص کے اتنے نوجوان بیٹے فوت ہوئے ہیں تو وہ ان کے طرزِ گفتگو اور کردار سے ہرگز معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ یہ شخص غم خوردہ ہے۔ ایک دن گھر میں فرمانے لگے اچھا ہوا اللہ تعالیٰ نے مجھے شرک سے بچالیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ میرے لڑکے بڑے ہوں گے برسر روزگار ہوں گے تو میری مالی مدد بھی کریں گے اور مَیں اخیر عمر آرام سے گزاروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے کر مجھے ایک شرک سے، جو مَیں اُن کو اپنے مددگار کے طور پر سمجھتا تھا بچالیا۔ اور فرماتے تھے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہر قسم کے شرک سے مجھے محفوظ رکھا۔ اخیر عمر تک حضرت مولوی صاحب کی صحت اچھی رہی اور خود کماتے تھے، کبھی کسی کے دستِ نگر نہ رہے۔

صالحہ بیگم

یہ بہت نیک خاتون تھیں ان کی شادی برادرم رستم خان سکنہ جلوزائی نوشہرہ سے ہوئی تھی۔ رستم

خان صاحب اپنے گاؤں میں اکیلے احمدی تھے۔ ان کے والد صاحب صوبیدار دلاور خان ابتدا میں سخت مخالف تھے۔ رستم خان اسلامیہ کالج پشاور میں پڑھتے تھے اور حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے دن وہاں پر احمدی طلبہ سے ملنے جاتے اور ان کے زیر اثر دوستوں کو تبلیغ کرتے جن میں ایک رستم خان بھی تھے۔ رستم خان صاحب فرماتے تھے کہ ہم جناب قاضی صاحب کو خوب تنگ کرتے تھے۔ بوجہ غیر احمدی ماحول کے قسم قسم کے اعتراضات کرتے تھے مگر جناب قاضی صاحب کبھی ناراض نہ ہوتے اور خندہ پیشانی سے جواب دیتے اور ہم یہ خیال کرتے کہ اب دوسرے جمعہ کو قاضی صاحب نہیں آئیں گے مگر قاضی صاحب دوسرے یا تیسرے جمعہ پھر آجاتے تھے۔ اس کے بعد رستم خان صاحب سروے آف انڈیا میں ملازم ہوئے اور ایران چلے گئے وہاں پر ان کو ایک اور مخلص احمدی دوست ملا جن کی پاک صحبت سے اُنہوں نے ایران سے بیعت کا خط لکھا۔

رستم خان صاحب سروے آف پاکستان میں آفیسر تھے ان کو دوران ملازمت ذیابیطس ہوگئی اور قریب مرگ ہوگئے۔ ہماری ہمشیرہ صاحبہ نے ان کی نہایت صبر و سکون سے خدمت کی۔ ذریعۂ معاش جاتا رہا مگر صالحہ بیگم نے نہایت قلیل آمد میں بہت تنگی سے گزارا کیا مگر رستم خان کو کچھ بھی محسوس نہ ہونے دیا اور ان کی تیمارداری علاج وغیرہ باقاعدگی سے کرتی رہیں۔ جب رستم خان کی تنخواہ بند ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو ان پر مہربان کیا۔ ان کے سروے کے ایک سرویئر جنرل جو کہ ریٹائرڈ ہو چکے تھے اور غیر احمدی تھے جن کا نام خان بہادر نجم الدین صاحب تھا انہوں نے رستم خاں کو باقاعدہ دوسو روپیہ ماہوار بھیجنا شروع کیا۔ کافی عرصہ تک گمنام پتہ سے بنک ڈرافٹ ارسال کرتے رہے۔ بعد میں رستم خان کو ان کا علم ہوا اور رستم خان کے صحت یاب ہونے پر اس رقم کے لینے سے بالکل انکار کیا۔

رستم خان جب بہت بیمار ہوئے اور ہر طرف سے مایوسی ہوئی اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچا رہ گئے تو انہوں نے مجھے کہا ایک دفعہ مجھے ڈاڈر سینی ٹوریم لے جاؤ تاکہ میرا یہ آخری ارمان بھی نکل جائے۔ جب مَیں ان کو ویگن میں ڈاڈر سینی ٹوریم لے گیا تو سفر میں برادرم ڈاکٹر بشیر احمد بھی ساتھ تھے وہ مانسہرہ سے ہم کو ملنے آئے تھے وہ سخت ناراض ہوئے کہ مردہ لاش کو لئے پھرتے ہو۔ وہ تو اب چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔

ہم رستم خان کو ڈاڈر سینی ٹوریم میں داخل کرنے کے بعد بفہ کی بستی کی طرف روانہ ہوئے اور ڈاکٹر بشیر احمد نے اپنے ڈاکٹروں سے کہا کہ رات کے وقت جب بھی ان کی وفات واقع ہو تو ہمیں فون پر اطلاع کر دینا۔

رستم خاں کہتے ہیں کہ ہسپتال میں مَیں بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا کہ خان بہادر ڈاکٹر محمد سعید خاں (جو کہ آج کل لاہور میں امیر غیر مبائعین ہیں) راؤنڈ کرتے ہوئے میرے بیڈ کے پاس آئے۔ رستم خاں کہتے تھے کہ مَیں نے ان کو اپنی بیماری کی تمام سر گزشت سنا دی۔ اس پر خان بہادر صاحب نے فرمایا رستم خان! خُدا ہے؟ مَیں نے کہا جی ہاں خدا ہے۔ تو فرمانے لگے خُدا سے دُعا کرو۔ رستم خان کہتے ہیں کہ مَیں نے خان بہادر صاحب سے پوچھا کیا مَیں دہی کھا سکتا ہوں تو انہوں نے فرمایا۔ سب کچھ کھا سکتے ہو۔ صبح کو خان بہادر صاحب دوبارہ راؤنڈ پر آئے اور رُستم خان کو زندہ دیکھا تو حیران ہو گئے۔ اس کے بعد روز بروز رستم خاں صحت یاب ہوتے گئے یہاں تک کہ خود چل کر گھر آئے۔ خان بہادر صاحب ہر اُس شخص کو جو ہسپتال کا معاینہ visit کرنے آتا رستم خان کا کیس بطور معجزہ بتلاتے۔

اس کے بعد رستم خان دوبارہ ملازمت پر آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کو شوگر کی وجہ سے گردن پر کاربنکل کا پھوڑا نکل آیا یہ کالا پھوڑا تھا۔ جس کے نو دس مُنہ تھے۔ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے شدید درد ہے۔ پستول لے کر مجھے ایک گولی مار کر ختم کر دو۔ مَیں ان کو خان بہادر صاحب والا واقعہ یاد دلاتا کہ رستم خان خُدا ہے۔ خُدا سے مدد چاہو تو وہ ضرور تم کو صحت دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کو کاربنکل سے شفا دی اور تمام ڈاکٹر ان کی صحت یابی پر حیران تھے۔

رستم خان کے والد صاحب صوبیدار دلاور خان بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ تمام لڑکوں نے ان کی خدمت سے معذوری ظاہر کی تو وہ راولپنڈی میں رستم خان کے پاس چلے آئے۔ رستم خان اور صالحہ بیگم نے ان کی کمال خدمت کی۔ اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے بول و براز کراتے اور نہلاتے۔ ایک دن صوبیدار دلاور خان نے رستم خان سے کہا کہ رستم خان مَیں تم سے بہت خوش ہوں۔ مَیں نے ابتدا میں تمہارے ساتھ بہت سختی کی مگر آخر میں تم ہی میرے کام آئے۔ اس پر رستم خان نے کہا کہ بابا مجھے میرے پیر کی یہی تعلیم ہے۔ یہ میرا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ مَیں احمدی ہوں اور یہ میرا فرض ہے۔ اس پر

صوبیدار صاحب کہنے لگے: شاباش ہو تیرے پیر پر۔ مَیں بھی اس کو سچا جانتا ہوں۔ صوبیدار صاحب اپنی وفات سے چند دن پہلے رستم خان صاحب سے کہنے لگے کہ جب مَیں مر جاؤں تو میری لاش کو ایک ویگن میں ڈال کر گاؤں بھیج دینا۔ تم خود میری لاش کے ساتھ مت جانا ورنہ تمہارے بھائی جائیداد کی وجہ سے تم کو قتل کر دیں گے۔ مگر رستم خان ان کی لاش کے ساتھ گاؤں گئے۔ صوبیدار صاحب کی تدفین کے دوسرے دن جب رستم خان صاحب علی الصبح قبرستان دُعا کے لئے جارہے تھے تو پیچھے سے کسی نے فائر کر کے ان کو شہید کر دیا۔ ان کا جنازہ پشاور لایا گیا اور احمدیہ قبرستان پشاور میں دفن کئے گئے۔

رستم خان صاحب کا لڑکا عبد الحمید خان (اب کرنل عبد الحمید) ان دنوں کیڈٹ کالج حسن ابدال میں پڑھتا تھا۔ اُس نے رستم خان کی لاش کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بابا آپ کا بدلہ قاتلوں سے مَیں لوں گا۔ اس پر صالحہ بیگم نے ایک زوردار تھپڑ عبد الحمید کے سینے پر مارا اور کہا تم کون ہوتے ہو بدلہ لینے والے۔ بدلہ خُدا لے گا۔ تم خاموش تماشا دیکھو۔ وہ احمدیت کی وجہ سے شہید ہوا اور اس کی شہادت کبھی بھی ضائع نہیں جاسکتی۔ رستم خان کی شہادت کے بعد صالحہ بیگم نے پانچ لڑکیوں اور ایک لڑکے کی تربیت بہت احسن طریق پر کی۔ کبھی کسی سے ایک پیسہ مدد نہیں مانگی۔ ان کو جو تھوڑی سی فیملی پنشن ملی تھی اس پر گزارا کرتی رہیں اور بچوں کو پڑھاتی رہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بعض اوقات بغیر کھائے ہی سوئے ہیں۔ چائے انہوں نے چھوڑ دی تھی کہ اس پر خرچ آتا ہے۔ دال بغیر تڑکے کے پکاتی مگر کسی کو علم نہ ہونے دیتی تھیں کہ ان کے پاس رقم نہیں ہے۔

عبد الحمید خان ان کی زندگی میں B.S.C انجینئرنگ پاس کر کے آرمی میں گیا اور اب EME میں کرنل ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت نیک اور صالح نوجوان ہے۔ احمدیت کا فدائی ہے۔ ان کی بڑی لڑکی شمیم اختر دانشمند خان کے دوسرے لڑکے کرنل نذیر احمد سے بیاہی ہوئی ہیں جو بہت نیک، نمازی اور دُعاگو خاتون ہیں۔ ان کے دو لڑکے فہیم احمد اور ندیم احمد پشاور میڈیکل کالج میں پڑھتے ہیں اور ایک لڑکا تنویر احمد USA میں پڑھ رہا ہے۔ ایک لڑکی عزیزہ درّثمین نوشی ہے۔ دوسری لڑکی رقیہ بیگم مکرم صاحبزادہ جمیل احمد صاحب سے بیاہی ہیں جو حضرت صاحبزادہ محمد طیب کے لڑکے اور صاحبزادہ

عبد اللطیف شہید کے پوتے ہیں۔ تیسری لڑکی ناہید پنجاب میں میجر طارق سے بیاہی ہوئی ہیں اور آج کل USA میں ہیں۔ چھوٹی لڑکی نگہت بنگال کے رہنے والے ناصر احمد سے بیاہی ہوئی ہیں۔ پانچویں بچی یاسمین عزیز ڈاکٹر قاضی مسعود احمد صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔ قاضی مسعود احمد صاحب قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔

صالحہ بیگم کی وفات

صالحہ بیگم صاحبہ کو کثرت غم اور تفکرات کی وجہ سے دل کا عارضہ ہو گیا تھا اور یہی جان لیوا ثابت ہوا۔ ایک دن رات کو سوتے ہی میں مالک حقیقی سے جا ملیں۔ بہت عابدہ، تہجد گزار اور مخلص احمدی خاتون تھیں۔ تمام بچیوں کو اپنی زندگی میں بیاہا اور پیسہ پیسہ جوڑ کر ان کا جہیز جو مناسب تھا بنایا مگر کسی سے امداد طلب نہ کی۔ بہت خوددار اور قانع خاتون تھیں۔ احمدیت کی فدائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

(خاکسار) عبد السلام

والدہ صاحبہ کا چھوٹا لڑکا خاکسار (عبد السلام) ہے۔ میری پیدائش کے وقت والدہ صاحبہ سخت تکلیف میں تھیں۔ حضرت مولوی صاحب ان کی تکلیف کو دیکھ کر دو رکعت نفل نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور بڑے تضرع سے دعائیں کرنے لگے۔ سجدہ میں حضرت والد صاحب نے دیکھا کہ آسمان سے ایک نور آیا اور سیدھا ہماری والدہ صاحبہ کے کمرہ میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دایہ نے والد صاحب کو میری پیدائش کی خبر دی۔ چونکہ خاکسار کے کئی نوجوان بھائی فوت ہو گئے تھے اس لئے حضرت مولوی صاحب کی مالی استطاعت ہم کو کالج میں پڑھانے کے قابل نہ تھی اور ہم دو بھائیوں یعنی مَیں نے اور عبد القدوس خاں مرحوم نے میٹرک کے بعد ملازمت اختیار کی۔

نظامِ وصیت میں شمولیت

خاکسار سب سے پہلے ڈاکخانہ میں ملازم ہوا۔ ایک دن دفتر کی طرف سے انشورنس کے کاغذات آ گئے کہ تم نے ڈاکخانہ میں زندگی بیمہ کرنی ہے اور مَیں یہ سُن چکا تھا کہ انسانی زندگی کا بیمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔ خاکسار کے ہاتھ میں یہ کاغذ تھا اور پریشان تھا کہ ایک احمدی دوست

نواب دین صاحب چندہ لینے تشریف لائے۔ مجھے غمگین دیکھ کر وجہ پوچھی۔ مَیں نے سب قصہ سنایا تو انہوں نے جھٹ تھیلے سے وصیت کے کاغذات نکالے اور فرمایا: آپ کیوں ناراض ہوتے ہیں یہ لو Insurance کے کاغذات اور اب خدا کے پاس Insured ہو جاؤ۔ تو خاکسار 1936ء سے بفضلہٖ تعالیٰ موصی ہے اور نمبر 5165 ہے۔

شادی

میرا رشتہ مکرم خواص خان صاحب کی بڑی لڑکی بی بی عائشہ سے تجویز ہوا تھا اس لئے خاکسار کوئٹہ سے پشاور محکمہ الیکٹرسٹی میں ملازم ہوا۔ اور خاکسار کی شادی 1942ء میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے بہت نیک اور صالح رفیقۂ حیات عطا فرمائی ہے۔ الحمدللہ۔

حضرت مولوی صاحب کی پشاور منتقلی

خاکسار 17 سال تک جماعت احمدیہ پشاور کا سیکرٹری مال رہا ہے۔ مَیں نے جب پشاور میں ملازمت اختیار کی تو حضرت مولوی صاحب مستونگ میں ہماری والدہ کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ مَیں نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح سے میرے پاس آجائیں اور مجھے خدمت کا موقع دیں مگر حضرت مولوی صاحب کی خودداری ان کو میرے پاس رہنے کے لئے پشاور آنے سے روکتی تھی۔ 1945ء میں مَیں نے چھٹی لی اور ان کو مستونگ سے بڑی منت سماجت سے پشاور آنے پر راضی کر لیا مگر اس شرط پر کہ مَیں تمہاری روٹی نہیں کھاؤں گا۔ مَیں اپنا خرچ تم کو دیا کروں گا جو مَیں نے منظور کر لیا۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ مجھ سے پہلے میری لائبریری پشاور جائے گی۔ اس کا بھی مَیں نے بندوبست کر لیا اور ان کو پشاور لے آیا۔ حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ میرے ساتھ پشاور میں رہے مگر کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہ کیا اور نہ کبھی اپنی پسند کے کھانے کی خواہش کی۔ جو بھی گھر میں پکتا خوشی سے کھا لیتے تھے۔ جس دن ہماری والدہ گھر پر نہ ہوتی تھیں تو ان کا یہ معمول تھا کہ ادھر میں دفتر کو روانہ ہوتا اُدھر حضرت مولوی صاحب شہر کی طرف روانہ ہوتے اور سارا دن تبلیغ میں گزارتے اور اس وقت گھر تشریف لاتے جبکہ میرے دفتر سے واپس آنے کا وقت ہوتا اور فرماتے کہ مَیں نے کبھی کسی عورت کو غور سے نہیں دیکھا اس طرح کہ

تمہاری بیوی کی شکل کو پہچانتا ہوں خدوخال نہیں جانتا۔ غضِ بصر کے سختی سے پابند تھے۔ حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ میرے پاس ہی فوت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی خدمت کی خوب توفیق عطا فرمائی اور حضرت مولوی صاحب مجھ سے بہت خوش تھے اور کئی دفعہ اس کا اظہار بھی فرمایا۔

وفات اور تدفین

حضرت مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کے وقت درسِ قرآن دیتے۔ اس میں کبھی ناغہ نہ فرماتے۔ اس درس میں سب کی حاضری ضروری تھی۔ 1948ء میں ماہ رمضان کے تمام روزے رکھے۔ نماز کبھی بیٹھ کر نہ پڑھی۔ جب مَیں ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ آپ بہت ضعیف ہیں آپ روزہ مت رکھیں مَیں فدیہ ادا کر دوں گا تو فرماتے کہ مَیں اپنے آپ میں روزہ رکھنے کی طاقت پاتا ہوں۔

ماہ رمضان کے بعد عید الفطر کے دوسرے دن قرآن پاک کا درس فرمارہے تھے اور مسئلہ طلاق کو شرح وبسط سے بیان کر رہے تھے، جو معمول سے کچھ لمبا ہو گیا تو ہماری والدہ نے اجازت چاہی کہ وہ میری بیوی کے ہمراہ ان کے والدین کے گھر جائیں۔ اجازت تو دے دی مگر فرمایا ذرا جلدی آنا۔ برادرم دانشمند خان بھی محب بانڈہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد دانشمند خان نے بھی گاؤں واپس جانے کی رخصت لی۔ مَیں ان کو رخصت کرنے لاری اڈہ تک جانے لگا تو فرمایا: ذرا جلدی آنا۔ مَیں ان کی اس گفتگو سے کچھ چوکنّا سا ہو گیا۔

مَیں ابھی تھوڑی ہی دور برادرم دانشمند خان کے ساتھ گیا تھا کہ میرے پیر بوجھل ہو گئے اور مجھ سے چلنا مشکل ہو گیا۔ مَیں بھائی صاحب کو وہیں سے رخصت کر کے گھر کی طرف لوٹا۔ ادھر مولوی صاحب اکیلے رہ گئے تھے اور گھر کے برآمدہ میں اپنی چارپائی پر آرام فرمانے لگے۔ ان کو ایک قے آئی۔ اس وقت بھی انہوں نے اپنے کپڑوں کو قے سے بچایا۔ دماغ کی رگ پھٹ گئی اور چارپائی پر بے ہوش ہو کر دراز ہو گئے۔ مکرم مولوی محمد الطاف صاحب کی ایک چھوٹی لڑکی مولوی صاحب کے لئے کچھ میٹھا کھانا لائی، تو دیکھا حضرت مولوی صاحب بے ہوش ہیں۔ بچی نے گھر جا کر اپنے والد صاحب کو اطلاع دی۔ مولوی محمد الطاف صاحب فوراً تشریف لائے اور دیکھا کہ واقعی مولوی صاحب بے ہوش ہیں۔ جب مَیں

گھر آیا تو مولوی صاحب کو بے ہوش پایا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے مَیں نے فوراً کسی کو والدہ صاحبہ کی طرف بھیجا۔ حضرت مولوی صاحب تمام رات بے ہوش رہے اور علیٰ الصبح چار بجے ان کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تمام احباب جماعت جمع ہوئے۔ مکرم مولوی عبد الکریم صاحب اور مَیں نے غسل دیا۔ اور احمدیہ قبرستان پشاور میں ان کو دفن کیا۔ نماز جنازہ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے پڑھائی اور کافی لمبا جنازہ پڑھا۔ بعد نماز جنازہ فرمانے لگے کہ مَیں نے کشف میں دیکھا کہ اکابرین ملّت ان کے جنازہ میں شمولیت کے لئے آئے ہیں اس لئے مَیں نے جنازہ لمبا پڑھا تا کہ ثواب میں مَیں بھی شامل ہو جاؤں اور پھر ٹھیٹھ پنجابی زبان میں فرمایا کہ جس نے ولی اللہ نہیں دیکھا حضرت مولوی محمد الیاس صاحب کو دیکھ لے۔

حضرت والدہ صاحبہ نے حضرت مولوی صاحب کی وفات پر کامل صبر کا نمونہ دکھایا بلکہ قابل تقلید نمونہ چھوڑا۔ حضرت مولوی محمد الیاس صاحب لباس بہت صاف ستھرے اور سفید پہنتے تھے اور صفائی جسم و لباس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک چھوٹی سے کنگھی ان کی جیب میں ہوتی تھی اور ہر وضو کے بعد داڑھی کو کنگھی کیا کرتے تھے۔

خاکسار کی اولاد

خاکسار کے دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔ بڑا لڑکا ڈاکٹر حامد اللہ خان جس کی شادی صاحبزادی سیدہ امۃ الحیٔ بنت حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب سے ہوا ہے اور اس طرح سے خاندان مسیح موعود علیہ السلام سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ بہت نیک اور صالح ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کئی خطبات میں حامد اللہ کے جذبۂ تبلیغ، فدائیت اور قربانی کو سراہا ہے۔ اگست 1985ء میں بیٹلے (Batley) انگلستان میں غیر احمدیوں نے ایک احمدی جلسہ کے موقع پر ان کو بہت زد و کوب کیا۔ اپنی دانست میں موت تک پہنچا چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو ان کی زندگی منظور تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح سے حضور نے اپنے ایک خط میں جو حضور نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا ہے، اس واقعہ کا ذکر کر کے بہت دعائیں دی

ہیں۔ خط کا عکس ضمیمہ میں ہے۔

دوسرا لڑکا حبیب اللہ خان ہے کہ B.A.,L.L.B,M.B.A ہے۔ ان کا رشتہ حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی پوتی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی نواسی عزیزہ ماہم سے ہوا ہے۔ عزیزہ ماہم سیدہ امۃ الشکور بیگم صاحبہ اور نوابزادہ شاہد احمد پاشا کی لڑکی ہے۔ حضور انور میرے دونوں لڑکوں کے کردار و عمل سے بہت خوش ہیں اور اس خوشنودی کا اظہار حضور نے کئی خطوط میں فرمایا ہے جن میں سے صرف دو کا عکس شامل کیا جا رہا ہے۔

عزیزم حبیب اللہ کا خطبہ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے خود لنڈن میں پڑھا۔ وہ خطبہ رسالہ خالد کے ماہ دسمبر 1986ء کے ضمیمہ میں چھپ چکا ہے جس میں حضور نے اس خاندان کی احمدیت میں فدائیت کا ذکر فرمایا ہے۔ عکس خطبہ شامل کیا جا رہا ہے۔

بڑی بچی طیبہ ہے۔ ان کا رشتہ کوہاٹ میں بنگش خاندان میں ظفر احمد خان سے ہوا ہے۔ ظفر احمد خان۔ خان بہادر محمد علی خان صاحب بنگش کے پوتے ہیں جو بہت نیک صالح انسان تھے۔ احمدیت کے لئے بہت غیرت رکھتے تھے اور نڈر مبلغ تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھے خط لکھا کہ خان بہادر صاحب ایک مخلص احمدی تھے مگر مَیں دیکھ رہا ہوں کہ احمدیت اب ان کے خاندان سے جا رہی ہے۔ میری نظر تم پر ہے۔ بعد دُعا و استخارہ اگر تم اپنی بچی ظفر احمد کو دے دو تو ہو سکتا ہے کہ بچی کی نیک صحبت کی وجہ سے یہ خاندان ابتلا سے بچ جائے۔ مَیں نے یہ رشتہ منظور کر لیا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ طیبہ کی وجہ سے ان کا میاں احمدی رہ گیا۔ باقی سب افراد خاندان غیر احمدی ہو گئے ہیں۔ اب طیبہ کے بفضلہٖ تعالیٰ دو لڑکے ہیں۔ ایک قمر احمد انجینئرنگ میں پڑھ رہا ہے۔ اور دوسرا توقیر احمد بھی انجینئرنگ میں ہے اور دونوں بفضلہٖ تعالیٰ مخلص احمدی ہیں ان کی ایک بچی ربوہ میں مبارک احمد صاحب پراچہ سے بیاہی ہوئی ہے۔ ایک بیٹی فائزہ بیگم ہے۔

طیبہ بہت نیک لڑکی ہے اور ہر وقت اپنے ماحول میں تبلیغ کرتی رہتی ہے۔

دوسری بچی صادقہ بیگم ہے۔ تعلیمی لحاظ سے M.Sc. ہیں اور ان کی شادی ماسٹر نور الحق صاحب

کے بیٹے مبشر احمد صاحب سے ہوئی ہے، جو مرچنٹ نیوی میں چیف انجینئر ہیں اور مخلص احمدی ہیں۔ حضور نے ایک دفعہ فرمایا: مبشر احمد ہمارا سمندری مبلغ ہے۔ جہاز میں جس ملک میں جاتا ہے لٹریچر تقسیم کر دیتا ہے۔

تیسری لڑکی میمونہ M.A.,BSc.,B.Ed. ہے جن کی شادی عبدالسمیع خان صاحب ولد مکرم مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب فاضل سے ہوئی ہے۔ بہت نیک لڑکی ہے۔

چوتھی لڑکی نصیرہ بیگم PhD, M.Sc ہے ان کی شادی محمد احمد خاں پسر ملک غلام احمد عطا صاحب مرحوم سابق وکیل الزراعت ربوہ سے ہوئی ہے۔ نیکی میں قابل رشک ہیں۔ موصیہ ہیں اور اپنے ماحول میں خوب تبلیغ کرتی ہیں۔ آج کل میاں بیوی نائیجیریا میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔

پانچویں بچی نیرہ بیگم B.Sc ہے۔ ان کی شادی ماسٹر نور الحق صاحب کے لڑکے مبارک احمد صاحب سے ہوئی ہے جو واپڈا میں ایکسیئن ہیں۔ یہ بچی بہت نیک اور صالح ہے۔ حضور کی طرف سے قربانی کی تحریک پر اپنی شادی اور جہیز کے تمام زیورات حضور انور کی خدمت میں پیش کر دیئے جس پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ والدہ نے کہا انگوٹھی تو رکھ لو مگر بچی نے انکار کیا اور کہا جب زیورات دینے ہیں تو سب دینے ہیں کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھنا۔ اللہ تعالیٰ اس کی یہ قربانی قبول فرمائے۔ آمین

عبدالقدوس خان مرحوم

عبدالقدوس خان مرحوم مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ ہم دونوں کلاس فیلو تھے۔ دوست تھے۔ ہم زُلف تھے۔ ہمسایہ تھے۔ عبدالقدوس بہت نیک پارسا اور عبادت گزار تھے۔ اپنے بچپن کے زمانہ میں فٹ بالر تھے۔ محکمہ ڈاک میں ملازم تھے کافی عرصہ گوادر میں بھی رہے۔ کافی عرصہ پشاور کے امیر جماعت رہے اور آخری سالوں میں امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد تھے۔ آپ کو سانس کی تکلیف شروع ہو گئی تھی جس نے بعد میں دل پر بھی اثر کرنا شروع کر دیا۔ سانس کی بیماری میں خیبر ہسپتال پشاور میں داخل ہوئے۔ ایک نرس کے غلط انجیکشن لگانے سے فوراً وفات پا گئے۔ موصی تھے لہٰذا مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے۔

عبد القدوس خان کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ کرنل عبد الودود خاں، میجر عبد الحفیظ، انجینئر عبد الحمید، ڈاکٹر عبد الوحید جو بشیر احمد خان رفیق کے داماد ہیں اور محمود احمد جو میڈیکل کالج میں آخری سال میں ہیں۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: نصرت جہاں پنجاب میں نور السلام سے بیاہی ہوئی ہیں۔ مسرت آج کل کینیڈا میں ہیں اور چودھری ناصر احمد صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔ فرحت، ڈاکٹر عبد الشکور صاحب سرگودھا سے بیاہی ہوئی ہیں۔ راحت، نصیر احمد صاحب انکم ٹیکس کمشنر سے بیاہی ہوئی ہیں۔

خدیجہ بیگم

آپ کی شادی عبد الرحمٰن خان آف اسماعیلہ سے ہوئی۔ عبد الرحمٰن خان حضرت خانزادہ امیر اللہ خان کے صاحبزادے تھے۔ سول سیکرٹریٹ میں سیکشن آفیسر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ نہایت مخلص انسان تھے۔ خوش طبع اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ خدیجہ بیگم بہت نیک، سادہ طبیعت اور پرہیز گار خاتون تھیں۔ کوئٹہ کے زلزلہ عظیم میں مستونگ میں گھر کی چھت ان پر آن گری تھی، جس میں ان کا نصف جسم دب گیا صرف سر بچ رہا۔ بعد میں بہت مشکل سے ان کو ملبہ سے نکالا۔ بہت عرصہ تک ان کی ٹانگیں کام نہیں کرتی تھیں۔ پھر معجزانہ طور پر ٹھیک ہو گئیں۔ ان کی بڑی لڑکی سلیمہ بیگم مکرم بشیر احمد خان رفیق کی رفیقہ حیات ہیں اور بہت نیک اور صالح طبیعت رکھتی ہیں۔

ایک لڑکی سکینہ ان کی زندگی ہی میں بچے کی پیدائش کے وقت فوت ہو گئی جو قاضی محمد اکبر صاحب ہوتی سے بیاہی تھیں۔ بعد میں قاضی محمد اکبر صاحب نے سکینہ کی دوسری بہن نسیمہ سے شادی کی۔

چھوٹی بچی عابدہ، مبشر احمد خاں ابن مکرم مولوی عبد الرحمٰن خان سے بیاہی ہیں۔

بڑا لڑکا میجر عبد الرشید ہے جو مخلص احمدی ہے۔

چھوٹا لڑکا عبد المجید آج کل لندن میں ہے۔

ہاجرہ بیگم

محمود احمد خان صاحب آف اسماعیلہ سے بیاہی ہوئی تھی۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد نوجوانی میں فوت ہو گئیں۔ بہت نیک اور خاموش خاتون تھیں۔ ان کا ایک لڑکا منیر احمد واپڈا میں سپریٹنڈنٹ ہے اور

بچی طاہرہ ہے جو محمد نجیم خاں مرحوم سے بیاہی تھی۔

عبد الرحمٰن خان

11 سال کی عمر میں کوئٹہ مستونگ کے زلزلہ عظیم میں مکان کی چھت گرنے کی وجہ سے دب کر شہید ہو گئے۔

جمیلہ بی بی

حضرت مولوی صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ بہت ہونہار اور پیاری تھیں اور حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ کو بہت پیاری تھیں۔ ان کی شادی چارسدہ کے درانی خاندان کے محمد اکرم خان کے لڑکے محمد ہاشم خان درانی سے ہوئی تھی۔ محمد ہاشم خان بلوچستان میں محکمہ زراعت میں افسر تھے۔

جمیلہ بیگم دینی معاملات میں بہت نڈر اور مستحکم تھیں۔ ان کا معمول تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو محمد ہاشم خان سے پوچھتیں: کیا تم نے تنخواہ لی ہے؟ کیا تم نے چندہ ادا کیا ہے؟ جب ہاں میں جواب ملتا تو پھر تسلی ہوتی۔ مکرم میر حمید اللہ صاحب مرحوم برج انسپکٹر ریلویز نے ایک واقعہ بتایا کہ ایک دن سردیوں کی رات کو بہت دیر سے محمد ہاشم خاں دو تین میل کا فاصلہ طے کر کے ریلوے ڈاک بنگلہ جو ایک پہاڑی پر تھا، سبی بلوچستان میں میرے پاس آئے۔ مَیں نے اتنی دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی، تو محمد ہاشم خان نے بتلایا کہ یہ لیں چندہ اور مجھے رسید دیں۔ بغیر رسید کے مجھے گھر میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ واقعہ اس طرح سے ہے کہ محمد ہاشم خان نے تنخواہ لی اور شام کو سیدھے گھر چلے آئے تو جمیلہ بیگم نے پوچھا کیا تم نے چندہ داخل کر دیا ہے؟ تو اُس نے کہا خیر ہے کل ادا کر دوں گا۔ اب دیر ہو گئی ہے میر صاحب دور ہیں۔ جمیلہ نے کہا کہ آپ ابھی جائیں اور چندہ ادا کر کے آئیں، اس وقت تک میں کھانا تیار کر لوں گی۔ ہاشم خان نے چندہ ادا کیا تو گھر جانے کی اجازت ملی۔

محمد ہاشم خان ابتدا میں نمازوں کی ادائیگی میں سست تھے۔ جمیلہ بار بار ان کو نمازوں کے لئے تحریک کرتی مگر وہ سستی کر جاتے۔ ایک دن جمیلہ نے تنگ آکر کہا کہ اچھا مَیں اپنے والد صاحب سے تمہاری اس کمزوری کی شکایت کروں گی وہ تم کو سیدھا کریں گے۔ محمد ہاشم خاں نے جواب دیا کہ مجھے میرے باپ

نے سیدھا نہ کیا تو تمہارا باپ مجھے کیا سیدھا کرے گا۔ اس پر جمیلہ نے کہا: اچھا مَیں تم کو نمازی بنا کر چھوڑوں گی۔ سردی کے دن تھے۔ دوسرے دن صبح جمیلہ نے محمد ہاشم کو نماز ادا کرنے کے لئے کہا، محمد ہاشم خان نے بستر پر پہلو بدل لیا اور کہا ابھی چھوڑو! مجھے نیند آرہی ہے۔ جمیلہ نے غسل خانہ سے ایک لوٹا پانی کا بھر کر محمد ہاشم خان کے بستر پر ڈال دیا اور کہا اب خوب آرام کرو۔ چارو ناچار نماز پڑھی اور اس دن کے بعد نمازوں کا سختی سے پابند ہوا۔

افسوس کہ جمیلہ بیگم ایک بچہ محمد عالم (جواب کرنل محمد عالم ہے) چھوڑ کر ملیریا بخار بگڑنے سے لورالائی میں فوت ہو گئیں اور وہیں پر دفن ہوئیں۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو جب اس بچی کی سعادت اور تقویٰ کا علم ہوا تو حضور نے اس کا کتبہ مقبرہ بہشتی میں لگانے کی خاص اجازت مرحمت فرما دی کیونکہ جمیلہ کا وصیت کا ارادہ تھا مگر ابھی فارم مرکز کو نہیں بھجوائے گئے تھے۔

محمد ہاشم خان نے بعد میں چودھری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی امۃ الشافی سے شادی کی۔ کچھ عرصہ بعد محمد ہاشم خان کو دل کے دورے پڑنے شروع ہوئے اور ہسپتال میں داخل کئے گئے۔ ایک دن جب ان کی حالت کچھ سنبھلی تو امۃ الشافی صاحبہ نے پوچھا، دل میں کیا ارمان باقی ہیں؟ تو کہنے لگے۔ بس ایک خواہش ہے، جلد جمیلہ سے ملاقات ہو جائے اور اس گفتگو کے دوسرے دن مالک حقیقی سے جا ملے۔ محمد ہاشم خان کی تدفین ربوہ میں مقبرہ عام میں ہوئی ہے جمیلہ کی وفات سے حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ کو بہت دُکھ ہوا۔ وہ پہلے ہی دکھی تھے۔ مگر یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔ لورالائی سے جمیلہ کی صحت کے متعلق تاریں ملتی رہیں۔ ایک دن ان کی وفات کا تار آیا۔ مَیں دفتر سے گھر آیا۔ میری آنکھیں پُرنم تھیں۔ حضرت مولوی صاحب نے مجھ سے پوچھا: کیا جمیلہ وفات پا گئی ہیں؟ میرے منہ سے جواب نہ نکلا۔ صرف سر ہلایا تو حضرت مولوی صاحب نے والدہ صاحبہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے۔ ہم راضی برضاء الٰہی ہیں۔ تمہیں صبر سے کام لینا ہے۔ اگرچہ جمیلہ ہمیں بہت عزیز ہے مگر ہمارا خدا ہم کو اس سے بھی زیادہ عزیز ہے اس لئے کسی قسم کی جزع فزع سے اپنے خدا کو ناراض نہیں کرنا۔ دونوں میاں بیوی یعنی حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ نے کمال صبر و تحمل سے یہ

صدمہ برداشت کیا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ میری بیوی سے فرمایا: کھانا لاؤ اور ہماری والدہ صاحبہ سے فرمانے لگے۔ آؤ! کھانا کھائیں۔ اور اس طرح زبردستی والدہ صاحبہ کو کھانا کھلایا۔ محمد عالم جو ڈیڑھ سال کا بچہ تھا لورالائی سے پشاور لایا گیا۔ حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں کو اس سے بے حد محبت تھی۔ مَیں نے خود دیکھا کہ کبھی کبھی محمد عالم کو کندھے پر اٹھائے گھر میں پھرتے تھے۔

جمیلہ حضرت مولوی صاحب کی سب سے چھوٹی لڑکی تھی۔ قدرتی طور پر نوجوان بچوں کے فوت ہو جانے کے بعد والدین کو اس بچی سے بڑی محبت تھی اور والدہ صاحبہ جمیلہ کی وفات پر بہت اداس تھیں۔ اگرچہ جزع و فزع نہ کی مگر شدید غم کی وجہ سے خاموش ہو گئیں۔ جمیلہ کی وفات کے بعد جب پہلی عید آئی تو حضرت مولوی صاحب نے میری بیوی سے فرمایا کہ اپنی ساس کے ہاتھوں کو مہندی سے رنگو۔ والدہ صاحبہ فرمانے لگیں: مَیں بوڑھی عورت ہوں مہندی نہیں لگاتی مگر حضرت مولوی صاحب نے میری بیوی سے فرمائش کی کہ مہندی ضرور لگاؤ۔ اپنی ساس کو اچھے کپڑے پہناؤ تاکہ عید کی خوشی میں یہ سب کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اور فرمایا: جمیلہ کی موت کا غم نہ کریں۔ ہم عنقریب اُن سے اُس جہان میں ملاقات کرنے والے ہیں۔ خدا کو راضی رکھیں تاکہ ہماری بھی عاقبت محمود ہو۔

حضرت والدہ محترمہ کی وفات

حضرت والدہ صاحبہ کی وفات 8 جنوری 1958ء کو پشاور میں ہوئی اور احمدیہ قبرستان پشاور میں دفن ہوئیں اور آپ کا یادگاری کتبہ 561 مقبرہ بہشتی قادیان میں لگایا گیا ہے۔

میری والدہ نے اپنی وفات سے ایک دن پہلے مجھے بلایا اور فرمایا کہ مَیں آج رات فوت ہونے والی ہوں تم مجھے اپنے گھر لے جاؤ۔ ان دنوں وہ ہماری ہمشیرہ صالحہ زوجہ رستم خان صاحب کے گھر میں تھیں جن کا مکان مسجد احمدیہ سول کوارٹر میں تھا۔ مَیں ان کو اپنے گھر لایا۔ فرمایا میری موت پر گھبرانا مت۔ کفن دفن کا انتظام کر لو اور اپنی بہنوں کو اطلاع کر دو۔ اور شام کے وقت فرمایا کہ مجھے سورۃ یٰسین سناؤ۔ مَیں نے سورۃ یٰسین سنائی تو فرمایا کہ اب تم کچھ دیر کے لئے آرام کر لو، تھک گئے ہو۔ کل تم کو کافی کام کرنا ہے۔ مَیں ان کی چارپائی کے قریب ہی سو گیا۔

وفات سے تھوڑی دیر پہلے میری ہمشیرہ خدیجہ سے پوچھا کہ عبد السلام کہاں ہے؟ اُس نے بتلایا کہ ابھی ابھی یہ آپ کے قریب سو گئے ہیں۔ فرمایا اچھا اس کو مت جگاؤ۔ السلام علیکم کہا اور آخری سانس لیا۔ ان کی وفات پر ہمشیرہ کے رونے کی آواز سے مَیں جاگ اُٹھا تو دیکھا کہ آپ وفات پا چکی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

جنّت کا نظارہ

والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں ایک مسجد میں ہوں جس میں احباب جماعت نماز کے لئے صف باندھ رہے ہیں۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ مع ایک اور دوست کے جن کو مَیں نہیں جانتا جنت سے تشریف لائے ہیں۔ تمام احباب ان کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قاضی صاحب مرحوم کے ساتھ خانزادہ امیر اللہ خان رضی اللہ عنہ اور دیگر وفات یافتہ دوست بھی کھڑے ہیں۔ تمام احباب جماعت ان کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ مَیں نہایت غور سے ان کو دیکھتا ہوں کہ یہ تو فوت ہو گئے تھے اور حیران ہوتا ہوں کہ باوجود ان کو فوت ہوئے ایک مدت ہوئی ان کے چہرہ کا رنگ وغیرہ نہیں بدلا۔ مَیں دل میں کہتا ہوں انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بدن کا گوشت گل سڑ جاتا ہے اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ یہ کیسے مردے ہیں کہ ان کے وجود میں کوئی تغیر نہیں آیا؟ اتنے میں اقامت ہوتی ہے اور نماز شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ احباب کھڑے اور کچھ احباب بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ مَیں بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد ایک دوست مجھے کہتے ہیں۔ سلام پھیرو نماز ختم ہو چکی ہے۔ میں اس دوست سے کہتا ہوں کہ یہ کیسی نماز تھی جو مجھے پتہ بھی نہیں چلا اور ختم ہو گئی؟ وہ دوست کہنے لگے: نماز حضرت قاضی صاحب نے پڑھائی ہے اور چونکہ وہ مسافر ہیں انہوں نے واپس جنت کو جانا ہے اس لئے انہوں نے نماز قصر پڑھائی ہے۔ آپ اب باقی نماز پڑھ کر

نماز پوری کر لیں۔ مَیں باقی دو رکعت پڑھ کر اپنی نماز پوری کر لیتا ہوں اور مَیں بھی حضرت قاضی صاحب اور خانزادہ امیر اللہ خان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیتا ہوں تا کہ مَیں بھی ان کے ساتھ جنت کا نظارہ کروں۔ مَیں نے دیکھا کہ صوبہ سرحد کے بہت سے دوست جو سب کے سب افغان ہیں جنت کی طرف جا رہے ہیں ان میں سے ایک عمر الدین خان، میاں شہاب الدین صاحب مردان کو پہچانتا ہوں۔ باقی دوستوں کو بھی پہچانتا ہوں مگر اس وقت ان کے نام مجھے یاد نہیں کہ وہ کون کون دوست تھے۔ جب سب دوست جنت میں داخل ہوئے تو مَیں بھی ان کے ہمراہ جنت میں داخل ہوتا ہوں۔ جنت میں ایک بڑا خوبصورت ہال ہے جس میں خوبصورت قالین بچھے ہیں۔ وہاں مَیں نے اپنی والدہ مرحومہ کو دیکھا۔ بہت خوش تھیں۔ ان کے ساتھ کئی اور عورتیں بھی تھیں، پردہ کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ میری والدہ نہایت خوش الحانی سے پشتو کی ایک غزل گا رہی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے:

> ”دنیا میں ہم ایک دوسرے کو دُعا دیا کرتے تھے کہ خدا تمہارے گلے میں سونے کی ایک زنجیر ڈالے۔ سونے کی زنجیر میں سونے کی ڈبیہ ہو اور ڈبیہ میں ہیرے جواہرات ہوں۔“

اتنے میں ایک عورت آگے بڑھ کر میری والدہ مرحومہ کے پاس آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری والدہ ان تمام مستورات کی سردار ہیں۔ وہ عورت کوئی اور شعر کہتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اُس دنیا میں یہ دُعا بھی دیتے تھے کہ خدا تم کو یہ بھی دے یہ بھی دے مگر اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا دیا ہے کہ وہ دُعا اب مذاق معلوم ہوتی ہے۔

تمام مرد اور عورتیں بہت خوش ہیں، ہنس رہے ہیں، خوشیوں میں شعر گا رہے اور ادھر اُدھر گھوم رہے ہیں۔ مَیں ان جنتیوں میں سے ایک سے پوچھتا ہوں۔ میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس کہاں ہیں؟ اس جنتی نے کہا کہ وہ اونچی کلاس کی جنت میں ہیں اور یہاں پر جنتیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا کے بموجب جنت کے جُدا جُدا مدارج عطا ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

حضرت مولوی صاحب کی پاکیزہ زندگی

حضرت مولوی صاحب بہت باحیا متدیّن اور متقی انسان تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ عملی

زندگی سنت رسولؐ کے مطابق گزاریں۔ حضرت مولوی صاحب اپنے گھر میں نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ گھر کی تمام مستورات اور بچوں کو اکٹھا کر کے نماز باجماعت پڑھاتے تھے۔ اور جب مستونگ میں کوئی احمدی نہیں ہوتا تھا تو اپنی بیوی اور بچوں کو اکٹھا کر کے نمازِ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔

ہر شام مغرب سے پہلے قرآن پاک کا درس گھر میں دیا کرتے اور رات کو ہماری والدہ صاحبہ کو اخبار الفضل اور ریویو آف ریلیجنز کے خاص خاص مضامین پشتو میں ترجمہ کر کے سنایا کرتے تھے۔

صبح کے وقت نہایت خوش الحانی سے تلاوت قرآن پاک فرماتے اور تمام بچوں پر نگاہ رکھتے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ شام کو سردیوں کے دنوں میں جب بچے آگ کے ارد گرد بیٹھ جاتے تو حضرت مولوی صاحب کسی نہ کسی نبی کا قصہ شروع کر دیتے اور خاص کر جب حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک سے بیان کرتے تو روتے جاتے۔

چندہ نہایت باقاعدگی سے باشرح دیتے۔ آپ نے ایک صندوقچی گھر میں رکھی ہوئی تھی جس کی چابی ہماری والدہ صاحبہ کے پاس ہوتی تھی۔ آپ روزانہ کی آمدن سے چندہ نکال کر اس صندوقچی میں رکھتے اور پھر ہر ماہ کے آخر میں مرکز بھیج دیتے تھے۔

ایک موقع پر جب مستونگ میں سوائے حضرت مولوی صاحب کے اور کوئی احمدی نہیں رہا تو مرکز نے لکھا کہ آپ کو کوئٹہ کی جماعت کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے، اب آپ کا بجٹ کوئٹہ کے بجٹ میں شامل ہوگا۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے مرکز کو لکھا: عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک فرد ہونے کی حیثیت میں ایک اُمّت قرار دیتا ہے اور اپنے عندیہ کے جواز میں یہ آیت پیش کی:

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً۔ (نحل)

اور آپ میری جماعت کو ختم کر رہے ہیں۔ مرکز نے غالباً یہ بات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نوٹس میں لائی ہوگی۔ بہر حال مرکز نے حضرت مولوی صاحب کے مؤقف سے اتفاق کیا اور مستونگ کو بدستور ایک جماعت کے طور پر قائم رکھا۔

پختہ احمدی رہنے کا گُر

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے جس گھر میں مندرجہ ذیل چار باتیں ہوں گی اس گھر سے احمدیت کے نکلنے کا امکان بہت کم ہے:

1-اخبار الفضل کا گھر میں آنا۔

2-گھر میں نماز باجماعت کا اہتمام۔

3-چندوں میں باقاعدگی ہو اور چندہ بچوں کے سامنے ادا کیا جائے تاکہ ان پر اس کا اثر ہو۔

4-مرکز سے مضبوط تعلق ہو اور بچوں کو ہر سال جلسہ سالانہ پر مرکز لے جایا جائے۔

تربیت کا انداز

حضرت مولوی صاحب گھر میں نہ کسی بچے کو مارتے اور نہ کسی پر غصہ ظاہر کرتے مگر باوجود اس کے آپ کا گھر میں بہت رُعب تھا۔ گالی تو دور کی بات ہے کبھی سخت لفظ بھی استعمال نہیں فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: جب مَیں اپنے کسی بچے میں کوئی نقص دیکھتا ہوں جس کو مَیں پسند نہیں کرتا تو اپنے اس بچے کو اس کا نقص بتلانے سے پہلے اپنے خدا سے دُعا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے بچے میں یہ نقص ہے تو ہی اس کی اصلاح فرما۔ اس کے بعد اپنے بچے کو بلا کر اس کو بتلاتا ہوں کہ بیٹے تمہارا فلاں فعل مجھے پسند نہیں ہے اور بچہ فوراً اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔

مہمان نوازی کا طریق

حضرت مولوی صاحب کی خوراک سادہ تھی۔ البتہ جب کسی کی دعوت کرتے تھے پُر تکلف دعوت دیتے، مہمان نواز تھے۔ ہر ماہ چیدہ چیدہ غیر احمدی علما اور حُکّام کو دعوت پر بلاتے اور بعد دعوت موقع کے لحاظ سے مناسب تبلیغ کرتے۔ آپ کے بیٹے جب بھی کالجوں سے چھٹی پر آتے تو باری باری نام لے کر فرماتے: آج فلاں لڑکے کی دعوت ہے اور خوب پُر تکلف دعوت دیتے۔ اپنے تمام بچوں کی بڑی عزت کرتے۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ

ہر ماہ بکرا ذبح کر کے صدقہ ضرور دیتے۔ مہینے میں ایک بار ضرور کوئٹہ تشریف لے جاتے تا کہ احمدی احباب سے ملاقات ہو۔ مستونگ سے روانگی سے پیشتر گھر میں تمام بچوں کو اکٹھا کر کے دُعا کرواتے اور جب کوئٹہ سے واپس آتے تو سب سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرتے اور پھر سب گھر والوں کو بلا کر بلوچ قوم کی طرح اپنے کوئٹہ کے سفر کی روئیداد سناتے۔

جماعت کوئٹہ سے باہمی محبت

کوئٹہ کے احمدی احباب سے بہت محبت تھی اور کوئٹہ کے احباب بھی آپ کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ جب حضرت مولوی صاحب کوئٹہ پہنچ جاتے، تو وہاں پر مسجد احمدیہ میں ایک رونق ہو جاتی۔ آپ درسِ قرآن دیتے اور احباب حضرت مولوی صاحب کی نماز میں خوبصورت قراءت کے لئے بے تاب رہتے۔ کوئٹہ میں عموماً آپ کا قیام حضرت ڈاکٹر عبد اللہ صاحبؓ کے گھر ہوتا اور کبھی حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؓ کے گھر پر۔ دن کے وقت شیخ کریم بخش صاحب والد شیخ محمد حنیف صاحب، امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ کی دوکان پر مجلس لگی رہتی۔ شیخ صاحب کافی غیر احمدی احباب کو بلاتے اور خوب تبلیغ ہوتی۔

جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کی تلقین کا دل کش انداز

ایک دفعہ جلسہ سالانہ قادیان جاتے ہوئے جب آپ کوئٹہ میں فروکش ہوئے تو ڈاکٹر عبد اللہ صاحبؓ نے جو امیر جماعت تھے، حضرت مولوی صاحب سے فرمایا۔ کل خطبہ جمعہ آپ دیں اور دوستوں کو قادیان جلسہ سالانہ پر جانے کی تلقین کریں کیونکہ گزشتہ سال (1935ء) کے زلزلہ کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوست مالی تنگی کی وجہ سے کم جائیں گے۔ خاکسار بھی اس خطبہ میں شامل تھا۔ آپ نے خطبہ میں دیگر اُمور کے علاوہ جلسہ سالانہ پر جانے کے لئے ایسے زور دار الفاظ میں تحریک فرمائی کہ جس سے احباب جماعت کے دلوں میں جلسہ سالانہ پر جانے کا جوش پیدا ہوا اور کافی دوست جلسہ سالانہ پر گئے۔ آپ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔ محمد الیاس کو چند اہم امور در پیش تھے۔ بہت دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ تیری دُعا قبول ہو گی مگر تین شرطوں کے ساتھ:

1: پہلی یہ کہ تم بیس ہزار احمدیوں کو بلاؤ اور تین دن ان کی دعوت کرو، رہائش کا انتظام کرو۔

2: صحابہ کرام کو بلاؤ وہ بھی آئیں۔

3: خلیفۂ وقت کو بھی بلاؤ اور ان سب سے عرض کرو کہ تمہارے لئے رو رو کر دُعا کریں۔

مَیں نے اپنے خُدا سے عرض کی میری حقیر حیثیت کو تُو خوب جانتا ہے، مَیں تو تین آدمیوں کو تین دن بھی کھانا نہیں دے سکتا اور نہ رہائش کا انتظام کر سکتا ہوں۔ پھر میری حیثیت کیا ہے کہ مَیں بیس ہزار احمدیوں کو بلاؤں۔ جواب میں لوگ کہیں گے ہمیں فرصت نہیں۔

پھر صحابہ کرام اور خلیفۂ وقت کی خدمت میں کیسے عرض کروں کہ میرے یہ اہم کام ہیں؟ آپ ان اُمور کی انجام دہی کے لئے رو رو کر خُدا سے میرے لئے دعا کریں۔ ممکن ہے جن امور کو مَیں اہم سمجھتا ہوں وہ ان کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوں۔ مَیں اللہ تعالیٰ کے حضور بہت رویا کہ اے اللہ یہ شرائط بہت سخت ہیں اور تُو خود کہتا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا

یہ شرائط میری وسعت سے باہر ہیں، مجھ پر رحم فرما۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد الیاس یہ سب انتظام مَیں نے تمہارے لئے کر دیا ہے۔ تم قادیان جلسہ سالانہ پر جاؤ۔ وہاں بیس ہزار احمدی بھی آئیں گے۔ صحابہ کرام بھی آئیں گے، خلیفۂ وقت بھی موجود ہو گا، ان کی خوراک اور رہائش کا انتظام بھی مَیں کروں گا۔ جلسہ سالانہ کی افتتاحی اور اختتامی دُعا میں جب جلسہ سالانہ کے تمام احباب مع خلیفۂ وقت روئیں گے تم بھی رونا اور اپنا مدعا پیش کرنا مَیں قبول کروں گا۔

آپ نے فرمایا: مَیں احباب جماعت سے پوچھتا ہوں کیا یہ سودا دس پندرہ روپے کے واپسی ٹکٹ میں مہنگا ہے؟ کیا تم لوگوں کی کوئی ضروریات نہیں ہیں اور تم ہر چیز سے بے نیاز ہو؟ اُٹھو اور جلسہ سالانہ پر جانے کی تیاری کرو کہ یہ وقت پھر ایک سال بعد ہاتھ آئے گا۔ کس کو پتہ اُس وقت کون زندہ ہو گا؟ ایسا سنہری موقع کو اپنے ہاتھ سے گنوانا کہاں کی عقلمندی ہے؟

عشقِ قرآن

حضرت مولوی صاحب کو قرآن پاک سے عشق تھا۔ اگر کوئی بچہ غلطی سے بھی قرآن پاک پر کوئی اور کتاب رکھ دیتا تو اس بچہ پر بہت ناراض ہوتے۔ سرزنش کرتے۔ آپ فرماتے: جو شخص ظاہری طور پر قرآن پاک کی عزت نہیں کرتا تو خُدا بھی آسمان پر اس کی عزت نہیں کرتا۔

غضِ بصر والی فطرتِ صافی

گھر میں داخل ہوتے وقت اونچی آواز سے السلام علیکم کہتے اور ہر جگہ سلام میں پہل کرتے۔ محلے کی عورتوں کا خیال تھا کہ حضرت مولوی صاحب عورتوں کو بالکل نہیں دیکھتے۔ غضِّ بصر سے کام لیتے ہیں اس لئے ان کے سامنے سے گزر جاتی تھیں یا جب کبھی گھر میں ہماری والدہ صاحبہ کے پاس بیٹھی ہوتیں تو اُٹھ کر نہیں جاتی تھیں کہ حضرت مولوی صاحب کسی عورت کو نہیں دیکھتے۔

آپ فرماتے تھے کہ مَیں نے سوائے اپنی بیوی اور بیٹیوں کے اور کسی عورت حتّٰی کہ اپنی بہو کو کھلی آنکھ سے نہیں دیکھا اور مجھے نہیں معلوم کہ اس کے خدوخال کیسے ہیں؟

ہمارے گھر جو مہترانی کام کرتی تھی جب کبھی والدہ صاحبہ مستونگ سے ایک دن کے لئے باہر جاتیں تو آپ مہترانی کو فرماتے کل سے بی بی گھر نہیں ہوں گی اس لئے کام کرنے جمعدار آئے تم نہ آنا۔ اس طرح ایک دفعہ مستونگ کے تحصیلدار کی بیوی اپنے خاوند کی زیادتی کے متعلق علیحدگی میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی تھی تو آپ نے فرمایا کہ عبدالسلام کی والدہ کو بلاؤ اور پھر بات کرو مَیں علیحدگی میں کسی عورت سے ملنا پسند نہیں کرتا۔

آپ 1946ء میں جبکہ آپ کی عمر 76 سال تھی جب میرے پاس پشاور آئے تو جب کبھی ہماری والدہ صاحبہ گھر سے باہر ہوتیں اور میری بیوی اکیلی گھر پر ہوتی تو جب تک مَیں دفتر سے گھر واپس نہ آجاتا حضرت مولوی صاحب گھر سے باہر کسی دوست کے ساتھ تبلیغی گفتگو میں مصروف رہتے جب مَیں گھر آجاتا تو آپ بھی گھر کے اندر آجاتے ورنہ باہر ہی رہتے۔ گھر میں اکیلے اپنی بہو کے ساتھ رہنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

آپ پردہ کا بہت خیال رکھتے تھے مگر مستورات کو چار دیواری میں محصور بھی نہیں رکھتے تھے۔ ہر مہینے رات کو گھر کی تمام مستورات کو ساتھ لے کر مستونگ میں قریبی پارک کو چلے جاتے تھے یا کبھی دور شاہی باغ لے جاتے اور پھر واپس گھر آجاتے۔ لوگ جب دیکھتے کہ اس طرح حضرت مولوی صاحب اپنی مستورات کے ساتھ سیر کر رہے ہیں تو وہ اس جگہ سے بہت دُور چلے جاتے اور مولوی صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔

دوسروں کی عزت نفس کا خیال

آپ اپنی تمام اولاد اور خاص کر اپنے دامادوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ دامادوں کا نام بہت احترام سے پکارتے تھے۔ کبھی بھی آدھا نام یا مختصر نام نہیں لیتے تھے۔

آپ چھوٹے سے چھوٹے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بھی عزت کرتے تھے۔ راستہ چلتے جب مہتر سڑک پر جھاڑو دے رہا ہوتا تو آپ دُور سے پکارتے: جمعدار سلام! مہتر جھاڑو رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا اور کہتا: "ہجور سلام۔"

ایک دفعہ سنتو مہتر سے چند اہل کاروں نے پوچھا کیا بات ہے جب ہم راستے پر چلتے ہیں تو تم برابر جھاڑو دیئے جاتے ہو اور ہم پر دُھول ڈالتے جاتے ہو مگر جب مولوی صاحب کو دُور سے دیکھ لیتے ہو تو ایک طرف کھڑے ہو کر ادب سے ان کو سلام کرتے ہو؟ تو سنتو نے جواب دیا: یہ مولوی صاحب کے اپنے اخلاق ہیں کہ وہ مجھے انسان سمجھتے ہیں۔ میری پشت کے پیچھے مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کون آرہا ہے وہ مجھے سلام کرتے ہیں۔ میں اُن کی عزت کیوں نہ کروں؟ وہ تو اوتار ہیں اوتار!

تقویٰ وطہارت

آپ بہت متقی انسان تھے۔ آپ عرائض نویس تھے اور عرائض نویسی میں بعض اوقات لوگ آپ کو کھوٹے سکّے بھی دے جاتے۔ جب آپ کو علم ہوتا کہ یہ سکّہ کھوٹا ہے تو ایک پتھر اوپر رکھ کر دوسرے پتّھر سے اس کو توڑ دیتے تھے تا کہ یہ کھوٹا سکّہ کسی اَور کے ہاتھ نہ لگے۔

گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا

مولوی صاحب گھر میں کام بھی کرتے تھے۔ مستونگ میں چونکہ سردی زیادہ پڑتی ہے اور سردیوں میں برف بھی پڑتی ہے اس لئے وہاں پر لوگ گرمیوں میں لکڑیوں کا اسٹاک کر لیتے ہیں۔ مولوی صاحب بھی گرمیوں میں بیس تیس اونٹوں کے بار کی لکڑی جمع کر لیتے تھے۔ چونکہ وہ لکڑیاں موٹی موٹی ہوتی تھیں تو ان لکڑیوں کو خود پھاڑا کرتے تھے جس کے لئے ایک تیز اور وزنی بھاری کلہاڑار کھا ہوا تھا۔

دینی غیرت

آپ بہت غیور احمدی تھے۔ ایک دفعہ مستونگ میں خان بہادر نوابزادہ گل محمد خان آف ڈیرہ غازی خاں نے جو ریاست قلّات میں وزیرِ مال تھے، ایک پشاوری تحصیل دار حبیب اللہ خان کے ذریعہ حضرت مولوی صاحب کو پیغام بھیجا کہ آپ مجھے اپنی دامادی میں لے لیں تو یہ میری بڑی سعادت ہو گی۔ مَیں اپنی بیوی کو پچاس ہزار روپیہ نقد ادا کروں گا اور مَیں اپنی نصف جائیداد ان کے نام لگا دوں گا۔ اس کے علاوہ جو شرائط مولوی صاحب مقرر کریں وہ سب مجھے قبول ہوں گی۔ حضرت مولوی صاحب نے تحصیلدار صاحب کو فرمایا کہ نوابزادہ صاحب کو مَیں خود جواب دوں گا۔

دوسرے دن شام کے وقت حضرت مولوی صاحب نواب زادہ صاحب کے بنگلے پر گئے اور ان سے کہا کہ آپ نے ایسا پیغام بھیجا ہے۔ وہ بہت خوش ہوا اور کہا ہاں مَیں نے یہ پیغام بھیجا ہے اور میری خوش بختی ہو گی اگر میرے جیسا انسان آپ کی دامادی کا فخر حاصل کر لے۔ حضرت مولوی صاحب نے نوابزادہ صاحب کو جواب دیا کہ شاید آپ کو علم نہیں ہم شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شادی اپنے شاہی خاندان ہی میں کرتے ہیں۔ ہم باہر رشتہ نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا: ہم احمدی ہیں اور شاہی خاندان سے ہیں۔ ایک غریب شخص کو لڑکی دوں گا بشرطیکہ وہ احمدی ہو کیونکہ وہ ہمارے شاہی خاندان کا فرد ہے مگر دُنیاوی نواب کو نہیں دوں گا۔ نوابزادہ صاحب کو فرمایا: آپ نے فرمایا ہے کہ مَیں پچاس ہزار مہر اور نصف جائیداد وغیرہ دوں گا لیکن اگر امیر کابل مجھے اپنی نصف حکومت دے اور کہے کہ آپ اپنی لڑکی کا رشتہ مجھے دے دیں تو چونکہ وہ احمدی نہیں ہے اور مَیں اس کو شاہی خاندان کا فرد بھی نہیں سمجھتا ہوں

اس لئے میں اس کو لڑکی نہیں دوں گا۔ اس پر نوابزادہ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب مجھ سے غلطی ہوئی ہے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اتنے عظیم الشان ہیں۔

حضرت مولوی صاحب کی وصیت

ایک دفعہ مستونگ میں حضرت مولوی صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ بچیوں کی شادیاں ہو گئی تھیں، نوجوان لڑکے فوت ہو گئے تھے۔ خاکسار اور برادرم عبد القدوس بھی ملازمت کے سلسلے میں باہر تھے، والدہ صاحبہ اکیلی تھیں۔ گھر کے قریب ہی جامع مسجد تھی جس کا امام پٹھان تھا اور حضرت مولوی صاحب سے اکثر مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ آپ نے والدہ صاحبہ کو بھیج کر امام مسجد کو بلایا۔ امام مسجد بہت خوش ہوا کہ مولوی صاحب کا اخیر وقت ہے اب احمدیت سے توبہ کرنے والے ہیں۔ جب امام مسجد آ گئے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ ملّا صاحب! میرا اخیری وقت ہے، بطور پٹھان میرا آپ پر ایک حق ہے، وہ یہ کہ جب مَیں مر جاؤں تو میری لاش کو کفن پہنانے کے بعد دفن کر دیں جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مَیں احمدی ہوں اور مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح موعودؑ مانتا ہوں۔ میرا جنازہ فرشتے پڑھیں گے۔ میری اہلیہ اپنے بچوں کے آنے تک آپ کے گھر رہے گی اور میرے بچے کفن دفن پر جو خرچ ہوا ہو گا ادا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی صاحب کو صحت یاب کیا مگر وہ ملّا کہتا تھا: مَیں نے ایسا انسان کبھی نہیں دیکھا جو اتنا مستقل مزاج ہو اور موت کی حالت میں بھی تبلیغ کرتا ہو۔

جمعہ کی نماز کے لیے پیدل چلنا

1946ء میں جب آپ میرے پاس پشاور تشریف لے آئے تو اس وقت آپ کافی بوڑھے تھے مگر میرے گھر واقع سول کوارٹرز سے مسجد احمدیہ پشاور شہر تک سخت گرمیوں میں بھی نماز جمعہ پڑھنے کے لئے پیدل جاتے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی کو ہر قدم کا ثواب ملتا ہے، مَیں یہ ثواب ٹانگہ پر جانے سے ضائع نہیں کرتا۔ حالانکہ ہمارے گھر اور مسجد احمدیہ پشاور شہر کے درمیان ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔

محبت اور حکمت و دانائی سے احمدی احباب کی تربیت

جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک دفعہ مَیں اور مولوی صاحب ریتی چھلّا کے پاس سے گزر رہے تھے وہاں پر ایک غریب احمدی پکوڑے تل رہا تھا۔ آپ نے مجھے ایک روپیہ دیا کہ اس سے پکوڑے لاؤں، جب مَیں پکوڑے لایا تو مَیں نے کہا کہ اباجی اتنے زیادہ پکوڑوں کا ہم کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا یہ پکوڑے اپنے پاس رکھو۔ آگے بڑھے تو کچھ فقیر بھیک مانگنے والے تھے تو تمام پکوڑے ان کو دے دیئے۔ فرمایا کہ یہ غریب احمدی ہے جو پکوڑے بیچ رہا تھا۔ اگر ہم اس سے پکوڑے نہ خریدیں گے تو کون خریدے گا؟ دیکھو دونوں کا کام بن گیا۔ اس احمدی کا بھی اور ان فقیروں کا بھی۔

جماعت کے احباب سے بڑی محبت تھی۔ سبّی میں ایک پہاڑی کے اوپر ریلوے کالونی کے لئے واٹر ریزروائر تھا اس کے آپریٹر ایک نہایت ہی مخلص احمدی، صوفی منش متقی، معمولی پڑھے لکھے، جہلم کے رہنے والے عین علی شاہ صاحب تھے۔ حضرت مولوی صاحب دورانِ قیام ہر دوسرے تیسرے دن شام کا کھانا کھا کر دو میل پیدل چل کر پہاڑی پر چڑھ کر عین علی شاہ کے پاس پہنچ جاتے تھے اور کافی دیر تک اُن سے پیار اور محبت کی باتیں ہوتیں (عین علی شاہ صاحب کے لڑکے سید قربان علی شاہ صاحب ریٹائرڈ D.S.P بلوچستان ہیں) اور کافی رات گزرنے کے بعد واپس گھر تشریف لاتے۔

آپ کمزور احمدی کی تربیت بھی بہت عمدہ طریق سے فرماتے۔ ایک دفعہ جب حسبِ معمول کوئٹہ تشریف لے گئے تو وہاں پر ایک احمدی دوست تھے جو چندہ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر عبد اللہ صاحبؓ امیر جماعت کوئٹہ نے حضرت مولوی صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ اتفاق سے وہ دوست بھی شام کی نماز مسجد میں مولوی صاحب کی اقتدا میں پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس دوست نے حضرت مولوی صاحب کو چائے کی دعوت دی جس میں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ دوسرے دن جب چائے کی میز پر بیٹھے اور چائے حضرت مولوی صاحب کے سامنے پیش کی تو مولوی صاحب نے چائے کی پیالی کو ہاتھ نہ لگایا اور اس دوست سے کہا کہ مَیں پٹھان ہوں اور تم پنجابی۔ مجھ میں اور تم میں قدرِ مشترک سوائے احمدیت کے اور کیا ہے؟ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ادنیٰ غلام جب آپ کے گھر

آتا ہوں تو آپ اتنا پُر تکلف انتظام کرتے ہیں مگر جب میرے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود آپ کے گھر آتے ہیں تو وہ خالی ہاتھ جاتے ہیں۔ مَیں کیسے یہ چائے کی پیالی پی سکتا ہوں؟ وہ شخص بہت حیران ہوا اور کہا کہ مجھ میں یہ جرأت کہ میں ایسی گستاخی کروں؟ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظام کے مقرر کردہ نمائندے آپ کے پاس ہر ماہ اسلام کی اشاعت کے لئے، نہ کہ اپنے ذاتی کام کے لئے، آپ سے آمد کے سولھویں (1/16) حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو آپ ہر ماہ اُس کو خالی ہاتھ واپس کر دیتے ہیں اور جب حضورؑ کا ایک ادنیٰ غلام جو سلسلے کے کارندوں سے بھی حقیر تر ہے، آپ کے مکان پر آتا ہے تو آپ پُر تکلف دعوت کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ بہت شرم کی بات ہے۔ چونکہ امیر جماعت بھی موجود ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے نمائندے ہیں، مَیں آپ کی طرف سے یہ دس روپے چندہ ادا کرتا ہوں تا کہ مسیح موعودؑ کا نمائندہ اس دفعہ تو خالی ہاتھ نہ جائے اور دس روپے حضرت ڈاکٹر عبد اللہ کے ہاتھ پکڑا کر چائے کی پیالی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ دوست فوراً گھر گئے، رقم لا کر حضرت ڈاکٹر عبد اللہ صاحب امیر جماعت کو دی اور حضرت مولوی صاحب کی رقم واپس کی اور وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ آئندہ باقاعدہ باشرح چندہ دیا کروں گا اور اس کے بعد وہ دوست چندوں میں باقاعدہ ہو گئے۔

مرکزی تحریکات

آپ اپنے بچوں کو فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی مرکز سے کوئی تحریک ہو تو حسب توفیق اس میں حصہ لو۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر جنت کو جانے کے دروازے کھولے ہیں۔ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کس در سے رحم فرمائے اور مغفرت کا سامان کرے اس لئے اپنے ہاتھ سے جنت کے اس دروازہ کو بند نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ رقم کو نہیں دیکھتا وہ نیت کو دیکھتا ہے اس لئے ہر تحریک میں حسبِ حیثیت حصہ لو۔

فرمایا: لوگ اس امر کے لئے ترس ترس کر مر گئے ہیں کہ ہم وہ کون سا عمل کریں جو مقبول الٰہی ہو؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے سے یہ معمہ حل ہو گیا ہے۔ اب عملِ صالح وہ عمل ہے جس کی

خلیفۂ وقت اور مرکز تحریک کرے۔ آج اسلام غریب و بے کس ہے۔ اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا ہے۔ وہ ہمیں اس کارِ خیر میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم بڑے بد قسمت انسان ہوں گے اگر ہم اپنی اس محدود زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہ کر سکیں جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے لئے آسان کر دیا ہے۔

صحبتِ صالحین

جب بھی جلسہ سالانہ قادیان پر تشریف لے جاتے تو اپنے بیٹوں کو لے کر بزرگانِ سلسلہ حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ، حضرت مولوی یعقوب علی عرفانی صاحبؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ساتھ ضرور ملاقات کرتے۔

ایک دفعہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی ملاقات کے لئے جا رہے تھے تو ان کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ آپ نے بتلایا کہ میں اور چارسدہ کے خان محمد اکرم خان قادیان میں گھوم پھر رہے تھے کہ خان محمد اکرم خان نے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو دیکھا جو خان صاحب موصوف کے B.A میں کلاس فیلو تھے اور کہا اچھا شیر علی تم! اور ان کو پکڑ کر بغل گیر ہو گئے اور خان صاحب روتے جاتے تھے اور یہ شعر کہتے جاتے تھے:

ما و مجنون ہم سبق بودیم در مکتبِ عشق
اُو بہ صحرا رفت و من در کوچہ ہا رسوا شدم

اور کہا شیر علی! تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ مَیں بھی تمہاری طرح مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بیعت کر لیتا اور اس نعمت سے حصہ پاتا۔ دونوں دوست بہت دیر تک روتے رہے۔

اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ وَ الْحُبُّ لِلّٰہِ

مستونگ میں ایک احمدی دوست تھے جو اعلیٰ عہدہ پر پہنچنے کی وجہ سے احمدیت سے روگردان ہو

گئے تھے مگر یہاں بھی ان کی خلاصی نہ ہوئی اور ان پر احمدی ہونے کا الزام لگا کر ملازمت ریاست قلّات سے فارغ کر دیا گیا۔ انہوں نے بعد میں کوئٹہ میں ایک ہوٹل خرید لیا۔ مَیں اور برادرم عبد القدوس کوئٹہ سنڈیمن سکول میں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی اس دوست کے ہوٹل میں چائے پینے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ کافی عرصہ مستونگ میں تحصیل دار رہے تھے وہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ جب بھی مولوی صاحب کوئٹہ آئیں تو ان کو ضرور میرے ہوٹل لائیں تا کہ برکت بخشیں۔

ایک دن کوئٹہ مشن روڈ سے مَیں اور مولوی صاحب گزر رہے تھے۔ میں نے والد صاحب سے کہا یہ اس احمدی کا ہوٹل ہے اور اکثر آپ کا پوچھتے رہتے ہیں۔ اُدھر شیشے سے اُس دوست نے بھی حضرت مولوی صاحب کو دیکھ لیا اور باہر نکل کر آواز دی۔ مولوی صاحب! مولوی صاحب! مگر حضرت مولوی صاحب اگر پانچ میل کی رفتار سے جارہے تھے تو اپنی رفتار کو دس میل کر دیا اور مجھے کہا:

اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ وَ الْحُبُّ لِلّٰہِ۔

مَیں اگر اس شخص سے محبت کرتا تھا تو احمدیت کی وجہ سے کرتا تھا۔ اب جب اس نے احمدیت چھوڑ دی ہے تو میرا ان سے کیا تعلق ہے؟ وہی دوست چند سال بعد قادیان میں حضرت مولوی صاحب کو ملے اور اسی طرح سے پھر آواز دی مگر حضرت مولوی صاحب نے توجہ نہ دی۔ اُس نے آواز دی، مولوی صاحب! مَیں نے بیعت کر لی ہے! اس پر حضرت مولوی صاحب واپس مڑے اور اس دوست سے بغل گیر ہوئے اور دونوں کافی دیر تک روتے رہے۔ آپ نے فرمایا: ملک صاحب! آپ کو معلوم نہیں مَیں آپ کو احمدیت میں دوبارہ لانے کے لئے کتنی دعائیں کرتا تھا۔

جمعۃ المبارک اور مہمان نوازی

مستونگ میں جمعہ کی نماز حضرت مولوی صاحب کے مکان پر ہوتی تھی۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ کے بعد احباب جماعت میں بیٹھ کر سلسلہ کے متعلق گفتگو فرماتے اور تمام دوستوں کی چائے اور شیرینی سے تواضع فرماتے۔

اولاد کے حق میں دعا

حضرت مولوی صاحب بہت دُعا گو انسان تھے اور اپنی اولاد کے حق میں خاص طور پر بڑی دعائیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ گھر میں ہمارے کسی عزیز کا ذکر چل پڑا کہ ان کے لڑکے ان کی طرح احمدیت کے رنگ میں رنگین نہیں ہیں تو والد صاحب نے ہمارے بڑے بھائی عبد الحیٔ خان سے کہا کہ تم ان بزرگ سے خط لکھ کر حلفاً پوچھو کیا تم نے چالیس دن رو رو کر اپنے بچوں کے حق میں دُعا کی ہے؟ اگر وہ خود اتنا غافل اور بے پرواہے تو قرآن پاک کی سورۃ فرقان کی آیت:

قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡ لَا دُعَآؤُکُمۡ (الفرقان:78)

کی زد میں آتا ہے۔ اور فرمایا میری تو یہ حالت ہے جب مَیں اپنے کسی بیٹے کو دیکھتا ہوں کہ وہ غلط قدم اُٹھا رہا ہے تو اس کو سمجھانے سے پہلے اپنے خُدا کے حضور رو رو کر دعائیں کرتا ہوں اور پھر اپنے بیٹے سے کہتا ہوں کہ تمہارا فلاں فعل مجھے پسند نہیں ہے تو وہ بچہ فوراً درست ہو جاتا ہے۔ فرماتے تھے جو شخص اپنی اولاد کے لئے تضرّع سے دعائیں نہیں کرتا وہ بڑا مغرور انسان ہے اس کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔

غیرت اور شرم وحیا

آپ بہت غیرت مند اور باحیا انسان تھے۔ ایک دفعہ سبّی میں صاحبزادہ خورشید وزیر اعظم ریاست قلّات دائیں ہاتھ میں شدید درد کی وجہ سے بیمار ہو گئے۔ صاحبزادہ صاحب نے آپ سے درخواست کی کہ آپ میرے پاس رہیں تاکہ آپ کی صحبت سے مستفید ہوتا رہوں اور دینی باتوں سے درد کا احساس بھی جاتا رہے گا۔

صاحبزادہ صاحب 1935ء کے زلزلہ میں مستونگ میں افسر بہ کارِ خاص (Officer on special duty) مقرر ہوئے تھے اور حضرت مولوی صاحب سے قرآن پاک با تفسیر پڑھتے تھے۔ وہ آپ کے بہت معتقد تھے۔

ایک رات دَوران گفتگو صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: مولوی صاحب! یہاں پر کیا علاج ہوتا ہے؟ علاج تو یورپ میں ہوتا ہے۔ جب خوبصورت نرم نرم نرسیں مریض کو ہاتھ لگاتی ہیں تو مریض کا آدھا درد

تو وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے اِس گفتگو کو سخت محسوس کیا اور خاموشی سے صاحبزادہ صاحب کے بنگلہ سے چلے گئے اور پھر باوجود کئی پیغامات کے اُن کے پاس نہیں گئے۔

صاحبزادہ صاحب تندرست ہوئے تو خود آپ کے دفتر کی طرف آئے۔ لوگ حیران تھے کہ وزیراعظم یہاں پر کیا کرنے آئے ہیں؟ آپ سیدھے حضرت مولوی صاحب کے کمرے میں گئے اور مولوی صاحب کو ساتھ لے کر سیدھے اپنے بنگلے پر گئے اور کہنے لگے: مولوی صاحب! مجھے معلوم ہے آپ کس وجہ سے ناراض ہوئے ہیں؟ مَیں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اتنے عظیم انسان ہیں۔

حکومت کے اکابرین کو تبلیغ

مستونگ میں آپ ریاست قلات کے نائب وزیراعظم نواب ارباب کرم خان کے پاس تقریباً روزانہ جایا کرتے تھے اور وہاں پر جتنے سرداران قوم، ارباب صاحب کے پاس ہوتے سب کو تبلیغ کرتے اور کبھی کبھی یہ نشست بہت لمبی ہو جاتی تھی۔

ایک دن حضرت مولوی صاحب ارباب صاحب کے بنگلہ گئے۔ ارباب صاحب اپنے بنگلہ کے خوبصورت چمن میں چند سرداروں کے ساتھ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے جونہی حضرت مولوی صاحب کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو اپنے نوکر کو آواز دی کہ یہ تاش کے پتے جا کر چھپا دو حضرت مولوی صاحب آرہے ہیں وہ تاش کے پتے دیکھیں گے تو ناراض ہو جائیں گے۔

آپ کے بہادر اور نڈر شاگرد

حضرت مولوی صاحب کی تربیت کی وجہ سے آپ کے شاگرد بھی بڑے دلیر تھے۔ مستونگ میں ایک صاحب شیخ نور الدین صاحب بہت مخلص احمدی تھے جو ہندو سے احمدی ہوئے تھے۔ ان کو حضرت مولوی صاحب نے نواب ارباب کرم خاں کے پاس نوکر کرا لیا اور انہوں نے اسے اپنے باورچی خانہ میں مقرر کر دیا۔ ایک دن نواب صاحب نے شیخ صاحب کو یاد کیا۔ شیخ صاحب نہیں تھے۔ بعد میں غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو شیخ صاحب کہنے لگے: نواب صاحب! مَیں ترکھان کے پاس سیڑھی بنوانے گیا تھا۔ نواب صاحب نے پوچھا: سیڑھی کی کیا ضرورت پیدا ہو گئی تھی؟ شیخ صاحب کہنے لگے کہ مَیں آسمان

پر چڑھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا چاہتا تھا تا کہ اگر وہ زندہ ہوں تو ان سے کہوں جلد آئیں آپ کے تخت پر مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے قبضہ کر لیا ہے۔ نواب صاحب نے کہا! تم بڑے شرارتی ہو اور حضرت مولوی صاحب کی وجہ سے بہت دلیر ہو گئے ہو۔

ارذلِ عمر سے بچنے کی دعا

آپ اَرذل العمر سے بچنے کے لئے بہت دُعا کیا کرتے تھے اور ہماری والدہ صاحبہ سے فرماتے تھے کہ میری یہ دُعا ہے کہ جب میری موت آئے تو تم سے پہلے آئے۔ والدہ صاحبہ فرماتیں یہ کیوں؟ تو فرماتے: عورت مرد کا ستر ہے۔ تمہارے بعد اس عمر میں دوسری شادی کے قابل نہیں اور کسی عورت کو چاہے وہ میری بچی ہی کیوں نہ ہو مَیں اپنے وجود کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر تم میرے بعد جاؤ تو بیماری میں تمہاری بچیاں تمہاری خدمت کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی صاحب کی یہ خواہش اور دُعا پوری کی اور آپ والدہ صاحبہ سے دس سال پہلے فوت ہوئے۔

ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ اکیلے رہ گئے۔ ایک دن مَیں کوئٹہ سے، جہاں پر مَیں ملازمت کرتا تھا چند دن کی چھٹی لے کر مستونگ آیا۔ ایک صبح والدہ صاحبہ باورچی خانہ میں چائے تیار کر رہی تھیں حضرت مولوی صاحب نے والدہ صاحبہ کو آواز دی۔ جب وہ آئیں تو کہا: اشراف بی بی تمہیں یاد ہے جب ہم نے شادی کی تھی تو ہم دو تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بطن سے ہمیں تیرہ بچے دیئے۔ اب ان کی شادیوں اور موت کے بعد ہم پھر دو رہ گئے ہیں اور اب ضعیف اور کمزور ہیں۔ آؤ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے اور ہمیں جسمانی و مالی لحاظ سے کسی کا محتاج نہ کرے اور پھر ایک لمبی دُعا کی۔

والدہ محترمہ کی دلجوئی

ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب اور والدہ صاحبہ اکیلے تھے۔ والدہ صاحبہ بیمار ہوئیں اُنہیں سخت بخار تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ حضرت مولوی صاحب جب دفتر سے واپس آئے تو والدہ صاحبہ نے چائے کے لئے خواہش کی۔ حضرت مولوی صاحب نے ہر چند آگ جلانے کی کوشش کی مگر ان سے آگ نہ

جلی۔ باہر گئے اور ایک بڑا تربوز لائے اور ہماری والدہ صاحبہ سے کہا کہ چائے تو مَیں پکا نہیں سکا یہ تربوز کھائیں اِس سے آرام آجائے گا اور خود نفل پڑھنے شروع کئے۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے وہ تربوز کھایا اور مجھے آرام ہو گیا۔

سفر کے متعلق قیمتی نصائح

سفر میں حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

ہر چہ گیرد مختصر گیرد

جو بھی سفر میں سامان لینا ہے مختصر لیں اور فرماتے تھے: سفر میں مندرجہ ذیل چیزوں کا ہونا ضروری ہے: سوئی دھاگہ، صابن، ٹارچ وغیرہ۔

زادِراہ یعنی سفر خرچ اپنے اندازہ سے کچھ زیادہ ساتھ لے جانا چاہیے۔

ریلوے سٹیشن پر گاڑی کے آنے سے آدھ گھنٹہ پہلے پہنچ جانا چاہیے۔

سفر کے دوران گفتگو کم اور درود شریف زیادہ پڑھنا چاہیے۔

فرماتے تھے کہ مسافر کی دُعا اللہ تعالیٰ بہت قبول کرتا ہے اس لئے دورانِ سفر دعاؤں میں مصروف رہنا چاہیے۔

بچوں کی وفات پر کامل صبر کا نمونہ

حضرت مولوی صاحب کے چار نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے اور دو نوجوان شادی شدہ لڑکیاں آپ کی زندگی میں فوت ہوئیں مگر ہر موت پر کامل صبر کا نمونہ دکھایا۔ آپ کے چہرہ سے کبھی غم کے آثار نمودار نہ ہوئے بلکہ ہر وقت راضی برضاءِ الٰہی کا نمونہ تھے۔ اگر کسی شخص کو علم نہ ہوتا کہ حضرت مولوی صاحب کو اتنے صدمات اُٹھانا پڑے ہیں تو وہ کبھی بھی آپ کی گفتگو اور طریقِ زندگی سے محسوس نہ کرتے کہ حضرت مولوی صاحب کے اتنے بچے فوت ہوئے ہیں۔

کوئٹہ کا زلزلہ

31 مئی 1935ء کو کوئٹہ میں سخت زلزلہ آیا۔ پلک جھپکنے میں پچاس ہزار آدمی مر گئے۔ شہر ملبے کا ڈھیر بن گیا مگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ احمدی احباب کی موت ایک فی صد سے بھی کم تھی۔ غالباً گنتی کے دو چار دوست شہید ہوئے۔ زلزلہ کی رات مولوی صاحب مستونگ سے کوئٹہ تشریف لائے تھے اور ڈاکٹر عبد المجید صاحب رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام تھا۔ فرماتے تھے کہ جب مَیں نے زلزلہ کا پہلا جھٹکا محسوس کیا تو مجھے حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث یاد آگئی کہ زلزلہ کے وقت گھر کے دروازہ کی چوکھٹ میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں دروازہ کی چوکھٹ میں کھڑا ہو گیا۔ تمام مکان گر گیا مگر مَیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلامت رہا۔

ہم دونوں بھائی یعنی مَیں اور برادرم عبد القدوس خاں بورڈنگ ہاؤس میں تھے۔ ہم بھی خدا تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے بال بال بچ گئے تھے جبکہ بورڈنگ میں موجود 70 میں سے 60 کے قریب لڑکے مر گئے تھے۔ زلزلہ میں میرا بھائی عبد الجلیل خان بھی کوئٹہ میں حضرت مولوی صاحب کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ اس کے سینہ پر کافی ملبہ گرا جس سے اُس کا سینہ زخمی ہوا۔ بعد میں وہ زخمی سینہ ٹی بی (تپ دق) کی صورت اختیار کر گیا اور وہ 1936ء میں فوت ہو گئے۔

حضرت مولوی صاحب ہمارے پاس بورڈنگ ہاؤس تشریف لائے اور ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ہم کو لے کر مستونگ کی طرف جانے کے لئے کوئی صورت نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ راستہ میں خان بہادر مولوی منیر احمد خان ملے، جو A.G.G. کے پرنسپل اسسٹنٹ تھے۔ خان بہادر صاحب بعد میں ریاست قلات کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں۔

حضرت مولوی صاحب نے خان بہادر صاحب کو دیکھا اور پوچھا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا: کیا پوچھتے ہیں سارے کنبہ میں سے صرف ایک مَیں ہی بچ گیا ہوں اور کہنے لگا خدا کو تو بگاڑنا آتا ہے بنانا تو نہیں آتا اور مَیں کفن ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ حشر کا سماں ہے۔ تمام افراد خاندان کو بغیر کفن کے اپنے ہی لباس میں اکٹھا کر کے ایک گڑھا کھود کر ان کو دفن کر دو۔ بعد میں

حضرت مولوی صاحب فرمانے لگے کہ یہ در بھنگہ کے پیر کا مرید ہے اور مجھ سے ہر وقت صداقتِ مسیح موعودؑ پر بحث کرتا تھا۔ جس کا خدا سے تعلق نہ ہو تو دیکھ لیا اس کے کفر کے الفاظ؟ یہ رُوحانیت سے دُوری اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کا نتیجہ ہے۔

ہم کچھ اور آگے چلے تو دیکھا کہ ٹھنڈی سڑک پر A.G.G. مسٹر گولڈ گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کو دیکھ کر ان کی طرف لپکے اور کہنے لگے بابا! یہ کیا ہو گیا ہے؟ مَیں کیا کروں مجھے مشورہ دیں؟ میرے تمام مشیر اور اہلکار بھی مر گئے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: ایک تو آپ یہ کریں کہ جو لوگ بچ گئے ہیں اُن کو ٹرین میں باہر جانے کے لئے فری پاس دیں۔ دوم کوئٹہ سے باہر ایک کیمپ لگائیں تاکہ جو لوگ بچ گئے ہیں وہ مُردوں کے تعفن کی وجہ سے بیمار نہ ہو جائیں۔ مسٹر گولڈ نے کہا کہ آپ ٹھہر جائیں مجھے مزید مشورہ دیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے بچے مستونگ میں ہیں مَیں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہتا ہوں تاکہ اپنے بچوں کی حالت معلوم کروں۔ مسٹر گولڈ نے کہا ابھی ابھی پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر سکرین مستونگ سے آئے ہیں اور کہا: Worse than Quetta کہ کوئٹہ سے بھی بُری حالت ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے کوئٹہ سے باہر ایک جھونپڑی کے پاس ایک ٹانگے والے کو دیکھا اور اس سے 30 روپیہ پر مستونگ تک ٹانگہ کرائے پر لیا۔ تمام راستہ زلزلہ کی وجہ سے خراب ہو گیا تھا اور صبح کے چلے شام کو 30 میل کا سفر طے کر کے مستونگ پہنچ گئے۔ مستونگ میں بھی اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا۔ سوائے ہمارے ایک دس سالہ بھائی عبد الرحمٰن کے باقی سب بچ گئے تھے۔ الحمدللہ۔ عبد الرحمٰن مکان کے ملبہ کے نیچے دب کر مر گئے تھے۔

مسٹر سکرین

زلزلہ کے بعد مستونگ میں پولیٹیکل ایجنٹ قلّات کی طرف سے زلزلہ زدگان کو ٹینٹ ملنے شروع ہوئے۔ مولوی صاحب کو بھی ایک ٹینٹ ملا مگر چھوٹا۔ مولوی صاحب مسٹر سکرین پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس گئے اور کہا میرا کنبہ بڑا ہے مجھے بڑا ٹینٹ دیا جائے۔ مسٹر سکرین نے کہا کہ بڑا ٹینٹ ہمارے پاس نہیں ہے (اگرچہ بڑے ٹینٹ تھے) اسی چھوٹے ٹینٹ سے گزارہ کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا: اگر

مجھے آپ بڑا ٹینٹ نہیں دیتے تو میں آپ کی شکایت کروں گا۔ انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے کہا کہ آپ کس سے شکایت کریں گے مَیں اس معاملہ میں خود مختار ہوں۔ حضرت مولوی صاحب نے انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور اشارہ کیا کہ مَیں اُس ہستی سے آپ کی بے نیازی کی شکایت کروں گا۔ مسٹر سکرین نے کہا: بابا! اُوپر والی ہستی کے پاس میری شکایت نہ کریں آپ بڑا ٹینٹ لے لیں۔ بعد میں یہ مسٹر سکرین ہمالیہ کی ریاست سکّم میں ریذیڈنٹ ایجنٹ مقرر ہوئے اور وہاں سے مسٹر سکرین کی بجائے سَر (Sir) سکرین ہو کر ایران کے شہر مشہد میں انگریز حکومت کی طرف سے قونصل جنرل مقرر ہوئے۔

مشہد جاتے ہوئے سر سکرین بجائے نوشکی کے راستہ ایران جانے کے، سیدھے مستونگ آئے اور حضرت مولوی صاحب سے ملاقات کی اور کہا:

> ”مَیں صرف آپ کی ملاقات کے لئے راستہ بدل کر آیا ہوں تاکہ آپ سے کہوں کہ آپ اس بالا ہستی سے پھر میری شکایت کریں کیونکہ آپ کی نیک دعاؤں کی وجہ سے مَیں سر (Sir) ہو گیا ہوں۔ اب ایران میں قونصل جنرل مقرر ہوا ہوں خُدا مجھے اور ترقی دے۔“

صاحبزادہ خورشید خان کے متعلق پیش گوئی

زلزلہ کے بعد صاحبزادہ خورشید خان افسر برائے امداد زلزلہ زدگان مستونگ میں متعین ہوئے اور حضرت مولوی صاحب سے ملاقات ہو گئی اور اس کے بعد انہوں نے حضرت مولوی صاحب سے قرآن کی تفسیر پڑھنا شروع کی۔ صاحبزادہ صاحب 1945ء میں خیبر میں پولیٹیکل ایجنٹ تھے۔ ایک مرتبہ عید کے دوسرے دن حضرت مولوی صاحب ان کو عید مبارک دینے خیبر ہاؤس گئے۔ وہاں پر خیبر ایجنسی کے مالک وغیرہ موجود تھے۔ دوران گفتگو صاحبزادہ صاحب نے پوچھا: ”مولوی صاحب! یہ کیا بات ہے کہ جب کبھی مامور زمانہ آتا ہے تو پہلے پہلے غریب لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور امیر ایمان لانے سے محروم رہ جاتے ہیں؟“ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: ”اس موجودہ جرگہ سے صاف ظاہر ہے کہ امیر کہتا ہے اگر مَیں ایمان لایا تو پھر یہ ملک لوگ کب میرے سلام کے لئے آئیں گے۔ مَیں اس عزت سے محروم ہو جاؤں گا اور غریب کہتا ہے کہ مجھے پہلے کون سلام کرتا تھا کہ اب مامورِ زمانہ پر ایمان لانے کی وجہ

سے کسی کے سلام سے محروم ہو جاؤں گا۔" یہ جواب سُن کر صاحبزادہ صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرت مولوی صاحب نے اس دن صاحبزادہ صاحب سے فرمایا کہ مَیں نے رؤیا میں آپ کو بطور گورنر صوبہ سرحد دیکھا ہے۔ ابھی پاکستان نہیں بنا تھا۔ صاحبزادہ صاحب نے جواب دیا: مولوی صاحب یہ پوسٹیں انگریزوں نے اپنے لئے رکھی ہیں مجھے کون گورنر بناتا ہے؟ پاکستان بننے کے چند سال بعد صاحبزادہ خورشید صوبہ سرحد کے گورنر ہوئے۔ چارسدہ کے محمد اکرم خاں صاحب درانی احمدی ان کے پاس گورنمنٹ ہاؤس گئے اور صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ مَیں آپ سے ایک بات کہنے آیا ہوں بشرطیکہ آپ گورنری کی کرسی سے اُتر کر بطور صاحبزادہ خورشید مجھ سے بات کریں۔ صاحبزادہ صاحب نے کہا فرمایئے! اکرم خان صاحب فرماتے ہیں۔ مَیں نے ان سے کہا: کیا حضرت مولوی صاحب نے آپ کو یہ نہیں کہا تھا کہ مَیں نے آپ کو گورنر سرحد دیکھا ہے؟ اور آج آپ گورنر صوبہ سرحد ہیں۔ آپ ایک عرصہ حضرت مولوی صاحب کی صحبت میں رہے ہیں اب احمدیت کی صداقت میں آپ کو کیا شک ہے؟ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی کا مُصدّق ہوں اور دل سے احمدی ہوں مگر فی الحال اظہار کی جرأت نہیں پاتا۔

قائداعظم کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام

پاکستان بننے سے پہلے حضرت قائداعظم ہزہائی نس خان آف قلّات کے ذاتی مہمان کے طور پر مستونگ میں شاہی باغ کے ریسٹ ہاؤس میں فروکش تھے۔ ایک دن چودھری اسد اللہ خان صاحب کوئٹہ کے احباب جماعت کے ساتھ مستونگ آئے اور سیدھے قائداعظم سے ملنے شاہی باغ گئے۔ واپسی پر حضرت مولوی صاحب کے پاس انہوں نے کچھ دیر قیام فرمایا اور چائے پی۔ مکرم چودھری صاحب نے فرمایا: مَیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام قائداعظم کو دینے آیا تھا کہ آنے والے الیکشن میں پاکستان بنانے کے لئے جماعت احمدیہ مسلم لیگ کا ساتھ دے گی اور مسلم لیگ کو ووٹ بھی دے گی۔

دوسرے دن حضرت مولوی صاحب قائداعظم کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ عرصہ ایک ماہ سے یہاں پر مقیم ہیں مگر چونکہ نہ مجھے سیاست سے تعلق ہے اور نہ سیاسی آدمی ہوں اس لئے مَیں نے

آپ سے ملاقات کرنی مناسب نہ سمجھی۔ آج صرف اس لئے آیا ہوں کہ کل جماعت احمدیہ کا وفد آپ کے پاس آیا تھا اور آپ کو حضرت امام جماعت احمدیہ کا یہ پیغام دیا ہے کہ احمدی آنے والے الیکشن میں مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے تا کہ آپ پاکستان بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ سو مَیں آپ کو مبارک باد دینے آیا ہوں کہ اب آپ کامیاب ہوں گے اور پاکستان ضرور بن کر رہے گا کیونکہ خلیفۂ وقت کی دُعا اور توجہ آپ کے ساتھ ہے۔ اِس پر قائد اعظم کُرسی سے اُٹھے اور بڑے تپاک اور جوش سے حضرت مولوی صاحب سے ہاتھ ملایا اور کہا کہ بابا! تم نے ہمارا دل خوش کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان

موسم سرما میں سبّی میں مکانات ایک سال کے کرایہ پر ملتے تھے۔ ایک سال جب حضرت مولوی صاحب سبّی گئے تو ایک مکان خالی تھا جس کو لوگ آسیب زدہ کہتے تھے۔ کوئی بھی اس کو کرایہ پر لینے کے لئے تیار نہ تھا کہ اس مکان میں جنّ رہتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: مَیں جنّوں کا پیر ہوں سب جنّ میرے مرید ہیں۔ آپ نے وہ مکان کرایہ پر لیا اور تمام سیزن اسی مکان میں مع بچوں کے رہے۔ لوگ جن کو جِنّ کا وہم تھا، حیران تھے کہ یہ جِنّ مولوی صاحب کو کیوں ضرر نہیں پہنچاتے؟ حضرت مولوی صاحب کی دھاک بیٹھ گئی کہ مولوی صاحب جِنّ والے مکان میں رہتے ہیں اور جِنّ ان کو کچھ بھی نہیں کہتے۔ آپ فرماتے تھے کہ مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے: ”آگ سے ہمیں مت ڈراؤ! آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔“ جِنّ اگر آگ سے پیدا ہوئے ہیں تو ہم احمدیوں کے غلام ہیں۔ اس طرح سے وہ مکان تبلیغ کا ایک اچھا ذریعہ بنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے محبت

حضرت مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ سے عشق کے مقام تک محبت تھی۔ آپ کا معمول تھا اگر دوران گفتگو بیس دفعہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آتا تو مکمل طور پر نہایت ادب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہتے۔ کبھی بھی خالی مسیح موعود نہیں کہا۔

فرماتے تھے: حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام خدا کے نبی ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا ہے اس لئے ہر بار جب بھی ان کا نام لو تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر درود و سلام بھیجا کرو۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

رسولوں پر ایمان لانے میں کوئی تمیز نہیں ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ آپ اپنے خطوط میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی درود و سلام بھیجتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کے خط کا نمونہ مَیں نے پہلے درج کر دیا ہے۔ آپ ہر خط پر اپنے قلم سے سرِ خط پہ لکھا کرتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم۔ وَعَلٰی عَبْدِهِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ اَحْمَد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بھی بے حد محبت تھی۔ جب بھی جلسہ سالانہ پر تشریف لاتے تو ہر بار آپ کی یہ کوشش ہوتی کہ جتنی بار ہو سکے حضور کی زیارت کریں۔ آپ جلسہ سالانہ میں حضور سے تین ملاقاتیں ضرور کیا کرتے تھے۔ ایک کوئٹہ کی جماعت کے ساتھ۔ ایک پشاور کی جماعت کے ساتھ اور ایک پھر ایک دن ٹھہر کر انفرادی ملاقات کرتے تھے۔

جب بھی ملاقات کے لئے جاتے تو صاف اور اُجلے کپڑے پہنتے اور فرماتے کہ روحانی شہنشاہ سے ملاقات ہے اس لئے لباس صاف ہونا چاہیے۔ اِس مقصد کے لئے قادیان جاتے ہوئے تین جوڑے کپڑے خرید کر اپنے ساتھ لے لیتے تھے۔ ایسا بھی موقع آیا کہ آج حضور سے ملاقات ہوئی کل پھر ملاقات کے لئے جا رہے ہیں تو پھر دوبارہ صاف کپڑے پہنے اور کل کے پہنے ہوئے کپڑے اُتار دیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پشاور میں وُرود مسعود

1948ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پشاور تشریف لائے اور تین دن یہاں قیام فرمایا۔ آپ ہر روز پاپیادہ حضور کی مجلسِ عرفان میں شامل ہونے کے لئے جاتے اور جب حضور پشاور سے رخصت ہونے لگے تو پشاور کی جماعت کے ساتھ مل کر حضور سے مصافحہ کیا۔ پشاور سے حضور چارسدہ

تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی صاحب چارسدہ بھی گئے۔

چارسدہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے پہلے سے ہی عبد الغفار خان سرحدی گاندھی سے ملاقات کا وقت مقرر کیا ہوا تھا۔ حضور عبد الغفار کے گاؤں شاہی باغ ان سے ملنے بہ ہمراہ خان محمد اکرم خاں درانی صدر جماعت احمدیہ چارسدہ تشریف لے گئے اکرم خان صاحب نے مجھے بتلایا کہ حضور نے ہر چند کوشش کی کہ سرحدی گاندھی کو پاکستان کی حمایت کے لئے تیار کریں مگر ہر بار عبد الغفار خان یہ کہتے: مرزا صاحب آپ نہیں دیکھتے کہ حکومتِ پاکستان میرے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے؟ اس پر حضرت صاحب نے ان سے فرمایا: پاکستان کو بچانے کی کوشش کریں۔ کسی ایک شخص کے ناروا سلوک کی وجہ سے سب پاکستان کو غرق مت کریں۔ حضور نے فرمایا کہ آپ حکومت پاکستان سے نالاں ہیں۔ میرا اور میری جماعت کا تمام پاکستان مخالف ہے لیکن میرا ایمان ہے اگر کبھی پاکستان کو قربانی دینے کی ضرورت پیدا ہوئی تو میرے گیارہ لڑکے ہیں مَیں اپنے گیارہ کے گیارہ لڑکے پاکستان کی بقا کے لئے پیش کر دوں گا اور اس چیز کی پروا نہیں کروں گا کہ پاکستان کے لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں یا میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ پھر خان صاحب سے فرمایا: کیا اگر ہندو کانگرس کی حکومت سرحد یا پاکستان کے کسی حصہ میں ہو جائے تو کیا یہاں مشرقی پنجاب والا نظارہ نہیں ہو گا؟ کیا یہاں پر مسلمانوں کا قتل عام نہیں ہو گا؟ خان صاحب نے جواب دیا: مجھے اس چیز کی پروا نہیں۔ اس کے بعد حضور واپس چارسدہ تشریف لے گئے اور راستہ میں محمد اکرم خان صاحب سے فرمایا کہ یہ شخص اب مر گیا ہے۔ اب اس میں کوئی حِس مسلمانوں کی حمایت کی باقی نہیں ہے۔ واقعی اس دن کے بعد روز بروز خان عبد الغفار خان کی وُقعت صوبہ سرحد میں کم ہونی شروع ہو گئی۔

چارسدہ سے رخصت ہوتے ہوئے حضور انور نے چارسدہ کے احباب سے مصافحہ کیا تو صف میں حضرت مولوی صاحب نے بھی کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ چارسدہ سے حضور مردان تشریف لے گئے اور ایک رات مردان میں گزاری۔ مردان سے رخصت ہوئے تو حضرت مولوی صاحب نے مردان کی جماعت کے احباب کے ساتھ کھڑے ہو کر حضور سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔

مردان سے حضور رسالپور تشریف لائے۔ یہاں پر سب فوجی لوگ تھے۔ یہاں پر حضرت مولوی صاحب ان فوجیوں سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور انور نے جب فوجیوں سے مصافحہ کیا تو چونکہ مولوی صاحب قریب ہی کھڑے تھے اس لئے ان سے بھی مصافحہ کیا۔

نوشہرہ جب حضور پہنچے تو مَیں نے کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ بوڑھا عجیب آدمی ہے ہر جگہ اس جماعت کے لوگوں کے ساتھ مل کر حضور سے مصافحہ کرتا ہے۔ مَیں نے حضرت مولوی صاحب سے اس کا ذکر کیا تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ پشاور پہنچ کر مَیں تم کو اس کا جواب دوں گا۔ نوشہرہ میں بھی سب دوستوں کے ہمراہ حضور کے ساتھ آخری مصافحہ کیا۔

پشاور پہنچ کر مجھے گھر میں فرمانے لگے: تم نے میرے اس فعل پر اعتراض کیا ہے کہ مَیں نے ہر جگہ حضرت خلیفۃ المسیح سے کیوں کھڑے ہو کر مصافحہ کیا؟ تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ ریاست قلّات میں بڑے لوگ نواب اور سرداروں سے میری ملاقات رہی ہے۔ مَیں آداب مجلس سے خوب واقف ہوں مگر یہاں پر تو عشقِ محمود آداب مجلس پر فوقیت لے گیا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا یہ خلیفہ کتنا عظیم انسان ہے۔ اس کے متعلق الہام ہے:

"بدورانش رسولاں ناز کردند"

ایسے انسان بار بار پیدا نہیں ہوتے اور اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ مَیں اگلے سال زندہ رہوں گا اور حضور سے مصافحہ اور ملاقات کر سکوں گا؟ یہ کہہ کر رو پڑے اور اُسی سال حضرت مولوی صاحب کا انتقال ہوا اور حضور اقدس سے پھر ملاقات اس دنیا میں نہ ہو سکی۔

محبت کے جواب میں محبت

حضور اقدس بھی حضرت مولوی صاحب کو ذرّہ نوازی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ جب حضرت صاحب بیمار تھے ہمارے خاندان کی چند مستورات حضور انور کی ملاقات کے لئے گئیں۔ جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو بتلایا گیا کہ حضرت مولوی صاحب کی بہو اور بیٹی ہیں تو چھوٹی آپا کو حضور نے مخاطب کیا اور فرمایا: کیا تم نے کبھی مولوی محمد الیاس کا نام سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

نہیں، تو حضور نے فرمایا کہ وہ ہمارا آنریری مبلغ ہے۔ کوئٹہ میں جو نواب اور سردار میری ملاقات کے لئے آیا تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ ہمیں مولوی محمد الیاس نے احمدیت کے متعلق بہت کچھ بتلایا ہے۔ اُس کے بعد ہماری مستورات سے پوچھا کہ اب مولوی صاحب کا کیا حال ہے؟ تو میری بیوی نے جواب دیا کہ حضور وہ تو کئی سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں۔ اِس پر حضور آبدیدہ ہو گئے تو چھوٹی آپا نے ہماری مستورات کو اشارہ کیا کہ اب آپ چلی جائیں۔

تبلیغی مساعی

حضرت مولوی صاحب واقعی ایک گوناں آنریری مبلغ تھے۔ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا احمدیت کی تبلیغ تھی۔ مرکز سے اخبار الفضل، ریویو آف ریلیجنز اور دیگر رسالہ جات منگواتے اور لوگوں کو پڑھنے کے لئے دیتے تھے۔ آپ اپنا مؤقف پیش کرنے میں بڑے سے بڑے آدمی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ مہینے میں ایک دفعہ مستونگ کے چیدہ چیدہ علماء اور اہل کاروں کو دعوتِ طعام دیتے اور ان کو تبلیغ کرتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ فارسی کلام نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سناتے جس میں اسلام کے ضُعف اور مسلمانوں کی بے حسی کا ذکر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب پہلی جلد تفسیر کبیر کی شائع فرمائی جو سورۂ کہف اور آٹھ دیگر سورتوں پر مشتمل ہے تو آپ نے جلد کو الگ کر کے ہر ایک سورت کی جدا جدا جلد کروائی اور مختلف لوگوں کو پڑھنے کے لئے دی تا کہ اس طرح سے بیک وقت بہت سارے لوگوں کے پاس صحیح تفسیر قرآن پہنچ سکے۔

حضرت مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی کتب بھی برائے مطالعہ غیر احمدیوں کو دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے براہین احمدیہ حصہ پنجم، خان بہادر سر بلند خان وزیر اعظم قلّات کو مطالعہ کے لئے دی۔ چندماہ بعد خان بہادر صاحب براہین احمدیہ کو ختم کئے بغیر حضرت مولوی صاحب کے پاس کتاب واپس کرنے آئے۔ حضرت مولوی صاحب نے پوچھا خان بہادر صاحب کیا آپ نے کتاب ختم کر لی ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ مَیں نے اس کتاب کو نصف تک پڑھا ہے اور باقی پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت

مولوی صاحب نے وجہ پوچھی تو بتلانے لگے کہ اس کتاب میں ایسی کشش ہے جو دل کو کھینچتی ہے۔ اگر مَیں اس کتاب کو ختم کر دوں تو ضرور احمدی ہو جاؤں گا اور چونکہ مَیں اپنے آپ میں اتنی جرأت نہیں پاتا اس لئے یہ کتاب ختم کئے بغیر آپ کو واپس کر رہا ہوں۔

والیٔ قلّات میر احمد یار خان کو تبلیغ

1935ء کے زلزلۂ عظیم کے بعد مستونگ میں بھی زلزلہ زدگان کے لئے سرکاری طور پر چھوٹے چھوٹے Huts بن گئے تھے انہی Huts میں سے ایک Hut حضرت مولوی صاحب کو الاٹ ہوا تھا اور ساتھ ہی دوسرا ملحقہ Hut عبدالکریم پٹواری کو ملا تھا۔ ایک دن ہز ہائی نس میر احمد یار خاں صاحب والی ریاست قلات اپنے انگریز وزیر اعظم مسٹر ویکفیلڈ کے ساتھ ان Huts کے معاینہ کے لئے اچانک تشریف لائے۔ حضرت مولوی صاحب اندر اپنے Hut میں کچھ مطالعہ فرما رہے تھے۔ پٹواری عبدالکریم نے خیال کیا کہ شاید ہز ہائی نس حضرت مولوی صاحب کی طرف آ رہے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب اسی وقت اپنے Hut سے باہر تشریف لائے۔ ہز ہائی نس نے جب حضرت مولوی صاحب کو دیکھا تو آپ کی طرف تشریف لائے اور آپ کی خیریت دریافت کی۔ ہز ہائی نس بہت اعلیٰ پشتو میں گفتگو کر سکتے تھے۔ ہز ہائینس کی نظر جونہی مولوی صاحب کے ہاتھ میں کتاب پر پڑی تو دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے؟ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: "حضور یہ ایک ایسا بیش قیمتی موتی ہے جو آپ کے تمام خزانوں میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔" ہز ہائینس نے سوال کیا: "مولوی صاحب وہ کیا موتی ہے جو اتنا بے بہا ہے اور میرے خزانہ میں بھی نہیں ہے؟" حضرت مولوی صاحب نے وہ رسالہ ہز ہائینس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور کہا: "یہ سورۃ الکوثر کی تفسیر ہے۔" جونہی مولوی صاحب نے ہز ہائینس کے ہاتھ میں وہ رسالہ پکڑایا تو انگریز وزیر اعظم نے وہ رسالہ ہز ہائینس سے لے کر فائل میں رکھ دیا اور ہز ہائی نس سے کہا: یہ شخص تو بنی اسرائیل کے نبی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ "He Looks like Biblical Prophet" اس پر ہز ہائی نس نے کہا It is ture یہ سچ ہے اور کہا he is a great man یعنی بہت عظیم آدمی ہے۔

ہز ہائینس میر احمد یار خاں، والی ریاست قلّات کے والد بزرگوار میر اعظم جان ہز ہائی نس خان

خداداد خان کے زمانہ میں برٹش بلوچستان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ موسم سرما میں وہ بھی سبّی تشریف لے آتے تھے اور وہاں حضرت مولوی صاحب سے ان کی ملاقات ہوتی رہتی تھی اور حضرت مولوی صاحب ان کو تبلیغ کیا کرتے تھے۔

خان خداداد خاں لاولد تھے۔ ایک دن میر اعظم جان نے جو خان خداداد خان کے بھائی تھے، حضرت مولوی صاحب سے پوچھا: کیا خیال ہے کہ خداداد خان کے مرنے کے بعد کون والیٔ ریاست ہو گا؟ مولوی صاحب نے فرمایا: کم از کم آپ نہیں ہوں گے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا: آپ بہت زیرک اور ہوشیار اور قابل انسان ہیں اور انگریز ایک ہوشیار اور لائق آدمی کو والیٔ ریاست نہیں بنائے گا۔ ہز ہائینس خان خداداد خان کی وفات کے بعد میر اعظم جان کو والیٔ ریاست بنا دیا گیا۔ ان کے والیٔ ریاست مقرر ہونے پر ریاست کے تمام سرکاری افسر اور ملازمین بھی ان کو مبارکباد دینے گئے جن میں حضرت مولوی صاحب بھی تھے۔ جب ہز ہائینس کے قریب پہنچے تو ہز ہائینس نے کہا کہ آپ جیسی بزرگ ہستی کے لئے کھڑا ہونا چاہیے مگر موجودہ کرسی اس کی اجازت نہیں دیتی مجھے آپ کی پرانی صحبت اور باتیں یاد ہیں۔

ایک دفعہ ہز ہائینس میر احمد یار خاں کے چچازاد بھائی میر حاجی خان نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم شاہی خاندان کے لوگ ہز ہائی نس کے ساتھ ایک ڈنر میں شامل تھے۔ ہز ہائینس نے کہا: میری ریاست میں ایسے شخص کی نشان دہی کریں جو عالم بھی ہے، پارسا بھی اور خوش پوش بھی ہے مگر لالچی نہیں ہے، ایک خاص عقیدہ کا ماننے والا ہے اور اپنے مؤقف کو بیان کرنے میں نڈر بھی ہے۔ وہ میری بھی پروا نہیں کرتا، کبھی میرے سلام اور کسی غرض کے لئے نہیں آیا۔ میر حاجی خان نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک کہتا فلاں مولوی صاحب، فلاں پیر صاحب، فلاں سجادہ نشین وغیرہ ہو گا۔ مگر ہز ہائینس ہر نام کو رد کرتے۔ اخیر میں ہز ہائی نس نے کہا: مستونگ میں مولوی محمد الیاس ہے اور ہز ہائینس کو ایک موقع پر کتاب پیش کرنے کا واقعہ بیان کیا۔

مولوی عرض محمد کی مخالفانہ سرگرمیاں اور ناکامی

ایک مولوی عرض محمد صاحب جو مستونگ کا باشندہ تھا۔ دیوبند سے مولوی فاضل کا امتحان پاس

کرکے مستونگ آیااور آتے ہی حضرت مولوی صاحب کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیااور لوگوں کو مولوی صاحب کے خلاف خوب بھڑکایا مگر مولوی صاحب خاموش رہے۔

موسم سرما میں جب دفاتر سبّی میں منتقل ہو گئے تھے اور مولوی صاحب بھی سبّی میں تھے، مولوی عرض محمد بھی سبّی آیاہوا تھااور جامع مسجد میں فروکش تھا۔ ایک رات حضرت مولوی صاحب مجھے لے کر مولوی عرض محمد کے پاس جامع مسجد پہنچے اور رات کو دیر تک بحث ہوتی رہی۔ دورانِ گفتگو مولوی عرض محمد کبھی کبھی سخت الفاظ بھی مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق استعمال کرتا اور ہر ممکن طریقہ سے اشتعال دلانے کی کوشش کرتا رہا تاکہ فساد ہو جائے مگر مولوی صاحب خندہ پیشانی اور صبر سے یہ سب کچھ برداشت کرتے جاتے تھے۔ آدھی رات کے وقت جب مولوی عرض محمد سے رخصت ہونے لگے تو مولوی عرض محمد کہنے لگا: مَیں آپ کی دو چیزوں کی داد ضرور دوں گا: ایک یہ کہ آپ کو قرآن پاک پر بڑا عبور حاصل ہے جو مجھے نہیں اور کمال ہے کہ آپ نے دورانِ گفتگو ایک بھی حدیث پیش نہیں کی ورنہ مجھے حدیث پر بڑا عبور حاصل ہے۔ دوسرے مَیں آپ کی تربیت کی داد دیتا ہوں۔ مَیں ہر بار سخت گفتگو کرکے اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ اگر آپ نہیں تو آپ کا یہ لڑکا طیش میں آکر کچھ فساد کر لے اور مجھے آپ کے خلاف ایک اچھا موقع ہاتھ آجائے گا۔ مگر آفرین ہے اس بچہ پر! یہ ہر بار آپ کی طرف دیکھتا تھا اور خاموش تھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا: یہ سب کچھ احمدیت کی تعلیم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں ان لوگوں کو

رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے"

حضرت مولوی صاحب فرماتے کہ ملّا اور مولوی سے بحث کرتے وقت ان کو قرآن کی طرف لاؤ اور دائرہ تنگ کرو۔ ملّا کو قرآن قطعاً نہیں آتا اور احادیث ایک سمندر ہے جس میں بعض موضوع احادیث بھی ہیں جن کو غلط اور صحیح ثابت کرنا اس وقت مشکل ہوتا ہے اور ویسے بھی قرآن مومن بہٖ ہے جس سے مُلّا کو انکار نہیں۔

مولوی عرض محمد نے ریاست قلّات میں دورہ کر کے حضرت مولوی صاحب کے خلاف بہت گند اُچھالا اور کافی میمورنڈم ہزہائی نس کے پاس بھجوائے کہ محمد الیاس احمدیت کی وجہ سے ریاست بدر کیا جائے ورنہ ریاست میں فساد ہو جائے گا۔ مولوی عرض محمد نے اور مُلّاؤں کو بھی اپنے ساتھ ملایا اور ہزہائینس سے ملاقات کی اور اس کو بتلایا کہ حالات سخت خطرناک ہیں اگر تم نے محمد الیاس کو ریاست سے نہ نکالا تو تمہاری ریاست میں بہت بڑا فساد ہو جائے گا جس کو بعد میں قابو کرنا آپ کے لئے مشکل ہو جائے گا۔

ہزہائینس مُلّاؤں کے اس وفد سے مرعوب ہوئے اور وزیر اعظم (جو ان دنوں صاحبزادہ خورشید صاحب تھے) کو لکھا اور دو اور افسروں کے نام بھی لکھے کہ ان کی ملازمت ختم کی جاتی ہے ان کو ریاست بدر کیا جائے اور مولوی محمد الیاس کو احمدیت کی وجہ سے ریاست بدر کیا جائے۔ صاحبزادہ خورشید نے کچھ عرصہ بعد ہزہائینس کو لکھا کہ ان دو افسروں کو فارغ کر کے ریاست بدر کر دیا گیا ہے۔ مگر محمد الیاس کا مسئلہ چونکہ بہت پیچیدہ ہے اس لئے مجھے پولیٹیکل ایجنٹ سے بھی مشورہ کرنا پڑا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ مَیں آپ کی خدمت میں تحریر کروں کہ آپ وائسرائے ہند سے درخواست کریں کہ پولیٹیکل ایجنٹ عیسائی ہے اس کو بھی ریاست قلّات سے نکالا جائے۔ اور نیز مَیں خود وہابی خیالات رکھتا ہوں اس لئے مَیں بھی آپ کی ریاست میں نہیں رہ سکتا۔ بہتر ہے کہ آپ برٹش گورنمنٹ سے دوسرا وزیر اعظم مانگیں۔ مَیں مخالف مذہبی خیالات رکھنے کی وجہ سے آپ کی ریاست میں نہیں رہ سکتا۔ آپ جب ہم دونوں کے متعلق وائسرائے کو لکھیں گے تو ایک اُصولی فیصلہ ہو جائے گا پھر محمد الیاس کا نکالنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ پھر ہزہائی نس کو نصیحت کی کہ مذہب کی بنیاد پر کوئی کسی کو سرکاری ملازمت سے نہیں نکال سکتا اور عقیدہ کی بنا پر کسی کو ریاست بدر کرنا برٹش گورنمنٹ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ آپ اس طرح سے اپنے آپ کو بدنام مت کریں۔ باقی رہی بات ریاست میں فساد کی تو اس کے لئے ہم ہر طرح سے تیار ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یہ باتیں صاحبزادہ خورشید نے حضرت مولوی صاحب کو بتلائی تھیں۔

ڈاکٹر عبد المجید خاں رضی اللہ عنہ جو ہزہائینس کے فیملی ڈاکٹر تھے انہوں نے حضرت مولوی صاحب کو بتلایا کہ صاحبزادہ خورشید کے اس جواب سے ہزہائینس کافی دن تک پریشان رہے۔ اس طرح

سے حضرت مولوی صاحب کا ریاست بدر ہونے کا حکم ٹھپ ہو گیا۔

مخالفت اور تعلق باللہ

اِسی طرح مولوی عرض محمد سے ایک دفعہ کسی جگہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا: ”اب تم نے میری مخالفت کیوں چھوڑ دی ہے؟ خُدا کے لئے پھر اسی زور شور سے مخالفت شروع کرو کیونکہ جن دنوں تمہاری مخالفت عروج پر تھی تو میرے مولا کے پیار اور محبت کا سلوک بھی میرے ساتھ عروج پر تھا۔ میرا خُدا مجھ سے ہم کلام ہوتا تھا اور بہت پیار اور محبت کی باتیں ہوتی تھیں اس لئے تم پھر زور شور سے مخالفت کرو کیونکہ تمہاری مخالفت میری تبلیغ کا ذریعہ بن گئی تھی۔ لوگ آکر مجھ سے پوچھتے تھے کہ آپ کا عقیدہ کیا ہے اور مولوی عرض محمد آپ کو کیوں کافر کہتا ہے؟ تم نے مجھے خوب شہرت دی ہے۔ مَیں کافی رقم خرچ کر کے بھی لوگوں کو اتنی کثرت سے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا تھا یہ تو تمہارا مجھ پر بڑا احسان تھا۔“

ایک مولوی سے مباحثہ

چارسدہ میں ایک دن حضرت مولوی صاحب اور خان محمد اکرم خان کا ایک مولوی صاحب سے مباحثہ تھا۔ دورانِ گفتگو مُلّا بہت بدزبانی کرتا اور حضرت مولوی صاحب خندہ پیشانی سے برداشت کرتے جاتے مگر محمد اکرم خان سے برداشت نہ ہو سکا اور مُلّا کو بُرا بھلا کہا اور مارنے کو تیار ہوئے۔ مُلّا صاحب کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت مولوی صاحب خان محمد اکرم خان کو نصیحت کرنے لگے کہ تبلیغ اور مذہبی گفتگو کے دوران مخالف کی سختیوں کا بالکل نوٹس نہیں لینا چاہیے۔ وہ لوگ تو یرقان کے مریض ہیں۔ اُن کو تو ہر چیز زرد نظر آتی ہے۔ ان پر غصہ کھانے کے بجائے ان کے یرقان کا علاج کرنا چاہیے۔ خان محمد اکرم خان اور حضرت مولوی صاحب ہم عمر تھے اور آپس میں بہت بے تکلف تھے اور ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ خان صاحب مجھے کہنے لگے: تمہارے والد عجیب آدمی ہیں مجھے بھی اپنی طرح پرانا احمدی سمجھتے ہیں جس کا زہر مارا گیا ہے۔ مَیں تو ابھی نیا نیا احمدی ہوں مَیں تو آہستہ آہستہ اِن اَخلاقِ فاضلہ کا حامل بنوں گا۔ پھر مجھے ایک قصہ سنایا کہ ایک دفعہ ایک پوپ مر گیا۔ کارڈینیلز میں سے

ایک کارڈینیل پوپ بنا۔ پوپ جب اپنے تخت پر بیٹھا تو سب کارڈینیلز باری باری اس کے سامنے سے گزرتے اور جھک کر سلام بجالاتے۔ بعض کارڈینیل پوپ کے ذاتی دوست تھے وہ ان کے لئے کھڑا ہو جاتا اور ہاتھ ملاتا تو سیکرٹری صاحب ان کو بتلاتے کہ یور ہولی نس آپ کا اس طرح سے کارڈینیل کے لئے کھڑا ہونا پوپ شِپ کے آداب اور روایات کے خلاف ہے۔ دو تین دفعہ جب سیکرٹری نے پوپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو پوپ جھنجھلا اُٹھا اور کہا کہ مجھے ابھی پوپ بنے ہوئے اتنا عرصہ نہیں گزرا کہ مَیں ان سب اخلاقِ فاضلہ کو بھول جاؤں اس کے لئے ایک عرصہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح فرمایا: مجھے بھی ان کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے ایک وقت کی ضرورت ہے۔ تمہارا والد تو ان امتحانات کو پاس کر چکا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ایک محمد الیاس بنے۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زندہ نشان

ریاست قلّات میں ریاست کے چیف جسٹس ''قاضی القُضاۃ''عبدالعلی اخوندزادہ صاحب جو بوستان (بلوچستان) کے رہنے والے تھے، مستونگ میں ایک بڑے مجمع میں حضرت مولوی صاحب سے مخاطب ہوئے اور کہا: مولوی صاحب! آپ کتنے خوبصورت آدمی ہیں۔ کتنے بڑے عالم انسان ہیں۔ خوش پوشاک اور خوش گفتار ہیں۔ مجھے صوبہ سرحد کا علم تو نہیں مگر مَیں یقین کرتا ہوں کہ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا سرحد میں آپ کو کوئی روحانی پیر نہ ملا جو آپ نے پنجاب جا کر ایک پنجابی مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کر لی؟

مولوی صاحب نے فرمایا: دراصل بات یہ ہے اخوندزادہ صاحب! مجھ سے میرا خُدا گم ہو گیا تھا مَیں ہر مذہب میں اُس کو ڈھونڈتا رہا۔ ہر مذہب مجھے پُرانے قصوں کی طرف لے جاتا۔ مَیں ہر ایک سے پوچھتا کیا وہ خُدا اب بھی بولتا ہے؟ تو وہ کہتے اب نہیں بولتا۔ مَیں مسلمانوں کے بہتّر فرقوں میں سے ہر ایک کے پاس گیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب خُدا نہیں بولتا۔ وحی کا دروازہ مطلق بند ہے۔ تب مَیں اس نتیجے پر پہنچا کہ خُدا حقیقت نہیں ہے بلکہ ایک فلسفہ ہے جو پرانے قصوں پر منحصر ہے! ورنہ اللہ تو وہ ہونا چاہیے جس کی تمام صفاتِ حسنہ کی کان ہو کوئی

صفت بھی معطل نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پہلے بولتا تھا اور اب اس کی صفتِ تکلم پر مہر لگ جائے؟ مَیں عنقریب دہریہ ہونے والا تھا کہ پیچھے سے ایک نرم ہاتھ نے میرے کندھے کو پکڑا اور کہا:

"کیوں محمد الیاس کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہے؟" مَیں نے کہا کہ خدا کی حقیقت معلوم ہو گئی وہ ایک فلسفہ ہے حقیقت میں نہیں ہے کیونکہ جس سے پوچھتا ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ خُدا پہلے بولا کرتا تھا اب نہیں بولتا۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ شخص حضرت مرزا غلام احمد قادیانی تھے اور کہا: آؤ مَیں تمہیں خُدا کے بارے بتاتا ہوں وہ اب بھی بولتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت کرو کیونکہ مَیں خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی ہوں۔ وہ خدا تم پر بھی نازل ہو جائے گا۔ اگر چاہے تو تم سے بھی کلام کرے گا۔ اب عبد العلی اخوند زادہ صاحب! مَیں خُدا کی ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا خُدا مجھ سے بھی کلام کرتا ہے۔ مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کوئی ہے جو دعویٰ سے کہے کہ خُدا اُس سے بولتا ہے؟ تمام مجمع پر سنّاٹا چھا گیا اور کچھ دیر خاموشی رہی اور کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو مولوی صاحب نے فرمایا: مَیں ایسے مسلک اور ایسے فرسودہ اسلام کو جو صرف رسوم و بدعات کا اسلام رہ گیا ہے کیا کروں جس میں خدا کلام نہیں کرتا؟ اور کیوں نہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اسلام کو قبول کروں جو حقیقی اسلام ہے۔ جس سے خدا ملتا ہے اور پیار اور محبت کے کلام سے نوازتا ہے؟ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے ہمیں اصل اسلام دیا۔ رسول پاک محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارفع اور اعلیٰ مقام بتایا جن کا روحانی فیض اب بھی جاری ہے اور اس کی ادنیٰ مثال اس کا غلام، مرزا غلام احمد قادیانی ہے اور پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا ادنیٰ غلام یہ خاکسار ہے جس سے خُدا کلام کرتا ہے۔"

حضرت عیسیٰ ؑ کا جنازہ غائب پڑھانا

ایک موسم سرما میں سبّی میں جبکہ تمام شاہی جرگہ کے ممبران نواب اور سردار آئے ہوئے تھے۔ کوئٹہ کے نواب ارباب خداداد خان کانسی جو نواب ارباب کرم خان نائب وزیر اعظم کے بڑے بھائی تھے اور وقتاً فوقتاً حضرت مولوی صاحب ان سے ملاقات فرماتے رہتے تھے اور احمدیت پر بحث ہوتی رہتی

تھی۔ انہوں نے شاہی جرگہ کے متعدد ممبران کی دعوت کی جس میں عبد العلی اخوندزادہ صاحب بھی مدعو تھے اور حضرت مولوی صاحب بھی۔ دعوت کے بعد نواب ارباب خداداد خان مدعوین سے یوں مخاطب ہوئے: ہم شاہی جرگہ کے ممبران ہیں۔ بڑے بڑے اہم مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آؤ آج ایک اور اہم مقدمے کا فیصلہ کریں۔ جب اخوندزادہ صاحب نہیں ہوتے تو مولوی صاحب فرماتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام مر گئے ہیں اور جب اخوندزادہ صاحب سے پوچھتے ہیں تو اخوندزادہ صاحب فرماتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور دوبارہ اس جہان میں آئیں گے۔ دونوں عالم اخوندزادہ صاحب اور مولوی صاحب آمنے سامنے موجود ہیں آج فیصلہ ہو جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا مر گئے ہیں؟ جب نواب صاحب اپنی تقریر ختم کر چکے تو حضرت مولوی صاحب نے صرف اتنا فرما کر خاموش اختیار کی کہ نواب صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مَیں نے ہر گز نہیں کہا کہ عیسیٰ مر گیا ہے یہ مجھ پر ایک بہتان ہے۔ نواب صاحب حیران ہوئے کہ مولوی صاحبؓ نے یہ کیا جواب دیا؟ اخوندزادہ صاحب نے فرمایا: نواب صاحب! جب ہم نہیں ہوتے تو مولوی صاحب کہتے پھرتے ہیں۔ دیکھا جادو وہ جو سَر چڑھ کر بولے۔ آج مولوی صاحب اپنے مؤقف سے بالکل منکر ہو گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ میری حقیقت کیا ہے جو مَیں کہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گیا ہے؟ نہ مَیں نے ان کو مرتے دیکھا۔ نہ میرے باپ دادوں نے ان کو مرتے دیکھا۔ نہ تاریخ میں ان کی موت کی کوئی گواہی ہے مگر ایک اَور عینی شاہد جو بہت مضبوط شاہد ہے یعنی خدا تعالیٰ، اس نے قرآن پاک میں فرمایا کہ عیسیٰ مر گیا ہے تو مَیں نے خدا کی بات نواب صاحب سے کہی تھی۔ اپنی ذاتی رائے نہیں بتائی تھی۔ مَیں نے یہ اس لئے کہا کہ نواب صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ وہ بات میری طرف منسوب کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ مر گیا ہے اس لئے مَیں کہتا ہوں کہ عیسیٰ مر گیا ہے۔ پھر مندرجہ ذیل آیات پیش کیں:

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ۔

اور اس کی تشریح فرمائی۔ پھر

یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ

کی تشریح فرمائی۔ پھر

مَامُحَمَّدٌاِلَّا رَسُوْلٌ۔قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

کی تشریح کی اور فرمایا اگر عبد العلی اخوندزادہ صاحب نے عیسیٰ کو آسمان پر چڑھتے دیکھا ہو یا ان کے باپ دادوں کی گواہی ہو کہ انہوں نے آسمان پر چڑھتے دیکھا تو بتلا دیں یا اُن کے پاس میرے خلاف قرآن کی کوئی آیت بطور سند ہو تو پیش کریں؟ چلو اگر کوئی حدیث ایسی ہو جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا ثابت ہو تو پیش کریں۔ اگر عبد العلی اخوندزادہ صاحب کے پاس کوئی دلیل نہیں تو یونہی باتیں نہ بنائیں۔ عبد العلی اخوندزادہ صاحب وفات عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف آئے اور کئی احادیث پیش کیں۔ مولوی صاحب نے تمام اراکین جرگہ سے کہا: دیکھا اخوندزادہ صاحب کے ساتھ قرآن نہیں ہے۔ حدیث نہیں ہے۔ صرف نزول عیسیٰ کی احادیث ہیں۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھنے پر انحصار کر رہے ہیں اور اس کے بعد لفظ نزول کی وضاحت خوب شرح وبسط سے فرمائی اور اس کے علاوہ قرآنِ کریم کی مزید آیات وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر پیش کیں۔ جب اخوندزادہ صاحب اپنی ہر چند کوشش سے عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا ثابت نہ کر سکے تو نواب صاحب نے اپنے نوکر کو آواز دی کہ ایک لوٹا میں پانی لاؤ۔ لوگوں نے پوچھا: نواب صاحب! لوٹا پانی کو کیا کریں گے؟ فرمایا: وضو کرتا ہوں۔ آؤ! عیسیٰؑ کا جنازہ پڑھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اخوندزادہ صاحب امام ہوں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا: مَیں تو اخوندزادہ صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا کیونکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اس دعوت کے بعد ایک دن نواب صاحب مولوی صاحب سے فرمانے لگے کہ جب پہلی دفعہ آپ نے انکار کیا تو مَیں سخت گھبرایا۔ بعد میں مجھے آپ کا طرزِ استدلال بہت پسند آیا اور آپ نے اخوندزادہ صاحب کو خوب لتاڑا۔

امیر کابل امان اللہ خان

1928ء میں افغانستان کے بادشاہ امیر امان اللہ خاں براستہ کوئٹہ بلوچستان سے گزرتے ہوئے بمبئی سے سوار ہو کر یورپ کی سیر کے لئے جارہے تھے۔ کوئٹہ شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اور خاص

ٹرین امیر کابل کے لئے تیار کی گئی تھی اور انگریز اُن کو بڑی شان و شوکت سے کوئٹہ سے بذریعہ ٹرین رخصت کر رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر بڑے بڑے سرداروں اور نوابوں کے لئے خاص دعوتی ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔ سخت حفاظتی انتظام تھے۔ مُلّا نورالحق جو مستونگ کے ایک رئیس تھے وہ مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب امیر کابل کی روانگی کا یہ نظارہ دیکھنا چاہیے۔ حضرت مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ریلوے اسٹیشن پر جانے کے لئے خاص لوگوں کو دعوتی ٹکٹ جاری ہوئے ہیں ہم وہاں پر کیسے جاسکتے ہیں؟ مگر مُلّا نورالحق نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ آپ سے کوئی ٹکٹ نہیں پوچھتا اور آپ کی برکت سے ہم بھی یہ نظارہ کرلیں گے۔ مستونگ سے مُلّا نورالحق کی موٹر میں سوار ہو کر مُلّا نورالحق اور مولوی صاحب سیدھے کوئٹہ کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ جونہی کار اسٹیشن کے پورچ میں پہنچی تو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے بڑھ کر آپ کی کار کا دروازہ کھولا اور آپ کو سلیوٹ کیا جیسے آپ بھی کسی جگہ کے نواب ہیں۔ آپ کو اور مُلّا نورالحق کو لے کر سیدھا ان لوگوں کی صف میں کھڑا کر دیا جہاں پر معززین امیر کابل کو رخصت کرنے کے لئے کھڑے تھے۔ حالانکہ مولوی صاحب ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کو نہیں جانتے تھے۔ یہ الٰہی تصرّف تھا۔

امیر امان اللہ خان قطار میں کھڑے نوابوں اور سرداروں سے مصافحہ کرتے جاتے تھے جب آپ کے پاس پہنچے تو نہایت عاجزی کے ساتھ پشتو زبان میں درخواست کی کہ میرے سفر میں خیر و عافیت کے لئے دعا کریں اور جب ٹرین روانہ ہوئی تو امیر امان اللہ خان گاڑی کے دروازہ میں کھڑے لوگوں کے سلام کا جواب دے رہے تھے جونہی امیر صاحب کا ڈبّہ مولوی صاحب کے قریب سے گزرا تو امیر صاحب نے دوبارہ آپ کو جھک کر سلام کیا۔ بعد میں لوگ حضرت مولوی صاحب سے پوچھنے لگے: کیا امیر امان اللہ خان آپ کو جانتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مَیں نے اس سے پہلے امیر امان اللہ خان کو دیکھا تک نہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا تصرّف، اس کا فضل اور احسان تھا ورنہ مَیں تو ایک غریب انسان ہوں۔

صداقت حضرت مسیح موعودؑ ایک انوکھے انداز میں

پنجاب کے ایک ڈاکٹر خواجہ محمد سبّی ریلوے میں ڈاکٹر تھے۔ وہ غیر مبائع تھے۔ ایک دفعہ ان سے

گفتگو میں فرمایا: جس شخص کو آپ مسیح موعودؑ اور مجدد کہتے ہیں وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہے کیونکہ ان کی اپنی اولاد کے متعلق پیشگوئیاں سب غلط نکلیں۔ ان کی کوئی دعا اپنی اولاد کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ ان کو الہام ہوا تھا کہ مَیں تجھے تیرے محبّوں کی ایک بڑی جماعت دوں گا اور اب حالت یہ ہے کہ مرزاصاحب کے فوت ہونے کے وقت مریدوں کی تعداد تین لاکھ بتاتے تھے اور اب آپ غیر مبائعین جو کہ اپنے آپ کو مسیح موعودؑ کے اصلی جانشین بتلاتے ہیں کہ تعداد تین لاکھ سے گھٹ کر چند ہزار رہ گئی ہے اور روحانی حالت یہ ہے کہ آپ لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے محبت کا سلوک بھی چھوڑ دیا ہے ورنہ آپ غیر مبائعین میں سے ایسے اشخاص کی نشاندہی کریں جو دعوے سے کہہ سکیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے؟ جب حالت یہ ہے تو ایسے شخص کو مان کر ہم کیوں اپنے آپ کو دین اور دنیا دونوں میں رسوا کر لیں؟ اب میرے مرزا غلام احمد قادیانی کو دیکھو جن کو ہم مسیح موعودؑ اور اُمتی نبی مانتے ہیں، اس کی تمام پیشگوئیاں اپنی اولاد کے حق میں سچی ثابت ہوئیں۔

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: (درّ ثمین ڈاکٹر صاحب سے منگوائی اور حضور کا مندرجہ ذیل کلام پیش کیا):

میری اولاد جو تیری عطا ہے
ہر اک کو دیکھ لوں وہ پارسا ہے
تری قدرت کے آگے روک کیا ہے
وہ سب دے ان کو جو مجھ کو دیا ہے
وہ ہوں میری طرح دیں کے منادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْذَی الْاَعَادِیْ
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد
بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد

خبر مجھے کو یہ تُو نے بارہا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَخْزَی الْاَعَادِیْ
کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزّت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے میرے بندہ پرور کر ان کو نیک اختر
دنیا میں ہوں یہ برتر اور بخش تاج و افسر
شیطاں سے دُور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پُرزِنُور رکھیو دل پُر سرور رکھیو
لختِ جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا
دے اس کو عمر و دولت کر دُور ہر اندھیرا

میرے مرزا صاحب کی یہ تمام دعائیں اور پیشگوئیاں ان کے حق میں قبول ہوئیں۔ جہاں حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں: ”کبھا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد“ اور تعداد کے لحاظ سے جماعت تین لاکھ سے بڑھ کر کئی لاکھ تک پہنچ گئی ہے اور روحانی حالت یہ ہے کہ مبائعین میں سے کثرت سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا اور محبت کا سلوک کرتا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کس مسیح موعودؑ کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟ اور معترضین کے اس اعتراض کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ اور تو اور مرزا صاحب کی اپنی اولاد ان کے بعد گمراہ ہو گئی۔ روحانیت ان سے جاتی رہی۔ مرزا صاحب کی سب دعائیں اور پیشگوئیاں اپنی اولاد کے حق میں جھوٹ ثابت ہوئیں۔ ذرا گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟

خدا کا فضل ہوا مولوی صاحب کی چند دن کی ملاقات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بیعت کرلی اور مبائعین میں شامل ہو گئے۔ الحمد للہ

ایک انگریز پادری ڈاکٹر کو تبلیغ

کوئٹہ ہسپتال میں ایک انگریز ڈاکٹر تھے جو پادری بھی تھے، جن کا نام مَیں اس وقت بھولتا ہوں۔ وہ آنکھوں کے امراض کے ماہر تھے اور بعد میں سر کا خطاب بھی ان کو ملا تھا۔ ایک دن حضرت مولوی صاحب اپنی بھتیجی کی بیمار پُرسی کو گئے جو مشن ہسپتال میں زیر علاج تھی۔ وہاں پر اسی انگریز پادری ڈاکٹر نے آپ کو افغانستان کا مُلّا خیال کیا اور آپ کو شام چائے کی دعوت پر بلایا۔ شام کو جب مولوی صاحب ڈاکٹر صاحب کے بنگلے پر گئے تو وہ بہت تپاک سے ملا اور خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد یوں گفتگو شروع کی کہ آپ کے قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ وہ مُردے زندہ کیا کرتے تھے، مادرزاد اندھوں کو بینائی عطا کرتے تھے، مبروص کو ٹھیک کرتے تھے اور علم غیب سے بتلاتے کہ تم نے کل کیا کھایا ہے اور کل کے لئے کیا جمع کروگے؟ بن باپ پیدا ہوئے اور پھر زندہ خدا کی طرف اُٹھائے گئے۔ اور آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ یہ تمام صفات خدا کی ہیں۔ اب ان کو خدا اور خدا کا بیٹا ماننے میں کیا حرج ہے؟ آپ کے پیغمبر حضرت محمد صاحب میں یہ صفات نہیں تھیں اور ہماری اناجیل میں بھی لکھا ہے کہ مَیں خُدا کا بیٹا ہوں۔

حضرت مولوی صاحب نے قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان کی تشریح کی اور پھر کہا: تورات میں تو یعقوبؑ کو خُدا کا پہلوٹا بیٹا لکھا ہے وہ تو پھر عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر خُدا کا بیٹا ہوا۔ پھر اناجیل کی بات چلی تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: آپ کون سی اناجیل پیش کرتے ہیں جن کا خود آپس میں اختلاف ہے؟ کوئی دو اناجیل مسیح کے شجرۂ نسب پر متفق نہیں ہیں اور شدید اختلاف ہے بلکہ موجودہ اناجیل تو چند لوگوں کی تحریر کے سوا کچھ نہیں اور جن لوگوں نے یہ تحریر کی ہیں ان کی زندگی کے حالات کا بھی پتا نہیں کہ وہ ثِقہ ہیں یا نہیں؟ ان کی دماغی حالت اور یادداشت کی حالت کیا تھی؟ کیا آپ تاریخ کی کسی کتاب سے یسوع کی خدائی ثابت کرتے ہیں؟ یسوع کی اپنی کوئی تحریر پیش کریں۔

پھر مسیح کے صلیب اور کفّارہ پر بحث چھڑی تو مولوی صاحب نے فرمایا: آپ کی اناجیل میں لکھا ہے کہ جب ایک سپاہی نے مسیح کے جسم میں برچھی ماری تو اس کے جسم سے خون اور پانی نکلا۔ اب آپ ڈاکٹر ہیں آپ کے ہسپتال میں مریض مرتے بھی ہوں گے۔ مَیں کچھ دن ٹھہر جاتا ہوں جب کوئی مریض مر جائے تو آپ میرے سامنے اس کے بدن میں نشتر ماریں اور دیکھیں کہ خون اور پانی نکلتا ہے؟ یہ خون تو صرف زندہ جسم سے نکلتا ہے۔

پھر صلیب کے واقعہ کو شرح وبسط سے پیش کیا اور کہا کہ عیسیٰ ؑ تو ایک انسان تھے اور انسان کی طرح فوت ہوئے۔ جب ڈاکٹر پادری سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو کہنے لگا: معلوم ہوتا ہے کہ مُلّا صاحب! آپ نے قادیانیوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ اس وقت مجھے کسی اور سے ملنا ہے کافی دیر ہوگئی ہے اس لئے پھر کسی دن ملاقات کریں گے۔ اِس ملاقات میں حضرت مولوی صاحب کے بڑے بھائی مولوی رحمان الدین صاحب بھی ساتھ تھے جو غیر احمدی تھے مگر دورانِ گفتگو بالکل خاموش رہے۔ کبھی بھی نہ کہا کہ ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے۔

وفات مسیح ثابت کرنے کا ایک بالکل انوکھا انداز

ڈھاڈر ریاست قلّات کے موسم سرما کا ہیڈ کوارٹر ہے اور سبّی سے تقریباً سولہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جس واقعہ کا مَیں ذکر کر رہا ہوں اُس سال ریاست قلّات کی وزارت میں کچھ تغیر و تبدل ہونے والا تھا اور ہر وزیر اس انتظار میں تھا کہ کون رہتا ہے اور کون برطرف ہوتا ہے؟ انہی دنوں حضرت مولوی صاحب ڈھاڈر سے سبّی آئے اور کسی کام سے خان بہادر محمد نواز خان نائب وزیر اعظم سے ملنے گئے۔ وہاں پر سردار بہادر سردار بہرام خان وزیر عدلیہ بھی موجود تھے۔ ایک دو اور وزیر بھی تھے۔ خان بہادر صاحب نے مولوی صاحب کو آتے دیکھ کر کہا کہ یہ لو مولوی صاحب ڈھاڈر سے آئے ہیں، کوئی خبر لائے ہوں گے۔

مولوی صاحب سے جب نئی خبر کے لئے دریافت کیا تو مولوی صاحب نے خان بہادر صاحب سے فرمایا کہ سبّی اور ڈھاڈر کے درمیان جو لق ودق صحرا ہے وہ تو آپ نے دیکھا ہے! اس صحرا میں بڑا ہجوم تھا، ہر طرف رونا پیٹنا تھا۔ مَیں قریب گیا تو دیکھا کہ شیطان مع اپنی ذُرّیت کے رو رہا اور خاک سر پر ڈال رہا

ہے جیسے کوئی بڑی مصیبت پیدا ہو گئی ہو۔ مَیں نے شیطان سے پوچھا کیا بات ہے یہ کیسی جزع فزع ہے؟ شیطان نے کہا: دو ہزار سال سے مَیں ایک بُت بنا رہا تھا عیسیٰ جو خُدا کا عاجز بندہ ہے اس کو زندہ آسمان پر خدا کے پاس بٹھا دیا اور لوگوں سے کہا اس کی عبادت کرو یہ تمہارا خدا ہے۔ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آکر ایک ہی گُرز سے میرا وہ بت توڑ دیا اور اس کو زمین میں دفن کر دیا۔ اب مَیں اپنی دو ہزار سال کی محنت کے رائیگاں جانے پر رو رہا ہوں۔ پھر خان بہادر سے فرمایا: خان بہادر صاحب! جس امر کی تشویش کی ضرورت ہے اس طرف توجہ نہیں دیتے وزارت کے رہنے یا جانے کی طرف سارا دھیان ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں کہ رہتی ہے یا جاتی ہے؟ کبھی عاقبت کا خیال کریں اور اس بادشاہ کی وزارت حاصل کرنے کی کوشش کریں جو دائمی ہے۔ اب صحیح ایمان وہ ہے جو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام دوبارہ ثریا (ستارہ) سے لائے ہیں۔ اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تا کہ عاقبت محمود ہو۔ ابھی پاکستان نہیں بنا تھا۔ پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد میر احمد یار خاں کی ریاست پاکستان میں شامل ہو گئی اور ان کی بادشاہت ختم ہو گئی۔ مولوی صاحب نے صحیح فرمایا کہ اس شخص کی حکومت کا بھی پتہ نہیں کہ وہ رہتی بھی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کی لاج رکھتا ہے۔

افغانستان میں احمدیت کے نفوذ کے متعلق پیش گوئی

افغانستان میں احمدیت کے فروغ کے متعلق مولوی صاحب فرماتے تھے کہ قُرونِ اولیٰ میں بھی ایسا ہوا ہے کہ افغانوں نے من حیث القوم اسلام کو قبول کیا ہے۔ تاریخ سے کہیں بھی ثابت نہیں کہ افغانوں نے ایک ایک کر کے اسلام قبول کیا ہو یعنی انفرادی طور پر نہیں بلکہ قبائل در قبائل اسلام میں داخل ہوئے تھے اور اب بھی ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا کہ افغانستان میں احمدیت من حیث القوم قبول کی جائے گی۔

اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی مولوی غلام نبی رضی اللہ عنہ (والد محترم مرزا عبد الرحمٰن صاحب ریٹائرڈ اکونٹنٹ جنرل کوئٹہ) جو ضلع گجرات کے رہنے والے تھے یاد آئے۔ اُنہوں نے پشاور میں اپنا ایک رؤیا پاکستان بننے سے پہلے سنایا۔ فرمایا: مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ جمعہ کا دن ہے، مَیں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے ایک جامع مسجد گیا ہوں جو کافی وسیع ہے۔ دیکھا کہ وہاں پر ایک

بادشاہ ہے جو خطبہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خطبہ الہامیہ پڑھ رہا ہے۔ مَیں وضو کرنے بیٹھ گیا۔ جب وضو کر چکا اور مسجد میں داخل ہوا تو خطبہ ختم ہو چکا تھا۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ سے بہت دُعا کی کہ اے میرے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ کون بادشاہ تھا؟ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ یہ افغانستان کا بادشاہ ہے جس کا ہیڈ کوارٹر غزنی ہے۔ اس کا نام عبد اللہ ہے۔ یہ احمدی ہے۔ آٹھ پشت تک اس کے خاندان میں بادشاہت ہو گی اور اس کی حکومت تمام شمالی ہندوستان تک ہو گی اور یہ جو آپ نے وضو کیا اور وضو کے بعد مسجد پہنچے اور خطبہ ختم ہو گیا تھا تو اس کی تفہیم یہ ہے کہ یہ واقعہ تمہاری موت کے بعد ہو گا۔ ہمارے ایک دوست چودھری فضل الرحمٰن صاحب نے مولوی غلام نبی صاحب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا کابل ہیڈ کوارٹر نہیں ہو گا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کابل اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر چکا ہے۔ اس بادشاہ کا ہیڈ کوارٹر غزنی ہو گا۔ مولوی صاحب نے پھر کہا: ذرا ہندوستان کا نقشہ لائیں۔ جب نقشہ ان کو دیا گیا تو انہوں نے اُنگلی پھیر کر کہا کہ یہاں تک اس کی بادشاہی ہو گی جس میں دہلی بھی شامل تھا اور فرمایا: احمدیوں کی ایک حکومت بنگال میں ہو گی اور ایک جنوب میں دکھن میں ہو گی۔

سید امیر بابا

پشاور کے عجائب گھر میں ایک غریب درویش صفت مگر بالکل اَن پڑھ بوڑھا احمدی بطور چوکیدار ملازم تھا جس کا نام سید امیر تھا۔ اس وقت چوکیدار کی تنخواہ بیس روپے ماہوار ہوتی تھی۔ سید امیر بابا پشاور کے مضافات میں بازید خیل گاؤں کا باشندہ تھا۔ حضرت مولوی صاحب کے معمولات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کبھی کبھی سید امیر بابا کے پاس عجائب گھر چلے جاتے تھے اور بہت دیر تک ان سے احمدیت کے مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے اور سید امیر بابا بھی اپنے گاؤں بازید خیل اتوار کی چھٹی گزارنے سول کوارٹرز سے ہو کر آتے اور جاتے ہوئے حضرت مولوی صاحب کے پاس کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتے تھے اور حضرت مولوی صاحب ہر باران کی خوب خاطر مدارات فرماتے اور کبھی اس چیز کا تأثر گھر میں نہیں دیا کہ سید امیر بابا ایک بیس روپیہ ماہوار کا چپڑاسی ہے بلکہ اس طرح سے پیش آتے تھے جیسے کہ ایک معزز مہمان آیا ہو۔ سید امیر بابا بازید خیل میں صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب کے ذریعہ احمدی ہوئے تھے۔

صاحبزادہ صاحب کا خاندان اس علاقہ میں اپنے علم و فضل اور تقویٰ کے لحاظ سے بہت مشہور ہے۔ ایک وقت حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ نے بھی ان صاحبزادگان صاحبان کی آبائی مسجد میں اپنی نوجوانی میں چلّہ کاٹا تھا اور وہ مسجد اور وہ جگہ مَیں نے خود دیکھی ہے۔

صاحبزادہ سیف الرحمٰن نے خلافت اولیٰ میں بیعت کی تھی مگر خلافتِ ثانیہ میں جماعت لاہور کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور کافی عرصہ تک ان کے سرگرم مبلغ رہے اور پشاور میں جماعت غیر مبائعین کا اثر اور رُسوخ اور زیادہ تر ہا تھ حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب نیازی رضی اللہ عنہ (سسر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے۔ ناقل) کے علاوہ صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب کا بھی تھا۔

سید امیر بابا خلافت ثانیہ کے بیعت کرنے کا واقعہ جو بہت دلچسپ ہے اس طرح سے بیان فرماتے تھے کہ ہم ہر سال جلسہ سالانہ پر لاہور جاتے تھے یا لے جائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ قادیان کا جلسہ سالانہ بھی دیکھنا چاہیے۔ قادیان جلسہ سالانہ لاہور کے جلسہ سالانہ سے ایک دن بعد میں ختم ہوتا تھا یعنی لاہور والوں کا جلسہ 25۔سے 27۔دسمبر تک ہوتا تھا اور قادیان کا جلسہ سالانہ 26سے 28دسمبر تک۔ جب مَیں نے اس خیال کا اظہار کیا تو جھٹ صاحبزادہ صاحب نے میری رپورٹ مولوی محمد علی صاحب کے پاس کر دی۔ مولوی صاحب نے مجھے بلایا اور صاحبزادہ صاحب ترجمان بنے اور پوچھا کہ بابا آپ کو یہاں پر کیا تکلیف ہوئی ہے کہ آپ قادیان جانا چاہتے ہیں؟ یا یہاں پر کیا کچھ نہیں ہے جو آپ اس کو ڈھونڈنے قادیان جانا چاہتے ہیں؟ سید امیر بابا کہتے ہیں کہ مَیں نے کہا کہ تین چیزیں ہیں جن کو یہاں پر گم پاتا ہوں اس کے لئے قادیان جانا چاہتا ہوں۔

پہلی چیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مزارِ مقدّس قادیان میں ہے یہاں پر نہیں ہے۔ مَیں اس مزار مقدّس پر حاضری دینے جاتا ہوں۔

دوسری چیز وہ گلیاں اور کوچے جن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدم مبارک پڑے ہیں وہ قادیان میں ہیں وہ یہاں پر نہیں ہیں۔ مَیں ان کوچہ کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنانا چاہتا ہوں۔

تیسری چیز مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد سب کی سب قادیان میں ہے یہاں لاہور میں کوئی

بھی نہیں ہے۔

جب میں نے یہ کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد یہاں پر نہیں ہے تو مولوی صاحب نے صاحبزادہ صاحب سے فرمایا کہ یہ اب ہمارے ہاتھ سے گیا اس کو جانے دیں مگر اس کو کہیں کہ کسی اور کو اپنے ہمراہ نہ لے جائے۔ سید امیر بابا کہتے ہیں کہ مَیں اکیلے قادیان گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے تھے۔ پچیس تیس ہزار کا مجمع تھا۔ لاؤڈ سپیکر نہیں تھا۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ نے دور سے مجھے دیکھا اور اسٹیج سے نیچے اتر کر مجھے اسٹیج پر لے گئے۔ وہاں پر عبد الواحد خاں کابلی حضرت صاحب کے لئے قہوہ چائے تیار کر رہے تھے۔ قاضی صاحب نے ان سے ایک پیالی چائے لے کر مجھے پلائی۔

شام کو قاضی صاحب فرمانے لگے کہ سید امیر آؤ مَیں تم کو بتاؤں کہ حضرت صاحبزادہ نے اپنی تقریر میں کیا فرمایا؟ مَیں نے قاضی صاحب سے کہا کہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت پشتو میں تقریر فرما رہے تھے اور مَیں نے حضور کی تقریر کا لب لباب بیان کر دیا جس کو سُن کر قاضی صاحب حیران رہ گئے۔ مَیں نے کہا کہ میری بیعت کرائیں اور مَیں نے اسی رات بیعت کر لی۔ اور مبائع احمدی ہو کر پشاور آیا۔ اس کے بعد وہ صاحبزادہ صاحب کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے تھے۔ حضرت قاضی صاحب نے بھی کافی کوشش کی آخر کار صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب نے بھی قادیان جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت کر لی۔ سید امیر بابا بتلاتے تھے کہ صاحبزادہ صاحب نے پہلے مجھے احمدی بنایا مگر غیر مبائع اور مَیں نے اس کو احمدی بنایا مگر مبائع احمدی اور اس پر بہت خوش تھے۔

سید امیر بابا کا ایک لڑکا باز میر تھا۔ وہ بھی کسی دفتر میں چپڑاسی تھا دونوں باپ بیٹے ہر ماہ ایک ایک روپیہ پس انداز کرتے تھے۔ ایک سال باپ جلسہ سالانہ پر قادیان جاتا اور ایک سال بیٹا۔ دونوں باپ بیٹا بہت مخلص احمدی تھے۔ سید امیر بابا موصی تھے اور اپنا چندہ باقاعدہ ادا کرتے تھے۔ ان کی وفات پر مَیں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور لے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا: ان کو جنت کی طرف لے جاؤ۔ یہ واقعہ مَیں نے ایک دفعہ ان کے پوتے پروفیسر محمد اقبال خان ایم اے کو جو کہ

مخلص احمدی ہیں سے بیان کیا تو انہوں نے کہا۔ بالکل ایسا ہی سلوک دفتر بہشتی مقبرہ والوں نے مجھ سے کیا جبکہ مَیں نے اُن کو کہا کہ مَیں اپنے دادا صاحب کا کتبہ مقبرہ بہشتی میں لگانا چاہتا ہوں تو انہوں نے رجسٹر دیکھ کر کہا کہ بے شک لگوائیں۔ ان کے ذمہ کوئی بقایا نہیں ہے۔ غرض یہ کہ سید امیر بابا ایک ولی اللہ انسان تھے اور حضرت مولوی صاحب کے دوست تھے۔

حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ سرحد نے حضرت مولوی صاحب کے متعلق مندرجہ ذیل مضمون اخبار الفضل میں شائع فرمایا تھا:

حضرت مولوی محمد الیاس احمدیؒ کے مختصر سوانح حیات

1- حضرت مولوی محمد الیاس احمدی علیہ الرحمۃ جو ایک مومن، موٗحد اور ولی اللہ تھے۔ بروز دوشنبہ (پیر کے دن) صبح 5 بجے 3۔شوال 1367ھ کو بمقام شہر پشاور سول کوارٹرز میں بعمر 76 سال وفات پا کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

2-حضرت قبلہ مولوی صاحب قریباً 1291ھ بمطابق 1874ء میں بمقام چارسدہ ضلع پشاور علاقہ ہشت نگر میں متولّد ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی محترم مولوی رحمٰن الدین صاحب جو اہل قرآن ہیں پشین بلوچستان میں مقیم ہیں۔ آپ سے چھوٹے آپ کے تین بھائی اور ہیں جو دوسری والدہ سے ہیں۔ اپنے خاندان میں آپ ہی صرف حضرت احمد جری اللہ کے خدام میں داخل تھے۔

3- اخی محترم محمد اکرم خان درانی احمدی ساکن چارسدہ جو اُن سے عمر میں قریباً تین چار سال چھوٹے تھے فرماتے ہیں کہ بچپن اور جوانی میں بھی حضرت مولوی صاحب بڑے متقی اور پرہیز گار اور باحیا اور بااخلاق انسان تھے۔ آپ نے ابتدائی عمر میں قرآن پاک باترجمہ پڑھا اور علم دین کی طرف توجہ رکھی۔ آپ بیس برس کی عمر میں مدرسہ میں داخل ہوئے۔ تین سال میں ورنیکلر مڈل پاس کیا اور پھر نارمل سکول میں داخل ہو کر مدرّس کا امتحان پاس کیا۔ معاً بعد چارسدہ میں مدرّس مقرر ہوئے۔

1896ء میں موضع اسماعیلہ تحصیل صوابی علاقہ یوسف زئی میں تبدیل ہوئے۔

4- خانزادہ امیر اللہ خاں صاحب پسر خان خداداد خاں اسماعیلہ 1903ء میں بیمار ہوئے بغرض علاج پشاور آئے اور حضرت مولانا حسن رضی اللہ عنہ احمدی کے مردانہ مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ خاکسار قاضی محمد یوسف احمدی نے ان کو احمدیت کی تبلیغ کی اور رفتہ رفتہ امیر اللہ خان داخل احمدیت ہوئے۔ جب امیر اللہ خان قدرے صحت یاب ہوئے تو واپس اسماعیلہ گئے تو اپنے نام اخبار الحکم قادیان اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز جاری کرایا۔

5- حضرت قبلہ مولوی محمد الیاس صاحب چونکہ مدرّس تھے اس واسطے وہ ڈاکخانہ کے کام پر بھی مامور تھے۔ اس طرح ان کو خانزادہ امیر اللہ خان کے نام آمدہ اخبار الحکم اور ریویو اُردو کے مطالعے کا موقع ملتا رہا۔ نیز کتب حضرت احمد جری اللہ کے مطالعہ کا بھی موقع ملتا رہا۔ گویا ان کے احمدیت کا ذریعہ امیر اللہ خاں صاحب ہیں۔ بالفاظِ دیگر ان کے احمدیت کا بالواسطہ ذریعہ خاکسار ہوا فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

6- خان خداداد خاں کی وفات کے بعد ان کا بھتیجا اور داماد خان محمد اکبر خان خانِ اسماعیلہ مقرر ہوا تھا۔ صبح اور عصر کے بعد ان کے حجرہ یا مردانہ مہمان خانہ میں معززین و خواتین اسماعیلہ کا اجتماع ہوتا اور باہم ہر قسم کی گفتگو کا موقع ملتا تھا۔ اس سلسلۂ گفتگو میں امیر اللہ خاں کے احمدیت اختیار کرنے کی وجہ سے احمدیت کے مسائل پر گفتگو رہتی۔ بالآخر چند معززین کی خواہش پر گردونواح کے علما جمع کیے گئے اور احمدیوں سے تبادلۂ خیال کی محفل منعقد کی گئی۔ یہ واقعہ 1904ء کا ہے۔

7- جماعت احمدیہ کی طرف سے جناب محترم منشی میاں محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ (ساکن مُدّ) احمدی اپیل نویس مردان مقرر ہوئے اور علما کی طرف سے مولوی قطب شاہ صاحب مقرر منتخب ہوئے۔ چونکہ گفتگو حیات و وفات حضرت عیسیٰ ناصریؑ پر تھی اور دلائل صرف قرآنی آیات سے دینے تھے اس واسطے مولوی قطب شاہ صاحب اور ان کے ساتھی ازرُوئے قرآن کریم حضرت عیسیٰ الناصریؑ کی حیات کا ثبوت پیش نہ کر سکے۔ مولوی صاحبان ناچار ہو کر اپنی ندامت کو چھپانے کی غرض سے اپنے مشہور ہتھیار فتویٔ کفر پر اتر آئے۔ اس مباحثہ میں حضرت مولوی محمد الیاس صاحب علیہ الرحمت ثالث

مقرر ہوئے تھے انہوں نے فریقین کے دلائل سُن کر جماعت احمدیہ کے حق میں ڈگری دی اور علماء کو ناکام بتایا۔ اسی مباحثہ کے اثر سے حضرت مولوی صاحب احمدیت کے بہت قریب ہو گئے۔

8- اس مباحثہ کے بعد حضرت مولوی صاحب 1906ء میں اسماعیلہ سے چارسدہ تبدیل ہوئے۔ حضرت احمد جری اللہ مئی 1908ء میں وفات پا گئے اور حضرت نور الدین اعظمؓ خلیفۃ المسیح الاوّل منتخب ہوئے۔ حضرت مولوی صاحب نے 1909ء میں ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے احمدیت قبول کی۔ آپ کے بیعت کرنے سے حلقۂ احباب ہشت نگر میں ایک شور مچ گیا اور دوست احمدیت کے بارہ میں مسائل دریافت کرنے آتے۔ جن لوگوں کو حضرت مولوی صاحب سے کچھ عناد تھا اُن کو آپ کے خلاف شورش اور فتنہ انگیزی کا موقع بھی ہاتھ آ گیا۔

9- احمدیت قبول کرنے سے قبل آپ کے پاس محترم میاں محمد زمان خان صاحب ساکن قاضی خیل چارسدہ جو آپ کے پاس قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر پڑھا کرتا تھا کہنے لگا کہ حضرت مولانا یہ عجیب بات ہے کہ آپ کا ترجمہ اور تفسیر سب احمدیت کی تائید میں جاتی ہیں مگر آپ ابھی احمدی نہیں ہوئے۔ یہ کیا بات ہے؟ حضرت مولانا نے جواب دیا کہ مجھے تو کوئی امر سوائے اس کے مانع نہیں ہے کہ حضرت احمد جری اللہ نے دعوئ نبوت کیا ہے۔ جب آپ نے مزید تحقیق کر کے اطمینان قلب حاصل کر لیا تو آپ نے احمدیت قبول کر لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

کہتے ہیں کہ میاں محمد زمان خان صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے بذریعہ خط دریافت کیا تھا اور حضرت مولانا نور الدینؓ نے جواب میں نبوت کے دعویٰ کی تصدیق فرمائی۔ افسوس ہے کہ خلافتِ ثانیہ کے قیام پر بعض وجوہ کی بنا پر میاں صاحب موصوف کو غیر مبائعین کا ساتھ دینا پڑا۔ چند سال ہوئے ہیں کہ ایک دن مولانا محترم میاں محمد زمان خان صاحب کو یہ واقعہ یاد دلایا مگر محترم میاں صاحب نے ذہول ونسیان کا عذر پیش کر کے اس واقعہ سے انکار کیا۔ ہاں خط لکھنے کا اقرار کیا مگر جواب کی نوعیت سے لاعلمی ظاہر کی۔

10- چارسدہ میں تین مخالف آپ کے خلاف کھڑے ہوئے۔ ایک مکرم خان نمبردار، دوسرا

ملّا محمود صاحب کتب فروش معروف بہ اخی کتب فروش اور تیسرا اکبر شاہ۔ انہوں نے حاجی صاحب ترنگ زئی کو جس کا نام عبد الواحد تھا، حضرت مولانا صاحب کے خلاف اکسایا اور عامۃ الناس میں غلط باتیں مشہور کر کے آپ کے خلاف شر و فساد برپا کیا مگر مولانا صاحب ایک جری اور قوی الجثہ اور طاقتور انسان تھے اور مشہور پہلوان بھی تھے۔ اسی طرح علم قرآن اور علومِ مروجہ کے بھی ماہر تھے اس واسطے کوئی مولوی آپ سے مباحثے پر آمادہ نہ ہو سکا۔

1912-11ء میں ایک دن حکیم عبد الجلیل صاحب ساکن چارسدہ نے بذریعہ خط حضرت مولانا کو اطلاع دی کہ آپ عید گاہ میں عید کے دن تشریف لائیں، مَیں نے کچھ باتیں دریافت کرنی ہیں۔ حضرت مولوی صاحب اکیلے ہی عید گاہ میں وقت مقررہ پر پہنچے۔ جب آپ عید گاہ میں پہنچے جہاں کثرت سے لوگ موجود تھے تو حکیم عبد الجلیل نے ازراہِ شرارت اعلان کر دیا۔ مولوی محمد الیاس صاحب کہتے ہیں کہ مَیں احمدی ہوں اور ہم لوگ محمدی ہیں اور جو شخص محمدی نہیں ہے اس کو کافر خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا مولوی محمد الیاس کافر ہے۔ حضرت مولانا نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی کہ ہمارے عقائد وہی ہیں جو ایک مؤحّد مومن بالقرآن کے ہوتے ہیں اور جو شخص احمدی ہے وہی شخص حقیقی محمدی ہے اور جو شخص احمدی ہو کر قرآن کریم کو اپنی شریعت نہیں مانتا اور نہ اُمور دینیہ امر و نہی میں اس کو حَکَم ٹھہراتا ہے وہ اَزروئے قرآن خود منافق اور کافر ہے:

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جو مومن کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ اِس پر اُس شخص نے کہا: آپ ہمارے ساتھ نماز پڑھ لیں تو ہم آپ سے کوئی تعرض نہیں رکھیں گے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ نماز تو مَیں ضرور پڑھوں گا مگر تمہارے ساتھ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے منکرین کے ساتھ نماز کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس پر اس شخص نے حاضرین سے شرارتاً کہا: لوگو سنو! مولوی محمد الیاس نے اقرار کر لیا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ لوگ اس جھوٹی افواہ پر خوش ہوئے۔ اس طرح حضرت مولوی صاحب کی وجہ سے ہشت نگر کے علاقہ میں احمدیت کی خوب

شہرت ہوئی۔

12- حضرت مولوی صاحب کی زوجہ محترم فرماتی ہیں کہ چارسدہ کے لوگ ہمارے گھر میں اپنی عورتیں سمجھا بجھا کر بھیجتے کہ چونکہ مولوی صاحب کافر ہو گیا ہے اس واسطے آپ کا نکاح ان سے ٹوٹ گیا ہے۔ آپ ان کو چھوڑ کر اپنی والدہ کے گھر چلی جائیں۔ مَیں ان کو جواب دیتی تھی کہ پہلے تو مولوی صاحب صرف پانچ وقت نماز پڑھتے تھے اور اب وہ رات کو تہجد بھی پڑھتے ہیں اور پہلے سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں تو یہ کیسے کافر ہیں؟ اگر یہ کافر ہیں تو مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟ جن جن افراد نے حضرت مولوی صاحب اور احمدیت کی مخالفت میں جس قدر مخالفانہ حصہ لیا اسی قدر زیادہ ذلّت اور عذاب کے تختۂ مشق ہوئے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ: اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ ان کے حق میں پورا ہوا۔

مکرّم خان نمبر دار نے وافر حصہ لیا اُس کی نمبر داری گئی اور محمد اکرم خان احمدی کو مل گئی۔

اخی کتب فروش پر زنا کا الزام لگا اور اس میں بہت ذلیل ہوا۔

اکبر شاہ جو حضرت مولانا کے قتل کی فکر میں رہتا تھا فرعون کی طرح دریا میں غرق آب ہوا۔

13- خاکسار جب 1901ء کے قریب پانچویں جماعت میں تعلیم پاتا تھا، حضرت مولانا صاحب کو بحیثیت مدرّس اپنے مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ پشاور کے ڈسٹرکٹ ٹورنامنٹس میں اکثر دیکھتا کہ وہ گولا پھینکنے میں اوّل تھے، رسہ کشی میں آپ کے ساتھیوں سے کبھی کسی نے کامیابی حاصل نہ کی، روپیہ ہاتھ میں لے کر انگلیوں میں دبا کر توڑ دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ تانبے کے ڈبل پیسے کو دُہرا کر دیتے تھے۔

14- حضرت مولانا کو اُن کے بڑے بھائی 1912ء کے قریب بلوچستان لے گئے۔ آپ کوئٹہ میں اسلامیہ مڈل سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ انہی ایام میں آپ نے عرائض نویسی کا امتحان پاس کیا اور مستونگ میں، جو ریاست قلّات میں ہے عرائض نویس مقرر ہوئے۔ آپ نے 1913ء تا 1946ء تینتیس سال مستونگ میں گزارے۔ وہاں کے حکمران اور رؤسا اور اُمرا اور عوام الناس اور حُکّام بڑی عزت اور ادب سے پیش آتے اور یہ صرف آپ کے اعلیٰ اخلاق، علم اور عمل صالح کا اثر تھا۔ آپ کے مخالفین ہمیشہ آپ کے خلاف نامراد و ناکام رہے۔

15- آپ کی کثیر اولاد ہوئی۔ عبدالحیٔ خان بڑا لڑکا ایف اے پاس کر کے جے۔اے۔وی ہو کر صوبہ سرحد میں سکول ماسٹر تھے اور عبد القیوم خان نے بی ایس سی اسلامیہ کالج پشاور سے پاس کیا۔ عبدالجلیل خان نے بی اے اسلامیہ کالج پشاور سے پاس کیا۔ عبدالسلام خان نے انٹرنس پاس کیا اور عبدالقدوس خان نے میٹرک پاس کیا۔ عبدالرحمٰن خان ساتویں میں پڑھ رہا تھا کہ زلزلہ 1935ء میں مستونگ میں ان کے گھر پر ایک مندر گرا اور نیچے دب کر فوت ہوا۔ ان چھ فرزندان کے علاوہ چھ لڑکیاں بھی ہیں۔

عبدالقیوم خان 24 سال اور عبدالجلیل بہ عمر بائیس سال اور عبدالحیٔ خان بعمر تیس سال مرض سل سے یکے بعد دیگرے فوت ہوئے۔ اب صرف عبدالسلام خان اور عبدالقدوس خان زندہ ہیں۔ خداتعالیٰ ان نوجوانوں کو والدِ محترم کا مخلص جانشین بنائے۔ آمین

چھ لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی برادرم مکرم خان دانشمند خان احمدی ساکن محب بانڈہ ضلع پشاور کے نکاح میں ہے اور دوسری لڑکی خاکسار کے نکاح میں ہے اور تیسری خانزادہ عبدالرحمٰن خان ساکن اسماعیلہ کے نکاح میں ہے اور چوتھی لڑکی خانزادہ محمود خان ساکن اسماعیلہ کے نکاح میں تھی جو جوان فوت ہوئی اور پانچویں لڑکی محمد رستم خاں صاحب خٹک احمدی ساکن موضع جلوزئی ضلع پشاور کے نکاح میں ہے اور چھٹی لڑکی محمد ہاشم خان صاحب احمدی درانی کے نکاح میں تھی جو جوان ہی فوت ہو گئیں۔

لڑکوں کی اولاد سے چار فرزند اور چار لڑکیاں ہیں۔ لڑکیوں کی اولاد میں سے آٹھ فرزند اور گیارہ لڑکیاں ہیں۔ کل اولاد زندہ مع نواسوں اور پوتوں کے تین درجن ہیں۔ خدا کے فضل سے سب احمدی ہیں۔

16- آپ کو پشاور کے ضلع میں مدرسی میں 20 روپے مشاہرہ ملتا رہا تو بلوچستان میں جا کر مبلغ دوصد روپیہ اوسط آمد رہی۔ گویا آپ کو دس گنا اجر یہاں ملا۔ خدا تعالیٰ آخرت میں بھی بے حد و حساب اجر دے۔ آمین

قرآن کریم سے شغف

آپ کو علم قرآن سے بڑا شغف تھا۔ ہر مجلس میں اور ہر شخص سے مسائل دینیہ میں گفتگو کرتے رہتے۔ آپ خدا کے سلسلہ کے آنریری مبلغ تھے اور بہت اخلاص اور شوق سے تبلیغ کرتے۔ آپ گفتگو

میں صرف دلائل تک محدود رہتے۔ سختی برداشت کرتے مگر سخت جواب نہ دیتے۔ بامذاق، خوش اخلاق اور ہر دلعزیز شخص تھے اور اظہارِ حق میں دلیر تھے۔ آپ ہر چھوٹے اور بڑے سے ادب سے پیش آتے اور لطیفہ گو اور نکتہ رس تھے۔ مہمان نوازی کا بڑا شوق تھا۔ خوش خوراک اور خوش پوشاک تھے۔ اپنے دامادوں کی بڑی عزت کرتے اور اُٹھ کر ملتے۔ آپ کو جھوٹ سے بڑی نفرت تھی۔

17- چار جوان فرزندان اور دو جوان لڑکیوں کے فوت ہونے کے صدمات دیکھے لیکن آپ نے صبر اور استقامت کا وہ اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ اس کا آپ کی زوجہ محترم اور لڑکیوں میں بھی اثر تھا۔ اور اس قسم کے صدمات میں وہ صبر کا نمونہ بنیں۔ آپ کی اولاد پر آپ کی دینداری کا اثر موجود ہے۔ یہ خاندان ہمیشہ راضی برضائے الٰہی رہا۔

18- آپ موصی تھے اور باقاعدہ چندہ وصیت ادا کرتے تھے۔ قرآن کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص گھر میں غلطی سے قرآن کریم پر کوئی اور کتاب رکھ دیتا اور آپ کو علم ہو جاتا تو آپ رنج و غم سے کھانا ترک کر دیتے۔

19- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ماہ اپریل 1948ء میں جب حضور پشاور تشریف لائے تو اکثر اوقات آپ کی خدمت میں حاضر رہتے بلکہ پشاور، چارسدہ اور مردان کے دورہ میں ساتھ ساتھ رہے۔ بعض احباب کو آپ کی رفاقت پر رشک آتا رہا کہ اس بڑھاپے میں آپ نے جوانوں کا سا ساتھ دیا۔

20-وفات تک صحت اچھی رہی۔ بصارت درست رہی۔ کبھی عینک کا شوق نہ کیا۔ اخبار الفضل بڑے شوق سے مطالعہ کرتے دوسری کتب کا بھی ہمیشہ مطالعہ جاری رکھتے۔ بڑا قیمتی کتب خانہ جمع کر رکھا تھا۔

21- عید الفطر 1367ھ کے دن مسجد احمدیہ میں حسب معمول بہت قبل از نماز حاضر ہوئے اور بعد نماز حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اور دوسرے احباب سے خوب معانقہ کیا اور بڑے اخلاص سے احباب کو عید مبارک کہی۔ عید کے دوسرے دن اپنے مکان واقع سول کوارٹرز میں احباب سے دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ گیارہ بجے کے قریب برادرم محمد الطاف خان احمدی اور برادرم عبد السلام

خان، محترم برادرم محمد دانشمند خاں صاحب داماد کے ساتھ کھانا کھایا۔ بعد فراغت چارپائی پر لیٹ کر مطالعے میں لگ گئے۔ احباب رخصت ہوئے اور عبد السلام خان مع مستورات خانہ سب خورد وکلاں مرزا محمد خواص خان صاحب احمدی کے مکان پر گئے اُس وقت تنہائی میں ایک دفعہ قے آئی۔ خود چلمچی لاکر پاس رکھی اور اُس میں قے کی۔ دماغ کی رگ پھٹ گئی جس سے بیہوشی طاری ہوئی۔

سب سے پہلے محمد الطاف خان کو اطلاع ہوئی اُنہوں نے عبد السلام خان اور دوسرے احباب کو اطلاع دی۔ ڈاکٹر بلوائے گئے۔ ڈاکٹر فتح دین صاحب احمدی کو اطلاع ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مولوی صاحب کے دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے اس سے زیادہ اور علاج ان کو نہ سوجھا۔ حالانکہ اگر فصد کھول دیتے تو غالباً ہوش آجاتا اور اچھے ہو جاتے مگر چونکہ قضا آچکی تھی:

چوں قضا رسید طبیب گُر شود

محترم مولوی صاحب صبح تک بے ہوش رہے۔ اور 3 شوال 1367ھ کو بروز دوشنبہ بمطابق 9۔ اگست 1948ء کو اپنے مولا کو رُوح سپرد کر دی اور اس شام کثرت سے احباب حاضر ہوئے اور شام کو چھ بجے احمدیہ قبرستان واقع پشاور میں سُپرد خاک ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی عمر مبارک

آپ کی عمر شمسی حساب سے 74 سال تھی اور قمری حساب 76 سال تھی۔ ایک عالم باعمل، ایک مخلص مبلغ احمدیت اور ایک ولی اللہ ہم سے جُدا ہو کر خُدا سے جا ملے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَاجْبُرْہُ وَارْفَعْہُ وَارْضَ عَنْہُ

بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

احباب سے استدعا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا جنازہ غائب فرما کر خداتعالیٰ کے نزدیک اجرِ عظیم کے اُمیدوار ہوں۔ جن احباب نے عزیزم عبد السلام خان یا ہم سے اظہار تعزیت فرمائی ہے ہم اُن کے تہِ دل سے مشکور و ممنون ہیں۔

تاریخ وفات حضرت مولوی محمد الیاس علیہ الرحمۃ

حیف، صد حیف! مولوی الیاس
مومن و متقی خیر النّاس
عالمِ دین و عاملِ قُرآن
باوفا، باحیا، باایمان
احمدی پیروِ احمد جری اللہ
صالح و باصفا ولی اللہ
منقضی شد ز عمرِ اوہفتاد
نیز شش سال کن براں ایزاد
بست رختِ سفر زِ دارِ فنا
دفعتہً رفت سُوئے دارِ بقا
روزِ دوشنبہ سوئم شوّال
یافت از کردگار حُسنِ مآل
سیزدہ صد گذشت بر ہجرت
شصت وہفتاد دگر چو شد رخصت
اے خدا بخش ہر خطایش را
ممکنش کن بہ جنت الماویٰ

رقیمہ: قاضی محمد یوسف احمدی پشاور

نوٹ:- حضرت مولانا محمد الیاس کی نماز جنازہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے جماعت کثیر کے ساتھ پڑھائی اور دیر تک لمبی دُعائے مغفرت مانگی اور بڑی رِقّت سے پسماندگان کے لئے صبر و استقامت کی دُعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے۔ آمین

(قاضی محمد یوسف)

خودنوشت حالات زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والد محترم کے حالاتِ زندگی

خاکسار (عبدالسلام) کے والد حضرت مولوی الیاس صاحب رحمۃ اللہ چارسدہ صوبہ سرحد کے باشندہ تھے۔ حضرت والد صاحب کے قبول احمدیت کی وجہ سے چارسدہ اور مضافات میں ایک سخت شور برپا ہوا۔ علما نے ان کے قتل کے فتوے دیئے۔ حاجی صاحب آف ترنگ زائی جو کہ انگریزوں سے لڑائی کرنے میں مشہور ہوئے تھے ان کی موجودگی میں ان کے سامنے عید گاہ چارسدہ میں مولوی عبدالجلیل سے ایک مختصر سا مناظرہ بھی ہوا تھا۔ انگریزوں نے اس بات سے گھبرا کر کہ یہ شورش تمام صوبہ سرحد میں نہ پھیل جائے حضرت والد صاحب کو صوبہ بدر کر دیا۔ صوبہ بدر کے منسوخی کے احکامات کے لئے جب خواجہ کمال الدین صاحب چیف کمشنر صوبہ سرحد سے ملے تو چیف کمشنر نے ان کو کہا کہ ہم ایک شخص کو صوبہ میں رکھنے کی وجہ سے تمام صوبہ سرحد میں آگ نہیں لگا سکتے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب صوبہ سرحد سے ہجرت کر کے پہلے کوئٹہ بلوچستان اور پھر مستونگ ریاست قلّات تشریف لائے اور وہاں پر 1946ء تک رہے۔

حضرت والد صاحب بہت بڑے عالم تھے قرآن پاک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں پر بڑا عبور حاصل تھا۔ بہت متقی اور پرہیز گار انسان تھے جماعت کے آنریری مبلغ تھے اور صبح و شام ان کی مجلس میں دعوت الی اللہ ہوتی تھی۔ مستونگ میں نماز جمعہ ہمارے مکان پر ادا کی جاتی تھی۔ مستونگ میں چند احمدی ملازمین تھے۔ حضرت والد صاحب خطبہ جمعہ پڑھاتے اور نماز جمعہ کی اقتدا فرماتے۔

میری پیدائش

میرے والد صاحب ابتدا میں مستونگ میں محلہ زرخیل میں رہتے تھے جو کہ بلوچ علاقہ میں پختونوں کی بستی تھی اور میری پیدائش 1918ء میں محلہ زرخیل میں ہوئی تھی۔ میں اپنے والدین کی اولاد میں سے ساتویں نمبر پر ہوں اور لڑکوں میں چوتھے نمبر پر ہوں جن کی ترتیب یہ ہے: عبدالحیٔ خان

مرحوم، بی بی فاطمہ، بی بی کلثوم، عبدالقیوم خان، عبدالجلیل خان، بی بی صالحہ، عبدالسلام، عبدالقدوس خان، بی بی خدیجہ، بی بی حاجرہ، عبدالرحمٰن اور بی بی جمیلہ۔

میرے والد صاحب بتلاتے تھے کہ میری پیدائش کے وقت میری والدہ کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ ایک اَن پڑھ دائی کے علاوہ کوئی لیڈی ڈاکٹر مستونگ میں نہ تھی۔ حالت اتنی خراب ہو گئی کہ اُمید زیست تقریباً ختم ہو گئی۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دو رکعت نفل پڑھنا شروع کیے اور سجدہ میں رو رو کر دعائیں کیں۔ میں سجدہ میں ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک نور اُترا اور سیدھا تمہاری والدہ کے کمرے کی طرف چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد دائی نے اطلاع دی کہ مبارک ہو خدا تعالیٰ نے لڑکا عطا کیا ہے۔ اس خبر کے سننے سے میں دوبارہ سجدۂ شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں چلا گیا۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں ے تمہارا نام عبدالسلام رکھا ہے کہ تم سلامتی دینے والے خدا کی طرف سے ایک عطا تھے۔

(وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مارچ 1989ء کے خطبہ جمعہ میں ذکر فرمایا۔ مرتّب)

اس نزول نور کی تعبیر میں اس طرح سے سمجھتا ہوں کہ میرے دو بیٹے ہیں اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سمویا۔ عزیزم حامد اللہ کے گھر میں عزیزہ امۃ الحیٔ آئی جو حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑپوتی اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی نواسی ہے۔ دوسرے بیٹے حبیب اللہ خان کے گھر عزیزہ ماہم آئی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نواسی اور حضرت سیدہ امۃ الحفیظؓ کی پوتی ہے۔ الحمدللہ

ابتدائی تعلیم اور شادی

جب ہم سکول جانے کے قابل ہوئے تو میں اور برادرم عبدالقدوس خان از خود سکول داخلہ لینے گئے۔ سکول قریب ہی تھا۔ میرے چھوٹے بھائی 1950ء میں بطور پراونشل (صوبائی) امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد مقرر ہوئے جو بہشتی مقبرہ ربوہ میں آرام فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ہم دونوں بھائیوں کی آپس میں بہت محبت تھی۔ شادیاں بھی ایک ہی گھر میں ہوئی تھیں۔ میری

اہلیہ بی بی عائشہ بنت خواص خان ہیں اور عبد القدوس خان کی اہلیہ بی بی عائشہ کی چھوٹی بہن ہیں اور ان دونوں بہنوں کی بھی آپس میں بہت محبت ہے۔

بھائی کی محبت

1976ء میں جب میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہوا تو برادرم عبد القدوس خان نے بھی از خود ریٹائرمنٹ لے لی تاکہ ریٹائرمنٹ کی وجہ سے میں تنہائی محسوس نہ کروں۔ پشاور میں ہم دونوں بھائیوں نے مکانات بھی اکٹھے بنائے ہیں اور میرے مکان پر حلقہ یونیورسٹی کے احباب نماز جمعہ اور دیگر نمازیں پڑھتے ہیں اور جماعتی اجتماعات بھی اس حلقہ کے میرے مکان پر ہوتے اور اسی مدعا کے لئے میں نے اپنے مکان کا ڈرائنگ روم اندازے سے بہت بڑا بنایا تھا۔

ابتدائی تعلیم اور سکول کی کچھ یادیں

مستونگ میں جس سکول میں ہم داخل ہوئے تھے وہ لوئر مڈل سکول تھا اور مستونگ کا یہی واحد سکول تھا۔ سکول ہیڈ ماسٹر، ماسٹر شمس الدین صاحب تھے جو کہ پنجاب کے رہنے والے تھے اور انگریزی نہیں جانتے تھے۔ غالباً پرائمری پاس تھے۔ ان کا بڑا رُعب تھا۔ لڑکوں کو بدنی سزا بہت دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے عموماً لڑکے سکول سے غیر حاضر ہو جاتے تھے اس پر مولوی شمس الدین صاحب چند لڑکوں کو ان لڑکوں کے گھر بھیج دیتے تھے اور لڑکے اُس غیر حاضر لڑکے کو زبردستی سکول لاتے تھے جس کو بعد میں بدنی سزا بھی ملتی تھی۔

مستونگ میں ایک دستور بنا ہوا تھا کہ ہر سال موسم بہار میں چیف کمشنر صاحب ریاست قلّات کا دورہ کرتے اور مستونگ میں وزیر اعظم قلّات کی طرف سے ان کی بڑی ٹی پارٹی ہوتی۔ چیف کمشنر کے آنے پر مستونگ شہر کو دلہن کی طرح سجایا جاتا تھا۔ سڑک پر دورویہ کاغذ کی جھنڈیاں لگائی جاتی تھیں، محرابیں اور دروازے بنائے جاتے تھے۔ جھنڈیوں کے بنانے کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب موصوف ہر سال چند دن کے لئے سکول بند کر دیتے تھے اور سکول کے تمام طلبا کو جھنڈیاں بنانے پر لگا دیتے تھے۔ یہ قطعاً خیال نہ ہوتا تھا کہ اس طرح سے لڑکوں کی عمر اور پڑھائی ضائع ہو رہی ہے۔

ہمارے سکول میں دینیات کے استاد اخوند خیر محمدؒ صاحب تھے جو کہ ایک معمر مُلّا تھے۔ ان کے پاس ایک جیبی گھڑی ہوتی تھی جو چند غلافوں میں چھپائی ہوتی تھی۔ وقت دیکھنے کے لئے وہ بڑی احتیاط سے جیب سے گھڑی نکالتے اور پوری احتیاط سے غلاف ہٹا کر گھڑی کے ہندسوں پر انگلی پھیرتے اور وقت معلوم کرتے اور بعض اوقات غلط ٹائم بتلا دیتے تھے۔ اخوند صاحب کے ذمّہ سکول میں چھٹی کرانے کے لئے گھنٹی بجانے کے فرائض بھی شامل تھے۔ بعض دفعہ جب اخوند صاحب سوئے ہوئے ہوتے تھے تو لڑکے سکول کی گھنٹی بجا دیتے تھے اور اس طرح سے سکول میں چھٹی ہو جاتی تھی اور اخوند صاحب سوئے ہوتے۔ جب وہ جاگ اٹھتے تھے تو ان کو علم ہوتا کہ سکول میں چھٹی ہو گئی ہے۔

اخوند صاحب بڑے عجیب انسان تھے۔ کالی نسوار ناک میں ڈال کر اونگھ لیتے تھے اور کبھی کبھی بیچ میں جب شور زیادہ ہو جاتا تھا تو اپنا ڈنڈا لے کر لڑکوں پر برس پڑھتے اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیتے تھے یہ نہ دیکھتے کہ جرم کس لڑکے کا ہے۔

سردیوں میں سکول کی انگیٹھی میں آگ جلائی جاتی تھی۔ اخوند صاحب گہری نیند میں سوئے ہوتے تو لڑکے تختیوں پر ملی جانے والی گاچنی آگ میں ڈال دیتے جس سے پٹاخے کی طرح آوازیں نکلنا شروع ہو جاتی تھیں اس پر بھی اخوند صاحب نیند سے جاگ اُٹھتے اور لڑکوں کو سزا دینا شروع کر دیتے۔ اسباق کی پڑھائی کچھ بھی نہ ہوتی تھی زیادہ تر وضو کا طریقہ اور تیمم کا طریقہ صبح کے وقت بتلاتے تھے اور بس۔

چیف کمشنر صاحب جب مستونگ سے رخصت ہوتے تھے تو مبلغ دو سو روپیہ سکول کے بچوں کے لئے بطور مٹھائی دے جاتے۔ اس میں سے تین چوتھائی رقم اساتذہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے اور ایک چوتھائی رقم کی مٹھائی منگوا کر بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سستا زمانہ تھا اس لئے ہر بچے کو جھولی بھر کر مٹھائی مل جاتی تھی اور یہ ہمارے جھنڈیاں بنانے کا ثمر ہوتا تھا۔

مستونگ

مستونگ ایک چھوٹا سا شہر تھا جس میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اس لیے تجارت پر سندھی ہندو قابض تھے۔ رہائش کے لئے ان کے جُدا قلعہ نما محلے ہوتے تھے۔ دیوالی کے موقع پر چیدہ چیدہ ہندو

مٹھائی کے تھال بھر کر ہمارے گھر لاتے اور اس دن ہمارے گھر عید کا سماں بن جاتا تھا اور یہ مٹھائی کافی دن تک کفایت کر جاتی تھی۔

عبد القیوم خان

میرے بڑے بھائی عبد القیوم خان نے 1932ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے B.Sc کیا تھا اور سبی کے ہائی سکول میں سائنس ٹیچر لگ گئے تھے۔

ہم مستونگ میں چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ عبد القیوم خان نے ہم دونوں بھائیوں کو مستونگ سکول سے نکال کر سبّی ہائی سکول میں پانچویں جماعت میں داخل کرایا کیونکہ مستونگ سکول کی پڑھائی اچھی نہ تھی۔

1934ء میں عبد القیوم خان کو ڈاڑھ کی تکلیف ہوئی اور ایک ہندو ڈاکٹر کے غلط علاج سے داڑھ میں پیپ پڑ گئی جو بڑھتے بڑھتے T.B کی صورت اختیار کر گئی۔ عبد القیوم خان کو کوئٹہ کے سول ہسپتال میں علاج کے لئے داخل کرایا گیا اور میں ان کے ساتھ ہسپتال میں بطور تیماردار کے قیام پذیر تھا۔ عبد القیوم خان کی انگلش بہت اعلیٰ تھی اور معلومات عامہ بھی بہت زیادہ تھی۔ ڈاکٹر ولیم سن سول سرجن جو اُن کا علاج کر رہے تھے، عبد القیوم خان کی اعلیٰ انگلش کی وجہ سے ان کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے۔ عبد القیوم خان بہت نیک مخلص احمدی اور اپنے والدین کے انتہائی فرمانبردار تھے۔

عبد القیوم خان کی وفات پر والد صاحب کا صبر

بہت جوانی میں بھائی عبد القیوم خان کی وفات ہوئی۔ اِنَّالِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ عبد القیوم خان کی وفات پر حضرت والد صاحب نے انتہائی صبر کا نمونہ دکھایا اور تمام افراد خاندان سے صبر کروایا۔ خود نہلایا اور جنازہ ہم نے گھر میں ہی پڑھا۔ قبرستان میں دفن کرنے سے پہلے فرمایا کہ چونکہ میں نے عبد القیوم کا جنازہ پڑھ لیا ہے اس لئے آپ احباب کو نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سنت پر میں عمل کرتا ہوں اور وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ ان کو دفن کر دو میں بھی اس سنت پر عمل

کرتے ہوئے عبدالقیوم خان کو بوسہ دیتا ہوں۔ اس کے بعد عبدالقیوم خان کی مستونگ میں تدفین ہوئی۔
عبدالقیوم خان کی وفات پر انگریز ڈاکٹر ولیم سن سول سرجن کوئٹہ تعزیت کے لئے آئے۔
عبدالقیوم خان کی وفات کے بعد حضرت والد صاحب نے ہمیں کوئٹہ کے سنڈیمن ہائی سکول میں داخل کرایا اور ہماری رہائش سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں تھی۔ کوئٹہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے جدا جدا بورڈنگ ہاؤس تھے۔

بورڈنگ ہاؤس کی زندگی

میں بچپن سے نماز تہجد پڑھا کرتا تھا اور بورڈنگ کے لڑکے بھی مجھے تہجد پڑھتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور بعض منچلے لڑکے مجھ پر "او مُلّا" کہہ کر آوازے کستے تھے۔
ان دنوں خاموش سینما ہوا کرتا تھا اور بورڈنگ کے لڑکے رات کو بورڈنگ کی بجلیاں بجھا کر بورڈنگ کی چاردیواری کو پھاند کر سینما دیکھنے چلے جاتے تھے۔ میں سینما نہیں دیکھا کرتا تھا اور اس کے بعد 1934ء میں تحریک جدید کے اجراء پر تو تمام احمدیوں پر سینما دیکھنا بند ہو گیا۔
بورڈنگ ہاؤس سے باہر نکلنے کے لئے کوئی لڑکا باتھ روم میں جا کر بجلی کے بلب پر ایک آنہ کا سکہ رکھ دیتا تھا اور جب بھی کوئی لڑکا باتھ روم جاتا اور سوئچ کو آن کرتا تو فوراً تمام ہاسٹل کی بجلی فیل ہو جاتی تھی اِس پر بورڈنگ سپرنٹنڈنٹ صاحب کسی چپڑاسی کو بجلی کے دفتر بھیجتے تھے کہ بجلی درست کی جائے اور اس طرح سے لڑکے ہاسٹل سے نکل جاتے تھے۔

جرمانہ اور اس کی واپسی

ایک دفعہ مسجد احمدیہ میں ایک اجلاس تھا جو دیر سے ختم ہوا۔ اُس دن ہماری بدنصیبی سے بورڈنگ کی بجلی فیل ہو گئی تھی اور لڑکے سینما دیکھنے چلے گئے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب گیٹ پر کھڑے سینما سے واپس آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جب میں اور برادرم عبدالقدوس ان کو نظر آئے تو ہم دونوں کو بلا کر پانچ روپیہ فی کس جرمانہ کیا کہ ہم بھی سنیما گئے تھے۔ بعد میں جب مَیں امیر جماعت صاحب سے چٹھی لے آیا کہ دونوں لڑکے جماعتی اجلاس میں شامل تھے اور اجلاس دیر سے ختم ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم

کو وہ پانچ روپیہ فی کس جرمانہ واپس ہوا۔

کوئٹہ کا زلزلہ

1935ء میں کوئٹہ کا ہیبت ناک زلزلہ آیا جس میں ایک رات میں اَسّی ہزار آدمی مر گئے اور تمام کوئٹہ کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ ہم دونوں بھائی اُس وقت ہاسٹل میں تھے اور دسویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ یہ 31۔ مئی ساڑھے پانچ بجے کا واقعہ ہے۔ برادرم عبد القدوس ہاسٹل کے صحن میں چارپائی لے جا کر سو گئے اور مَیں کمرے کے برآمدہ میں سو گیا۔ آدھی رات کے وقت میں نے محسوس کیا کہ زمین سے بہت شور اُٹھ رہا ہے اور بھنگی کالونی کے کتوں نے تو سرِ شام بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ میں اس شور سے جاگ اُٹھا اتنے میں پہلے زلزلہ کا ایک معمولی جھٹکا محسوس ہوا پھر میں نے دیکھا کہ مغرب کی طرف کا بلاک دھڑام سے گر گیا ہے۔ میں فوراً چارپائی سے اُٹھا اور بھاگا۔ اتنے میں مشرق کی طرف سے بلڈنگ زمین بوس ہو گئی۔ برآمدہ پر چونکہ ٹائلز تھیں اس لئے کچھ ٹائلز بھی میری پیٹھ پر لگیں مگر میں شدید زخمی ہونے سے بچ گیا۔ جب میں چارپائی سے اُٹھ کر بھاگا تو سیدھا صحن میں برادرم عبد القدوس کی چارپائی پر گر گیا۔ پھر میں عبد القدوس خان کی چارپائی کے نیچے چھپ گیا اور چارپائی کے پائے پکڑ لئے۔

کافی دیر تک زبردست جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ صبح کے قریب سخت آندھی آئی جو ہماری آنکھوں میں پڑتی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کوئی دس بجے کے قریب آندھی کچھ تھمی اور ہم لوگ ہوش میں آئے۔ اب ہم ایک دوسرے سے دریافت کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ہے کیا کسی نے حملہ کیا ہے؟ جب ہم ہاسٹل سے باہر نکلے تو ہمیں ہمارے ہیڈ ماسٹر لالہ دیارام ملے۔ جن کا بنگلہ قریب ہی تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ یہ زلزلہ ہے اور میرا اکلوتا رام مر گیا ہے اور وہ زار زار رو رہے تھے۔

جب ہم بازار کی طرف گئے تو ایک ہولناک منظر تھا۔ ہر طرف گھروں کے گرنے کی وجہ سے ملبہ پڑا تھا اور لوگ مرے پڑے تھے۔ ہم نے دوبارہ بورڈنگ کا رخ کیا۔ بورڈنگ میں ہم پچاس میں سے صرف 9 لڑکے زندہ بچے تھے باقی کمروں میں چھتوں کے نیچے دب گئے تھے۔ وہاں پر چھت کی Construction ایسی تھی کہ دیواروں پر لوہے کے گارڈر پڑے تھے اور چھت پر لوہے کی مضبوط جالی

ہوتی تھی جس پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ کچھ لڑکے اندر سے آواز دے رہے تھے کہ خدا کے لئے ہم کو بچاؤ! ہم یہ آوازیں سن رہے تھے مگر معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر سے آوازیں آرہی ہیں۔

ہم چند لڑکوں نے ہمت سے کام لیا۔ ہماری عمریں اس وقت سولہ سترہ سال تھیں۔ ہم گارڈر اُٹھا کر دوسری جگہ پھینک دیتے تھے اور جالی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پرانے کپڑے کی طرح پھاڑ دیتے تھے۔ میں اب حیران ہوتا ہوں کہ اتنی طاقت ہمارے کمزور اور نحیف بدن میں کیسے آگئی اور ہم نے گارڈر کیسے ہٹائے اور جالی کو کیسے پھاڑا؟

یہ جو حضرت علیؓ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کندھے کے زور سے خیبر قلعہ کا دروازہ اُکھاڑ کر پھینک دیا یہ بالکل سچ ہے اگر ہم کمزور نحیف بچے وزنی گارڈر کو اپنی جگہ سے اُٹھا سکتے تھے تو حضرت علیؓ شیر خدا کیوں یہ کام نہیں کر سکتے تھے؟ ہم نے ہمت کر کے چند لڑکوں کو اس ملبہ سے نکالا ان میں سے پانچ نکالے جانے کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔ صرف تین زندہ بچ گئے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہم کو سکول چھوڑنے پر جو کریکٹر سرٹیفکیٹ دیا اُس میں ہمارے اس کام کی بھی تعریف کی ہے۔

میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس رحمۃ اللہ بھی اس رات کوئٹہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے بڑے بھائی عبد الجلیل خان نے نائب تحصیلدار کے امتحان میں شامل ہونا تھا اور حضرت والد صاحب مکرم ڈاکٹر عبد المجید صاحبؓ (صحابی) کے ہاں تھے۔ میرے والد صاحب تو بال بال بچ گئے مگر عبد الجلیل خان کے سینے پر دیوار کی اینٹیں گریں جس سے ان کا سینہ زخمی ہو گیا۔ گیارہ یا بارہ بجے کے قریب حضرت والد صاحب ہماری خیریت دریافت کرنے ننگے پاؤں بورڈنگ کی طرف آئے اور ہم دونوں بھائیوں کو زندہ سلامت پا کر بہت خوش ہوئے۔

خان بہادر مولوی منیر احمد خان کی بدحواسی

کوئٹہ میں احمدی آبادی کافی تھی مگر سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچ گئے۔ صرف ایک عبد اللہ صاحب اس زلزلہ میں شہید ہوئے۔ حضرت والد صاحب ہم دونوں بھائیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں خان بہادر مولوی منیر احمد خان صاحب سے ملاقات ہو گئی جو کہ چیف کمشنر کے سیکرٹری تھے۔

والد صاحب کے دریافت کرنے پر کہا کہ میرے گھر کے گیارہ افراد مر گئے ہیں ایک میں بچ گیا ہوں اب ان مُردوں کے لئے کفن کی تلاش ہے۔ والد صاحب نے ان کو مسئلہ سمجھایا کہ شہید کا اپنا لباس ہی اس کا کفن ہوتا ہے۔ ایک گڑھا کھود کر سب کو اس میں اکٹھا دفن کر دو۔ خان بہادر صاحب نے والد صاحب سے فرمایا کہ خدا کو بگاڑنا آتا ہے بنانا نہیں آتا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص اب شدید صدمہ کی وجہ سے بدحواس ہے اور کلمۂ کفر اس کے منہ سے نکل رہا ہے۔

چیف کمشنر مسٹر گولڈ سے ملاقات

راستہ چلتے ٹھنڈی سڑک یعنی لٹن روڈ پر گزر ہوا جس پر چیف کمشنر صاحب کی کوٹھی تھی۔ چیف کمشنر مسٹر گولڈ باہر سڑک پر کھڑے تھے والد صاحب کو دیکھ کر ان کی طرف آئے۔ وہ رو رہے تھے کہ یہ کیا ہوا اور میں اب کیا کروں؟ اس وقت والد صاحب نے کچھ مشورے ان کو دیئے تو انہوں نے کہا کہ آپ میرے پاس ٹھہر جائیں آپ کے ہوتے ہوئے مجھے تسلی ہوگی۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں مستونگ جانا چاہتا ہوں جہاں پر میرے بچے ہیں چیف کمشنر صاحب نے فرمایا کہ ابھی مسٹر سکرین مستونگ سے آئے ہیں اور بتایا کہ اس کی حالت کوئٹہ سے بھی زیادہ خراب ہے۔ یہ سن کر حضرت والد صاحب نے کہا کہ اب تو میں بالکل نہیں رُک سکتا۔

عبدالقدوس کی سائیکل پر روانگی

برادرم عبدالقدوس خان وہاں پڑی سائیکل پر مستونگ کی طرف روانہ ہوئے جو کہ کوئٹہ سے تیس منٹ کے فاصلہ پر ہے اور ہم لوگوں نے ایک ٹانگہ تیس روپیہ کرایہ پر لیا۔ عبدالقدوس خان عصر کے قریب مستونگ پہنچ گئے اور ہم رات کے کسی وقت پہنچے۔ راستہ تمام خراب تھا زلزلہ کی وجہ سے سڑک میں بڑے بڑے دراڑ تھے جن کی وجہ سے ٹانگہ مشکل سے چل سکتا تھا۔ مستونگ میں میرا چھوٹا بھائی عبدالرحمٰن خان ایک بالاخانہ گرنے کی وجہ سے اپنے ہی مکان کی چھت کے نیچے دب کر فوت ہو گیا تھا۔ چند پختونوں نے ہمت کر کے اُس کو ملبہ سے نکالا اور خود ہی قبرستان میں دفن کر دیا۔ میری ایک چھوٹی بہن خدیجہ بی بی کی دونوں ٹانگوں پر بڑا ملبہ پڑا تھا جس سے نکلنا بڑا مشکل تھا۔

انگریز پولیٹکل ایجنٹ مسٹر سکرین

انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کی حفاظت کے لئے گورکھا فوج کی ایک پلٹن مستونگ میں موجود تھی۔ انگریز پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر سکرین نے گورکھا فوج کے آدمیوں کو لے کر ملبہ سے زندہ لوگوں کو نکالنا شروع کیا جب وہ ہمارے گھر کی طرف آئے تو والدہ صاحبہ نے ان سے درخواست کی۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے گورکھا جوانوں کو لیا اور ان کو نیم گرے ہوئے کمرہ کے اندر داخل کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ جب زلزلہ کا زور کا جھٹکا آتا تو وہ گورکھا جوان بھاگنے کی کوشش کرتے تاکہ باقی ماندہ چھت گر نہ جائے۔ مسٹر سکرین ان کو دروازہ پر کھڑے پھر واپس کرتے کہ اس بچی کو ضرور نکالنا ہے۔ آخر انہوں نے ہمت کر کے ملبہ کو ہٹایا اور خدیجہ صحیح سلامت نکل آئی۔ زلزلہ کے وقت گھر میں خاندان کے چھ افراد تھے۔ زلزلہ کے بعد جب ہر طرف بربادی تھی۔ مستونگ میڈیکل آفیسر جناب ڈاکٹر عباس علی خان ہمارے سارے خاندان کو اپنے گھر کے باغ کے ایک کونہ میں چادروں کا پردہ کر کے لے گئے۔ جزاہ اللہ۔ اُس باغ میں کئی دن تک ہم بغیر چھت کے کھلے آسمان کے نیچے سو جاتے تھے۔

مسٹر سکرین کی خدا خوفی

چند دن بعد زلزلہ زدہ لوگوں کے لئے ریلیف آ گیا جس میں خیمے وغیرہ بھی تھے۔ پولیٹیکل ایجنٹ ہر ضرورت مند کو ایک چھوٹا سا خیمہ دیتے تھے جس کو چھولداری کہتے ہیں۔ حضرت والد صاحب کو بھی ایک چھولداری دی گئی۔ والد صاحب نے پولیٹیکل ایجنٹ صاحب سے مل کر عرض کی کہ یہ چھولداری میرے کنبے کے لئے ناکافی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ والد صاحب نے فرمایا کہ بڑے خیمے آپ کے پاس موجود ہیں اگر آپ مجھے بڑا خیمہ نہ دیں گے تو میں آپ کی شکایت کر دوں گا۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ کس سے شکایت کریں گے تو والد صاحب نے انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر کہا کہ اُس قادر مطلق کی درگاہ میں شکایت کر دوں گا۔ اس پر پولیٹیکل ایجنٹ نے کہا کہ آپ میری شکایت خداتعالیٰ سے نہ کریں بڑا خیمہ لے جائیں۔ اس کے بعد وہ پولیٹیکل ایجنٹ حضرت والد صاحب کا بڑا دوست بنا۔

ٹین کے گھر

کچھ ماہ بعد سرکاری ملازمین کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹین کے گھر بن گئے اور ہم سب خاندان ایک گھر میں منتقل ہو گئے۔ ان دنوں میرے بھانجے بشیر احمد رفیق جو کہ بعد میں امام مسجد لندن رہے ہیں اور واقف زندگی ہیں، ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن وہ دوڑے دوڑے باہر سے آئے اور حضرت والد صاحب سے کہا کہ دودھ دینے والے نے کاریز یعنی نہر سے دودھ کی بالٹی میں چلو بھر کر پانی ڈالا ہے۔ اتنے میں دودھ والا دودھ دینے کے لئے آگیا۔ حضرت والد صاحب نے اس سے کہا کہ یہ لڑکا بتلاتا ہے کہ اِس کے سامنے تم نے دودھ میں پانی ڈالا ہے؟ تو اُس نے کہا: ''آغا! شیر بے آب و تمبا کو بے خاک نہ شود'' کہ آقا دودھ بغیر پانی کے اور تمبا کو بغیر مٹی کے نہیں ہو سکتا اور تحصلیدار صاحب نے آج مجھ سے ایک سیر دودھ زیادہ لیا ہے تو اس کمی کو کاریز (نہر) کے پانی سے پورا کیا ہے۔

صاحبزادہ محمد خورشید صاحب

ایک سال بعد صاحب زادہ محمد خورشید صاحب جو کہ بعد میں صوبہ سرحد کے گورنر ہوئے ہیں ان کی تعیناتی بطور افسر خاص زلزلہ زدگان پشاور میں ہوئی۔ ان کی واقفیت حضرت والد صاحب سے ہو گئی۔ انہوں نے حضرت والد صاحب سے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی۔ وہ حضرت والد صاحب کی بڑی عزت و احترام کرتے تھے اور ان کو خدا رسیدہ انسان سمجھتے تھے۔

کوئٹہ کی حالت زار اور بورڈنگ ہاؤس

کوئٹہ چونکہ زلزلہ کی وجہ سے بالکل مسمار ہو گیا تھا اس لئے کوئٹہ کے لڑکوں کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے ان کا انتظام پشین میں کیا گیا۔ وہاں پر شہر کے ایک طرف کچھ دُکانیں بنیں تھیں ان کو بطور ہاسٹل استعمال کیا گیا۔ مجھے اس ہاسٹل میں خوراک وغیرہ کا نگران مقرر کیا گیا۔ ہاسٹل کے قریب تر ایک ہندو دُکاّندار نے آکر مجھ سے کہا کہ مَیں تم کو ایک سو روپیہ ماہوار دیا کروں گا تم ہاسٹل کا تمام سامان مجھ سے لیا کرو۔ میں نے رشوت لینے سے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگا کہ تم بچے ہو نہیں سمجھتے اس سے تمہارا بڑا بھلا ہو گا۔

میں نے اس دکاندار سے کہا کہ میں احمدی مسلمان ہوں اور یہ رقم مجھ پر حرام ہے۔

بورڈنگ ہاؤس کا چونکہ کوئی صحن نہیں تھا اس لئے لڑکے گرمیوں میں باہر سڑک پر چارپائی ڈال کر سو جاتے تھے۔ ایک دن چند شرارتی لڑکوں کو ایک شرارت سوجھی۔ انہوں نے ٹانگہ کے پہیہ کا کالا ربڑ لے کر اس کو اس طرح سے تراشا کہ وہ کالا سانپ نظر آتا۔ گرمیوں میں لوگ رات کو اس سڑک پر سیر کے لئے باہر نکلتے تھے جن میں ایک سکھ ڈاکٹر اور ان کی بیوی بھی ہوتی تھی۔ یہ شرارتی لڑکے اس ربڑ کے ساتھ لمبی سُوت کی رسی باندھ کر سڑک کے بیچ میں چھوڑ جاتے تھے اور جب کوئی گزرتا تو چارپائی پر پڑے پڑے اس رسی کو کھینچ لیتے تھے جو دور سے سانپ نظر آتا تھا۔ جب وہ سکھ ڈاکٹر صاحب مع بیوی کے سیر سے واپس آرہے تھے تو لڑکوں نے رسی کھینچنی شروع کی۔ سکھ ڈاکٹر صاحب نے پتھر لے کر اس ربڑ کو مارنا شروع کیا مگر ربڑ بدستور سانپ کی طرح ہلتا۔ اس سے اس کی بیوی بہت گھبرائی اور ڈر کے مارے گر گئی اور زخمی ہوگئی۔ کئی دنوں بعد یہ راز افشا ہوا اور ان لڑکوں کو ہیڈ ماسٹر صاحب نے بدنی سزا دی اور ڈاکٹر صاحب سے معافی مانگی مگر سکھ ڈاکٹر نہیں مانتا تھا وہ بضد تھا کہ مَیں نے مقدمہ عدالت میں لے جانا ہے مگر پولیس والے یہ کیس نہیں لیتے تھے کہ یہ بچوں کی شرارت تھی جس کی ان کو سزا مل گئی ہے۔

پنجابی زبان میں مہارت

میرے بھائی عبدالجلیل خان مرحوم جو کہ لائل پور زرعی کالج سے B.Sc تھے اُنہوں نے گھر میں امرت دھارا بنایا تھا جو ہر قسم کے پیٹ اور سر درد کے لئے مفید تھا۔ ہمارے ہاسٹل کے باورچی ابراہیم نے ایک دن آکر مجھے پنجابی میں کہا کہ "میرے ڈِڈھ وچ بڑی پیڑ اے" یعنی "میرے پیٹ میں بڑا درد ہے۔" میں سمجھا یہ کہتا ہے کہ میرے سر میں سخت درد ہے۔ میں نے امرت دھارا اس کے سر پر مل کر اس کو کہا کہ سر کو مضبوط کپڑے سے باندھو۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آیا اور کہا کہ درد میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کہا کدھر درد ہے تو اس نے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پیٹ میں درد ہے۔ میں نے کہا کہ میں سمجھا تھا کہ سر میں درد ہے اس لئے تمہارے سر پر دوائی باندھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ پنجابی زبان بھی سیکھنی چاہیے اور پھر بعد میں مَیں نے پنجابی زبان میں خوب مہارت حاصل کر لی تھی۔

عملی زندگی

میں نے میٹرک کا امتحان 1935ء میں پشین سکول سے پاس کیا۔ اُن دنوں تمام صوبہ بلوچستان، پنجاب اور کشمیر "پنجاب یونیورسٹی" کے ماتحت تھا اور شمالی ہندوستان میں یہ ایک ہی یونیورسٹی تھی۔ سکول سے فارغ ہونے کے بعد میں نے 1936ء میں محکمہ پوسٹ آفس میں بطور کلرک کام کیا۔ ان دنوں یہ قانون تھا کہ پوسٹ آفس کے عملہ کا ہر آدمی پوسٹ آفس انشورنس میں اپنے آپ کو انشورڈ کروائے گا۔

نظامِ وصیت میں شامل

چند ماہ بعد مجھے بھی انشورنس کا غذات پُر کرنے کے لئے دیئے گئے۔ میں پوسٹ آفس سے یہ فارم لے کر حیران تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو زندگی کا بیمہ کروانے منع فرمایا ہے اب کیا بنے گا؟ اتنے میں چودھری نواب امین صاحب جو کہ آرسنل میں کام کرتے تھے مجھ سے ماہوار چندہ وصول کرنے تشریف لائے۔ مجھے پریشان دیکھ کر میری پریشانی کی وجہ پوچھی۔ پریشانی کی وجہ بتلانے پر انہوں نے فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک ایسے محکمہ سے انشورڈ کرتا ہوں جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور اس انشورنس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت بھی دی ہے بلکہ اصرار فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون سا محکمہ ہے تو انہوں نے جھٹ تھیلے میں سے وصیت فارم نکال کر میرے سامنے رکھا اور فرمایا کہ اس پر دستخط کر لیں اور چندہ 16 / 1 کی بجائے 10 / 1 دیا کریں۔ سو بفضلہٖ تعالیٰ میں 1936ء سے موصی ہوں اور میرا وصیت نمبر 5165 ہے۔ الحمدللہ

ملازمت

کوئٹہ سے میری تبدیلی چمن بلوچستان ہو گئی اور پھر چند ماہ بعد مہینہ کے آخر میں میری تبدیلی دوبارہ کوئٹہ ہو گئی۔ میرے پاس خرچ کے لئے رقم ختم ہو گئی۔ کئی لوگوں سے رقم قرض مانگا مگر چونکہ میں نیا تھا اور مہینہ کا اخیر بھی تھا کسی نے مجھے رقم قرض نہیں دی۔ میرے پاس ایک آنہ رہ گیا تھا اور تنخواہ کے حاصل کرنے میں ابھی تین دن باقی تھے۔ میں اس ایک آنہ میں سے روزانہ ایک پیسہ کے چنے خرید کر اس پر گزارہ کرتا تھا اور یکم کو جب تنخواہ ملی تو ہوٹل میں جا کر بھوک کی سب کسر پوری کی۔

سبّی میں تبادلہ اور گرمی کی شدّت

کوئٹہ سے ماہ جون میں میرا تبادلہ سبی میں ہو گیا۔ سبی ایک بہت ہی گرم مقام ہے۔ سبی اور ڈھاڈر کے متعلق یہ مفروضہ ہے کہ "سبی وڈھاڈر ساختی دوزخ چرا پر داختی" اے خدا! جب تو نے سبی اور ڈھاڈر کو بنادیا تھاتو پھر دوزخ کو کیوں بنایا ہے؟ گرمی کا یہ حال تھا کہ دن کے وقت سخت گرمی ہوتی تھی۔ دفتروں اور گھروں میں ریت بچھائی جاتی تھی اور اُس پر پانی ڈالا جاتا تھا اور پھر ہاتھ کا پنکھا چلایا جاتا تھا۔ رات کے وقت آدھی رات کے بعد سخت لُو چلتی تھی۔ چارپائی پر چٹائی بچھائی جاتی تھی اور اُس پر پانی ڈالا جاتا تھا اور قریب ہی رضائی پڑی ہوتی تھی۔ آدھی رات کو جب گرم لُو چلتی تھی تو لوگ لُو سے بچنے کے لیے رضائی اوڑھ لیتے تھے۔ ریل کی تمام گاڑیاں رات کو سبی سے گزرتی تھیں۔ جب سبی اسٹیشن پر گاڑی پہنچ جاتی تھی تو مسافر سندھ کے ریگستان سے آنے کی وجہ سے منہ ہاتھ دھونے کے لئے اسٹیشن کے نلکے پر جاتے تھے۔ جب وہ نلکا کھول لیتے تو اس میں سے کھولتا ہوا پانی نکلتا تھا۔

کسٹم آفیسر کی نوکری

ڈاک خانہ کے محکمانہ امتحان میں خاکسار فیل ہو گیا اور مجھے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے والد صاحب کے پاس مستونگ چلا آیا۔ مستونگ میں والد صاحب کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مجھے ریاست قلّات میں ملازمت ملی اور مجھے جیونی بندر گاہ پر کسٹم آفیسر مقرر کیا گیا۔ جیونی بندر گاہ پر ریاست کی طرف سے یہ ایک ہی افسر ہوتا تھا جو بیک وقت ریونیو افسر، جوڈیشنل افسر اور کسٹم افسر بھی ہوتا تھا۔

نئی ملازمت اور امتحان

جیونی بندر گاہ کے قریب ایک چھوٹی سی بندر گاہ تھی جس کو "ہور" کہتے ہیں۔ وہ Seaplane کے اترنے کے لئے بنائی گئی تھی جہاں Boat کا آفس تھا وہاں پر آسٹریلیا جانے والے جہاز تیل لیتے تھے۔ یہ تیل ایران سے ایک جہاز کے ذریعہ آتا تھا جس کو خوزستان کہتے تھے۔ یہ جہاز مہینہ میں چار پانچ چکر لگاتا

تھا اور ریاست قلّات ہر جہاز سے ایک لاکھ روپیہ کسٹم ڈیوٹی وصول کرتا تھا۔ مجھ سے پہلے جتنے بھی افسر تھے وہ کاغذات میں مہینہ میں دوبار بحری جہاز خوزستان کا آنا بتلاتے اور باقی لاکھوں روپیہ بغیر اندراج کے خود ضبط کر لیتے اور سال ڈیڑھ سال ملازمت کرنے کے بعد چلے جاتے تھے۔ میں نے محکمہ کو حکم دیا کہ ہر جہاز کی آمد کو درج کیا جائے اور پوری رقم کسٹم ڈیوٹی کی وصول کرکے داخل خزانہ کی جائے۔ میرے اس اقدام سے Boat والے بہت گھبرائے اینگلو ایرانین آئل کمپنی کا ایک افسر مسٹر پنگلی "ہور" آیا اور اپنے مقامی نمائندہ مسٹر مارٹن کے ہاں قیام کیا۔ مسٹر مارٹن نے مجھے پیغام بھیجا کہ ہمارے ایک افسر ایران سے آئے ہیں وہ آپ کے ساتھ چائے پینے کی خواہش کرتے ہیں۔ مَیں نے چائے وغیرہ کا مناسب انتظام کیا۔ مسٹر پنگلی اور مسٹر مارٹن جیونی آئے۔ مجھے ان دنوں انگریزی پر عبور نہ تھا۔ نیا نیا سکول سے نکلا تھا۔ مسٹر مارٹن کو بلوچی زبان آتی تھی۔ مسٹر پنگلی انگریزی میں گفتگو کرتے اور مسٹر مارٹن بلوچی زبان میں ترجمانی کرتے۔ مسٹر پنگلی نے بڑا زور لگایا کہ حسب سابق دو جہاز پر کسٹم وصول کیا جائے اور باقی دو یا تین جہاز کا کسٹم حسب سابق ہم اور آپس میں تقسیم کیا جائے۔ مَیں نے ان کی offer کو دھتکار دیا وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے اور کہا کہ یہ بچہ ہے اس کو اپنے future کا قطعاً خیال نہیں ہے۔ چند ماہ بعد ریاست قلات کے وزیروں نے جیونی کا دورہ شروع کیا اور مجھ سے اپنا حصہ مانگنے لگے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ میں نے ساری رقم حکومت کے خزانہ میں داخل کر دی ہے میرے پاس کوئی رقم تم لوگوں کو دینے کے لئے نہیں ہے اس سے وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔

جیونی میں تمام تجارت سندھی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی وہ چھوٹا voucher پیش کرکے دس ہزار کا مال دو سو کا بتلا کر اس پر کسٹم ادا کرتے جو 6 فیصدی تھا۔ ایک دفعہ ایک ہندو نے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کی گھڑیوں کو چند سو کا بتلایا اور کسٹم ادا کرنے کے لئے کہا۔ میں نے کسٹم کلرک سے کہا کہ اس سے یہ کسٹم لے لو اور ان تمام گھڑیوں کو 10 فیصدی منافع دے کر سرکاری خزانہ میں رقم ادا کرکے ضبط کر لو اس پر وہ ہندو سخت سٹپٹایا۔ اور اصلی Voucher پیش کرکے کسٹم کی رقم ادا کی۔ اسی طرح مچھیرے بھی جو سب مکرانی تھے مختلف ہتھکنڈے سرکاری رقم کو خورد برد کرنے کے لئے کرتے۔ میں نے ان کو بھی

reorganise کرایا۔ وزیر اعظم صاحب کے پاس میری شکایت جانی شروع ہو گئی کہ موجودہ کسٹم آفیسر سخت رشوت خور اور بد دیانت ہے۔ نو ماہ بعد مجھے جیونی بندر گاہ سے صدر دفتر قلات میں تبدیل کیا گیا۔ جہاں پر میں نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور جیونی بندر گاہ سے مقروض ہو کر واپس آیا۔

جیونی کے حالات

جیونی بندر گاہ میں ڈاک کا بالکل انتظام نہ تھا۔ گوادر میں مہینہ میں ایک بار بحری جہاز ٹھہرتا تھا اور اس میں جو ڈاک جیونی کے لئے ہوتی تھی وہ ایک خاص آدمی بھیج کر منگوائی جاتی تھی۔ ہور میں مکرانی لیویز فورس کا ایک دستہ انگریزوں کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔ لیویز فورس کا صوبہ دار لالہ خان ایک اَن پڑھ مگر معقول آدمی تھا وہ انگریزوں کے لئے سودا سلف خریدنے جیونی آتا تھا، اس سے واقفیت ہو گئی تھی۔ میں نے لالہ خان سے کہا کہ میں یہاں پر اکیلا تنگ آگیا ہوں۔ اگر تم انگریزوں سے کچھ رسالے لے کر مجھے مطالعہ کے لئے بھیج دو تو اچھا ہو گا اور یہ رسالے پڑھنے کے بعد میں واپس کر دیا کروں گا۔ دوسرے دن صوبہ دار لالہ خان نے مجھے ایک بنڈل اخبارات کا بھیجا وہ الفضل تھے۔ دوسری دفعہ جب وہ جیونی آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم کو یہ اخبارات کہاں سے ملے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہاں پر ایک پنجابی اوورسیئر کام کرتا تھا اس کے لئے یہ اخبارات بنڈل کی صورت میں آتے تھے۔ اب وہ یہاں سے چلا گیا ہے مگر اخبارات بدستور آرہے ہیں۔ چونکہ اخبارات اردو میں ہیں اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں یہ اخبارات آپ کو بھیج دوں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آٹھ ماہ تک مجھے اخبار الفضل مہیا کرنا شروع کیا۔ الحمد للہ

ذکری فرقہ

جیونی مکران کی ایک بندر گاہ ہے اور یہاں جانے کے لئے براستہ سڑک تربت میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ تربت ایک گرم شہر ہے۔ آم اور کھجور زیادہ ہوتے ہیں۔ ذکری فرقہ کا صدر مقام تربت ہے۔ ذکری لوگ نماز تہجد پڑھتے ہیں۔ تربت میں کوہ مراد پر انہوں نے صفا و مروہ بنایا ہے اور ذکری لوگ حج کے لئے کوہ مراد پر جاتے ہیں اور چند ایک ذکر کرتے ہیں وہ ایک شخص محمد نام کو مہدی کر کے پکارتے ہیں اور اس کے پیرو کار ہیں۔

مکران میں حکومت کی بد عملی

مکران میں مَیں نے حکومت کی بد عملی دیکھی۔ ایک طرف نواب مکران کی حکومت تھی۔ دوسری طرف ریاست قلّات کی طرف سے علیحدہ وزیرِ مکران تھا جو اپنا حکم چلاتا تھا اور تیسری طرف مکران لیویز فورس کا عملہ تھا جو پولیٹیکل ایجنٹ کی طرف سے لوگوں پر نظر رکھتا تھا۔ ایک شخص بیک وقت تین حُکّام کا ماتحت تھا۔ مکران کی سرحد ایران سے ملتی تھی اور ایرانین مکران بھی سب بلوچ ہیں جو بغیر پاسپورٹ کے مکران میں داخل ہوتے تھے۔ رشوت خوب چلتی تھی اور ہر ایک حاکم اپنا حصہ مانگتا تھا۔ رعایا کی حالت بہت بری تھی۔

جیونی جانے کے لئے جس ویگن سے میں جارہا تھا وہ خراب ہو گئی۔ ان دنوں پسنی بندر گاہ پر غیر ممالک سے سامان کم کسٹم پر آتا تھا اور اس سامان کو لے کر درجنوں لاریاں چلتی تھیں۔ مستوفی صاحب تربت نے (تحصیل کے حاکم اعلیٰ کو ریاست قلات میں مستوفی کہتے تھے) ایک سکھ لاری ڈرائیور کو حکم دیا جو پسنی سے سامان لے کر تربت پہنچا تھا اور کوئٹہ اس کی منزل مقصود تھی کہ تم اپنا سامان اُتارو اور کسٹم افسر صاحب کو جیونی پہنچاؤ۔ اس سکھ ڈرائیور نے بڑا شور مچایا مگر اس کی کوئی بات سنی نہ گئی۔ اس کے ٹرک سے سامان اتارا گیا اور اس میں مجھے بٹھا کر 200 میل دُور تربت پہنچایا گیا۔ سکھ ڈرائیور کو اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا نہ پٹرول کے لئے رقم دی گئی۔ ریاست قلّات میں اس قسم کے ظالمانہ احکامات عام تھے۔ جب مستوفی صاحب کو میں نے کہا کہ اس سکھ ڈرائیور کو دینے کے لئے میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے تو اس نے کہا کہ خاموش رہو۔ ریاست میں بیگار لینا عام بات ہے۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں مَیں نے ٹرک کا انتظام کیا ہے تم بری الذمّہ ہو۔

سندھی ہندو کی مہمان نوازی

جیونی سے واپسی پر ایک سڑک کے ذریعہ سفر کر رہا تھا۔ دس بارہ آدمی اور بھی تھے۔ راستہ میں ایک ندی بہت بارش ہونے کی وجہ سے بہہ رہی تھی اور ندی کو عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مکران میں تمام سڑکیں کچی تھیں۔ ہم ندی کے ایک طرف رک گئے اور قریب ہی گاؤں میں آدمی کھانا وغیرہ لینے

کے لئے پہنچا۔ اس گاؤں کے سندھی ہندو دکاندار نے ہم سب کو بلایا اور چھ دن تک ہماری مہمان نوازی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ندی میں پانی کم ہو گیا پھر اس نے گاؤں کے لوگوں سے کہہ کر قریب جنگل سے لکڑیاں کاٹیں اور ان کو کافی مقدار میں ندی میں ڈالا۔ اس طرح سے بڑی مشکل سے ٹرک کو ندی سے پار کرایا۔ اس سندھی ہندو کی مہمان نوازی ابھی تک مجھے یاد ہے۔

مکران میں بُردہ فروشی

جیونی کی سرحد ایرانین مکران سے ملتی تھی۔ ایران کا وہ علاقہ بھی مکران کہلاتا ہے اور دونوں طرف کے لوگ آزادانہ ایک دوسرے علاقے میں آجاسکتے ہیں۔ دونوں طرف مکرانی بلوچ قوم آباد ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ چند مکرانی بدمعاش ایرانین مکران سے عورتوں کو اغوا کرتے ہیں یا وہاں سے خرید کر لاتے ہیں اور پھر ان کو سبّی وغیرہ میں فروخت کر دیتے ہیں۔ ان کا اغواشدہ عورتوں کا اڈہ جیونی میں تھا اور مجھ سے سابقہ تمام افسران ان لوگوں سے ملے ہوئے تھے اور ان سے اپنا کمیشن وصول کرتے تھے۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کاروبار کا قلع قمع کروں گا۔ میرے ماتحت عملہ اور لیویز کے ممبران نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ آپ کے پاس کل بیس نفری لیویز ہے اور وہ بھی فرسودہ بندوقوں کے ساتھ۔ اغواکنندگان کے پاس جدید اسلحہ ہوتا ہے اور ان کا جتھّہ بہت مضبوط ہے مگر میں نے کہا کہ میں نے یہ کام ضرور کرنا ہے۔ میں نے لیویز کے جمعدار ہیبت خان سے کہا کہ جب بھی یہ گروہ ایران سے جیونی میں داخل ہو تو مجھے اطلاع کریں۔ ایک دن جمعدار صاحب آئے اور کہا کہ صاحب فلاں بدمعاش دس عورتوں کے ساتھ فلاں کودہ کے مکان میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہاں پر گاؤں کے مالک کو کودہ کہتے ہیں۔

میں چند لیویز کے آدمیوں کو لے کر سیدھا اس کودہ کے مکان پر گیا اور لیویز سمیت اس کے مکان میں گھس گیا۔ وہ بدمعاش اغواشدہ عورتوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی پہلے اس کی بندوق پر قبضہ کیا اور پھر اس کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا اور منہ پر چند چپت رسید کیں اور لیویز کے آدمیوں سے کہا کہ اس کو باندھ کر دفتر میں پیش کریں۔ وہ بدمعاش میری اس جرأت سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ اس کے گروہ کے سب آدمی بھاگ گئے۔ اس بدمعاش کو تحصیل میں لا کر میں نے ایک کھمبے (Lamp post)

سے باندھ دیا اور لیویز کے ایک آدمی کو کہا کہ اس کو خوب مارو اور لوگوں کے سامنے مارو۔ سب شہر کو جمع کیا گیا اور ان سب کے سامنے اس کو خوب بدنی سزا دی گئی پھر اس سے وعدہ لیا کہ وہ پھر اس علاقہ میں یہ کاروبار نہیں کرے گا۔ خدا کی قدرت اس پر اتنا رُعب طاری ہوا کہ وہ مع اپنے گروہ کے گوادر کی طرف بھاگ گیا اور پھر دوبارہ کبھی جیونی کا رخ نہ کیا۔ لوگ حیران تھے کہ ایک نوجوان بظاہر بچہ افسر نے اتنی جرأت دکھائی۔ اِس واقعہ کا سارے جیونی کے لوگوں پر اتنا رُعب ہوا کہ میرے دوران قیام جیونی میں پھر کسی بدمعاش نے سر نہ اُٹھایا۔ یہ سب خدا کا فضل تھا۔ اب میں خود بھی اس واقعہ پر جب غور کرتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ میں نے یہ جرأت کیسے کی اور کیسے اتنا بڑا اقدم اُٹھایا؟ مکرانی لوگ پٹھانوں سے بہت ڈرتے ہیں کچھ یہ وجہ بھی تھی۔ مشہور ہوا کہ ایک پٹھان افسر آیا ہے جو بہت بے لحاظ ہے۔

ساحلی لوگوں کی اخلاقی حالت

ساحل سمندر کے رہنے والے لوگ چال چلن کی وجہ سے بہت بدنام ہیں خاص کر ان کی مستورات۔ میرے بڑے بھائی عبدالحیٔ خان جو کہ ریاست لس بیلہ میں خاور خان کے اتالیق رہے تھے، نے مجھے لکھا کہ تم جیونی جارہے ہو جو کہ ساحل سمندر ہے۔ وہاں پر تمہاری پاک دامنی کا امتحان ہو گا اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ہر شر سے محفوظ رکھا۔ الحمدللہ

مجھے حکومت کی طرف سے ایک مہاری یعنی اونٹ علاقہ میں سفر کرنے کے لئے ملا ہوا تھا۔ میرے اونٹ کا سوار داؤد ایک دفعہ ایک لڑکے کو پکڑے ہوئے آیا کہ اس کو میں نے اپنی بیوی کے ساتھ نامناسب حالت میں پکڑا ہے۔ میں نے لڑکے کو حوالات میں ڈال دیا اور مقدمہ شروع کرنے کے لئے داؤد کو کہا کہ وہ دفتر میں درخواست داخل کرے۔ داؤد کا سالا میرے لئے میٹھا پانی دور سے لایا کرتا تھا۔ ساحل سمندر پر میٹھا پانی نہیں ملتا۔ میں نے داؤد کے سالے سے کہا کہ تمہاری بہن نے یہ کیا برا کام کیا؟ اس نے کہا کہ صاحب برا کام داؤد نے کیا ہے میری بہن نے نہیں کیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ داؤد کو "اُپار" کرنا چاہیے تھا۔ یہ ان لوگوں کا لفظ ہے یعنی درگزر سے کام لینا چاہیے تھا۔ چند دن بعد

داؤد آیا اور رو کر کہنے لگا کہ "واجہ منا اوپار کنم" یعنی بلوچی زبان میں کہا کہ آقا! میں نے معاف کر دیا ہے آپ اس لڑکے کو چھوڑ دیں کیونکہ ملک کے دستور کے خلاف کام کیا ہے۔ یعنی رپورٹ نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ اُپار سے کام لینا چاہیے تھا۔

ریاست قلّات میں کوئی تعزیرات نہیں تھیں وہاں حاکم وقت کا حکم قانون تھا اور مقدمات کا فیصلہ حاکم وقت کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا یا پھر مقدمات اور جھگڑوں کو جرگہ میں پیش کیا جاتا تھا۔ جرگہ میں چند "کودے" یعنی ملِک ہوتے ہیں اور مقدمہ کا فیصلہ ملکی رواج اور رسومات کے مطابق کیا جاتا ہے اور اس میں بھی اثر ور سوخ اور رشوت کا پلّہ بھاری ہوتا تھا۔

جیونی کے قاضی کی آمد

ایک دفعہ جیونی کے قاضی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ سب مقدمات کا خود فیصلہ کرتے ہیں یا جرگہ کو دے دیتے ہیں مجھے کوئی مقدمہ فیصلہ کرنے کے لئے نہیں بھیجا جا رہا ہے جس کی وجہ سے میں فاقوں سے مر رہا ہوں۔ بعد میں مجھے بتلایا گیا کہ قاضی صاحب فریقین سے رقم لے کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتے ہیں جو زیادہ رقم ان کو ادا کرتا ہے اس لئے لوگوں کی کوشش ہوتی تھی کہ جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ میرے ذریعہ سے ہو۔ میں بالکل نوجوان اور ناتجربہ کار تھا مگر اللہ تعالیٰ مجھے بہترین فیصلہ کی توفیق عطا فرماتا رہا اور رشوت وغیرہ سے میرا پہلو پاک رکھا۔ الحمدللہ۔ اور لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ ایک عجیب نوجوان ہے جس کو زر و مال سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو سادہ رہتا ہے اور سادہ کھاتا ہے۔

شادی خانہ آبادی اور نئی ملازمت

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے جیونی سے میرا تبادلہ وزیر اعظم کے دفتر قلّات میں کیا گیا۔ میں نے چند ماہ بعد وہاں سے استعفٰی دے دیا اور مستونگ چلا آیا۔ میرا رشتہ خان خواص خان صاحب کی بڑی لڑکی بی بی عائشہ سے ہو گیا تھا۔ خواص خان صاحب P.W.D میں ایس ای کے دفتر میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ بہت نیک انسان تھے۔ نڈر اور قابل انسان تھے۔ سب ان کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے۔ سول کوارٹرز جہاں وہ رہائش رکھتے تھے وہاں کے احباب ان کے مکان پر نماز باجماعت ادا کرتے

تھے۔ بہت دعوت الی اللہ کرتے تھے اور ان کی کوششوں اور تبلیغ سے کئی دوست سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر دو تین غیر احمدیوں کو ضرور ربوہ جلسہ پر لے جاتے تھے اور ان کا تمام خرچ خود برداشت کرتے تھے۔ P.W.D میں بطور اسسٹنٹ سیکرٹری ریٹائرڈ ہوئے۔ موصی تھے اور اب بہشتی مقبرہ ربوہ میں آرام فرمارہے ہیں۔ مسجد احمدیہ سول کوارٹرز میں انہی کے محکمہ P.W.D میں ملازم ہونے کے لئے محکمانہ امتحان ہونے والا تھا۔ محترم خواص خان صاحب نے مجھے مستونگ سے بلایا۔ امتحان میں شامل ہوا اور کامیاب ہوا اور مجھے P.W.D. میں ملازمت مل گئی۔ میری پہلی ملازمت بطور اسسٹنٹ سٹور کیپر پشاور ہوئی۔ سٹور کیپر ایک ہندو ہزاری لال تھا اور چوکیدار حاجی ولی محمد تھا۔ میں نے دیکھا کہ سٹور میں سب سے زیادہ غبن ہوتا ہے۔ حاجی ولی محمد پتھر کا کوئلہ بیچ لیتا تھا اس طرح ہزاری لال لوہے کی سلاخیں، رنگ کے ڈبے اور پینٹ فروخت کرتا تھا۔ میں نے محترم خواص خان صاحب سے ان کی شکایت کی اور عرض کیا کہ ان حالات میں مَیں وہاں پر ملازمت نہیں کر سکتا۔

رشوت سے پاک نئی ملازمت

محکمہ بجلی کو چند پاس شدہ کلرکوں کی ضرورت تھی۔ محترم خواص خان صاحب نے مجھے محکمہ بجلی کو دے دیا اور میں دفتر چیف انجینئر بجلی میں بطور کلرک کام کرتا رہا اور اپنی اس حالت پر بہت خوش تھا کیونکہ یہاں پر رشوت وغیرہ کا چکر نہیں تھا۔ ترقی کرتے کرتے میں سرکل دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہوا کہ ایک دن میرے S.E نے مجھ سے پوچھا آج کیا خبریں ہیں؟ ان دنوں جنرل ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے کچھ بھی علم نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس ریڈیو نہیں ہے؟ میں نے کہا میرے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ انہوں نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر مجھے دو سو روپے دے دیئے کہ جاؤ ابھی ریڈیو خرید لو۔ یہ عجیب بات ہے کہ آفس سپرنٹنڈنٹ کے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ ان دنوں دو سو روپے میں چھوٹا ریڈیو مل جاتا تھا جو میں نے خرید لیا۔

شرابی ایس ای صاحب

یہ S.E صاحب شراب کے سخت رسیا تھے۔ ایک دن ان سے شراب کے متعلق گفتگو ہوئی۔

انہوں نے جواب دیا میں کسی کو نقصان نہیں دیتا، کسی سے برائی نہیں کرتا خدا کو میرے ذاتی فعل سے کیا تعلق؟ اس مسئلہ پر ان سے کافی گفتگو ہوئی۔ آخر وہ اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ میں شراب چھوڑ دوں گا مگر آہستہ آہستہ۔ یکدم چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ آپ تاریخ کے خلاف کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جب حرمت شراب کا حکم آیا تو عرب لوگ جو شراب کے سخت رسیا تھے حرمت شراب سننے سے فوراً شراب پینا چھوڑ گئے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ اُس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہتی تھی۔ انہوں نے تھوڑے عرصہ میں شراب پینا بند کر دی۔ مگر پھر شروع کر دی اور بعد میں زیادہ شراب کی وجہ سے ان کا جگر خراب ہو گیا اور وہ 48 سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

جماعتی ذمّہ داریاں۔ باشرح چندہ کی ادائیگی کی برکات

خاکسار 17 سال تک جماعت احمدیہ پشاور میں بطور سیکرٹری مال کام کرتا رہا ہے۔ اتنا لمبا عرصہ سیکرٹری مال رہنے سے مجھے یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو احمدی باشرح چندہ دیتا رہے اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو سرفراز رکھتا اور عجیب طرح ان کو دینی و دنیاوی ترقی عطا فرماتا ہے اور جو احمدی چندہ دینے میں کمزور ہو تو اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی اس کی اولاد کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ کی خدمت

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ بطور مربی پشاور میں آٹھ سال سے زائد رہے، اس تمام عرصہ میں میری بیوی نے ان کے کپڑے دھو کر اور استری کر کے ان کو دیئے اور ان سے بے شمار دعائیں لیں۔ حضرت راجیکیؓ کا درس بڑا پُر لطف ہوتا تھا اور روحانیت کو جلا بخشنے والا تھا۔ وہ پنجابی زبان میں فرماتے تھے:

> ”اولوگو! میرا درس سنو! میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی ہے اور ان کی خوب صورت آنکھیں دیکھی ہیں۔“

درس میں حضرت قاضی محمد یوسفؓ بھی ہوتے تھے اور احباب جماعت دور دور سے درس میں شامل ہوتے تھے۔ ہم سول کوارٹرز کے رہنے والے تین میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ کتنا روحانی ماحول تھا!

مسجد احمدیہ سول کوارٹرز کی بنیاد

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے ہی مسجد سول کوارٹرز کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی اور ایک لمبی دعا فرمائی۔ تعمیر مسجد سول کوارٹرز بھی ایک معجزہ ہے۔

سول کوارٹرز میں ایک کھلی جگہ پر غیر احمدی قناتیں لگا کر نمازیں باجماعت پڑھتے تھے بعد میں ان کو خیال آیا کہ قناتوں کی جگہ ایک مستقل مسجد ہونی چاہیے۔ اس کے لئے P.W.D کی اجازت ضروری تھی کیونکہ سول کوارٹرز گورنمنٹ پراپرٹی تھی جو .P.W.D کی تحویل میں تھی۔ سول کوارٹرز کے ہندوؤں کو جب علم ہوا کہ مسلمان مسجد کے لئے .P.W.D کی زمین کے لئے درخواست دے رہے ہیں تو انہوں نے بھی درخواست دے دی کہ ہم ہندو آبادی کو کوئی قطعہ دھرم سالہ بنانے کے لئے دیا جائے۔ جب یہ دونوں درخواستیں منسٹر کے پاس پہنچیں جو مسٹر اجیت سنگھ ایک سکھ تھے، انہوں نے ریمارک دیا کہ سکھ ایک علیحدہ مذہب ہے سکھوں کو بھی زمین برائے گوردوارہ مہیا کی جائے۔ یہ مثل جب واپس چیف انجینئر .P.W.D کے پاس آئی تو ان دنوں دفتر چیف انجینئر میں خان محمد خواص خان صاحب بطور اسسٹنٹ سیکرٹری کے کام کرتے تھے، انہوں نے فائل پر لکھ دیا کہ احمدی ایک علیحدہ فرقہ ہے ان کی علیحدہ مساجد ہیں۔ چونکہ غیر احمدی ان کو اپنی مسجدوں میں نمازیں پڑھنے نہیں دیتے اس لئے احمدیوں کے لئے علیحدہ زمین کی گنجائش کی جائے۔ البتہ احمدیوں کی طرف سے یہ گزارش ہے کہ ہم کو مفت زمین نہ دی جائے بلکہ قیمتاً دی جائے۔ چیف انجینئر مسٹر ہنس ورتھ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا۔ احمدیوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے لئے موزوں زمین پسند کر لیں۔ سول کوارٹرز کے جنوبی جانب ایک ڈھیری تھی چونکہ اس کا رقبہ زیادہ تھا اس لئے احمدیوں نے لکھا کہ ہمیں یہ ڈھیری فراہم کی جائے۔ اِس قطعہ کا رقبہ ڈیڑھ کنال ہے۔

غیر احمدیوں کی مضحکہ خیز منطق

محکمہ .P.W.D نے ایک اشتہار حسب قواعد شائع کیا کہ یہ زمین احمدیوں کو مسجد بنانے کے لئے سرکار دینا چاہتی ہے جس کسی کو اعتراض ہو وہ اپنا اعتراض پیش کرے۔ اس پر غیر احمدیوں نے اعتراض کیا کہ اس ڈھیری سے ملحق مسلمانوں کا قبرستان ہے احمدی اذان دیں گے جس سے ہمارے مردوں کو

تکلیف ہو گی اس لئے یہ مسجد یہاں پر بننے نہ دی جائے۔ حکومت نے یہ مسئلہ ایڈووکیٹ جنرل کو رائے کے لئے بھیجا۔ ایڈووکیٹ جنرل ملک خدا بخش صاحب تھے۔ انہوں نے ریمارک دیا کہ قبرستان میں مردے کچھ نہیں سن سکتے۔ دوسرا یہ کہ میں نے احمدیوں کی اذان کو خود ایک احمدی کو بلا کر اس سے سنا ہے ان کی اذان اور مسلمانوں کی اذان میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ خدائے ذوالجلال کی وحدانیت کی آواز ہے۔ یہ اعتراض فضول ہے۔

اس عرصہ میں محکمہ P.W.D. نے دوسرا notification جاری کرکے یہ زمین احمدیوں کے حوالہ کر دی۔ ایک عرصہ تک یہ زمین ایسے ہی پڑی رہی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس ڈھیری پر کیسے عمارت تعمیر کی جائے؟

پاکستان بننے کے بعد مرزا عبد المجید صاحب D.S.P ریٹائر ہوئے۔ وہ دراصل اوور سیئر پاس تھے مگر P.W.D. میں رشوت کی وجہ سے وہ ملازمت چھوڑ کر پولیس میں بطور کلرک ملازم ہوئے اور بعد میں ریگولر پولیس میں آکر بطور D.S.P ریٹائر ہوئے۔ تمام عمر مرزا صاحب موصوف تھانوں کی بجائے دفتروں میں کام کرتے رہے۔ وہ I.G کے دفتر میں D.S.P تھے اور ان کو اس D.S.P پر بڑا اعتماد تھا۔

مسجد کی تعمیر

مرزا صاحب جب ریٹائرڈ ہوئے تو ہم نے ان سے درخواست کی کہ اس ڈھیری پر ہمیں ایک مسجد بنا دیں۔ پاکستان بننے کے بعد سکھ اور ہندو چلے گئے تھے۔ سکھوں کا گوردوارہ خالی پڑا تھا۔ ہم میں سے بعض احمدیوں کا یہ خیال ہوا کیوں نہ اس گور دوارہ پر قبضہ کیا جائے مگر میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس صاحب مرحوم نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور فرمایا: ہماری اپنی مسجد ہونی چاہیے۔ مرزا صاحب فرمانے لگے: مسجد تو میں بنا دوں گا مگر پہلے میرے ہاتھ میں پانچ سو روپیہ رکھیں۔ ہمارے پاس پانچ سو روپے تھے۔ مکرم بریگیڈیر ضیاءُ الحسن صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیں گے۔ ان دنوں ضیاءُ الحسن صاحب فوج میں میجر تھے ان سے جب مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے دو ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ باقی بندوبست میں کر دوں گا۔

جب مرزا صاحب نے بلڈوزر منگوا کر اس زمین کو ہموار کرنے کی بات کی تو غیر احمدیوں نے بڑا شور کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم احمدیوں کی مسجد نہیں بننے دیں گے اور ساتھ ہی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ احمدی غیر مسلم ہیں ان کی موجودگی میں ہمارے مُردوں کو تکلیف ہوگی۔ مجسٹریٹ قلندر خان صاحب تھے۔ جب شورش نے زور پکڑا تو چیف سیکرٹری مسٹر احمد نے چیف انجینئر کو ایک خط لکھا جس میں لکھا کہ رپورٹ ملی ہے کہ احمدی سرکاری کالونی میں مسجد بنا رہے ہیں جس سے بہت بڑا فتنہ اُٹھنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اِس مسجد کی تعمیر کو حکماً روک دیا جائے۔ مسجد کی تعمیر کے لئے پیش ازیں .P.W.D سے نقشہ منظور کرا لیا گیا تھا۔

اِس خط کے ملنے پر مسٹر ہنس ورتھ چیف انجینئر نے خان خواص خان صاحب سے دریافت کیا کہ مسجد کی کیا پوزیشن ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ابھی تعمیر کی ابتدا ہے۔ چیف انجینئر نے کہا کہ مسجد کو جلد تعمیر کر لو۔ اس پر احمدیوں نے یک دم چندہ جمع کر کے کوئی تیس ہزار کے قریب رقم جمع کی اور مکرم مولانا راجیکی صاحبؓ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر محترم قاضی محمد یوسف صاحب نے دوسری اینٹ رکھی اور مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ علاقہ کا تھانیدار خان خواص خان صاحب کا دوست تھا۔ انہوں نے کچھ نفری بھیج دی جو پہرہ دیتے تھے تا کہ کوئی شرارت نہ کرے۔ مسٹر قلندر خان ہر پیشی پر ہمارے وکیل مرزا غلام حیدر خان سے علیحدہ پوچھتے کہ مسجد کی تعمیر میں کتنی دیر ہے؟ اور پیشی دے جاتے۔ مسجد کا ایک کمرہ ایک ماہ میں بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہوا۔ خدام اور دیگر احباب نے بطور وقار عمل اس میں خوب کام کیا۔ خاکسار مرزا عبد المجید صاحب کے ساتھ بطور معاون کام کرتا رہا تمام اکاؤنٹ کا حساب رکھتا اور مزدوروں پر بطور نگران بھی کام کرتا رہا۔ جب مسجد مکمل ہو گئی تو خواص خان صاحب نے چیف انجینئر کو اطلاع دی کہ مسجد مکمل ہو گئی ہے۔ اب چیف انجینئر نے چیف سیکرٹری کو اس کے خط کا جواب دیا:

مسجد مکمل ہو چکی ہے اس کی تعمیر کے بند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ زمین گورنمنٹ نے احمدیوں کو خرید کر دی ہے اور احمدیوں نے P.W.D سے باقاعدہ اس کا نقشہ منظور کرایا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ خط آپ نے غلط دفتر کو لکھا ہے۔ تعمیر کو مسمار کرنا یا اس کی تعمیر کو روکنا پولیس کا کام ہے اس لئے اگر مسجد کو مسمار کرنا ہے تو بذریعہ پولیس کریں۔

اُدھر خان قلندر خان کو بتلایا گیا کہ مسجد مکمل ہو گئی ہے اُنہوں نے مقدمہ میں ایک تاریخ دی اور چونکہ حُسن اتفاق سے مخالف فریق حاضر نہیں تھے مقدمہ خارج کر دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک عظیم الشان مسجد ایک اونچی پہاڑی پر دی۔ مسجد میں بجلی کی فٹنگ شیخ مظفر الدین صاحب نے کی اور لاؤڈ سپیکر اور Amplifier بطور عطیہ دیا۔

مختلف ادوار میں مسجد کی توسیع

دو سال بعد شیخ مظفر الدین صاحب کی بیگم محترمہ وفات پا گئیں تو شیخ صاحب موصوف نے ان کی یاد میں ایک اَور کمرہ عورتوں کے لئے تعمیر کرایا۔ چند سال بعد حضرت قاضی صاحب نے تیسرا کمرہ بھی بنا دیا اور ساتھ ہی دو کوارٹرز بھی بنا دیئے تاکہ مربی صاحبان وہاں پر رک سکیں۔ اس طرح سے اب مسجد میں تین وسیع کمرے وسیع صحن اور دو مربیان کے لئے مکان ہیں۔ اب مکرم ارشاد احمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ نے اس مسجد میں بہترین غسل خانے وغیرہ بنوا کر اور مسجد کا فرش چپس کروا کر اور بھی خوب صورت کر دیا ہے۔ یہ مسجد پشاور میں احمدیوں کی جامع مسجد ہے۔

مسجد احمدیہ جہانگیر پورہ

اس کے علاوہ ایک مسجد اور بھی ہے جو محلہ جہانگیر پورہ پشاور شہر میں ہے۔ یہ مسجد نسبتاً چھوٹی ہے اور یہ ابتدائی احمدیوں کے لئے کافی تھی۔ یہ مسجد اس محلہ میں ہے جہاں پر مولوی غلام حسن خان نیازی کا مکان ہے اور غیر مبائعین کی مسجد بھی ہے۔ جناب قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے ایک ہندو کا گھر خرید کر شہر والی یہ مسجد بنائی اور حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ ایک عرصہ تک اس مسجد کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ یہ مسجد پرانے زمانہ کی ہونے کی وجہ سے بوسیدہ ہو گئی تھی۔ خستہ حالت میں تھی مگر کسی کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ اس مسجد کی تعمیر نو کریں۔ اتنے میں محکمہ میونسپلٹی نے نوٹس دیا کہ مسجد کی دو منزلہ عمارت کو ہم مسمار کر رہے ہیں تاکہ اس کے خود بخود گرنے سے محلہ والوں کا نقصان نہ ہو۔ اُس زمانہ میں برادرم

عبد القدوس خان امیر جماعت تھے۔ انہوں نے احباب سے اس مسجد کی تعمیر کے لئے درخواست کی اور مرکز سے بھی درخواست کی۔ مرکز نے پچاس ہزار روپیہ عنایت کیا۔ مرزا مقصود احمد چیف انجینئر P.W.D نے نقشہ تعمیر کیا۔ مسجد کو تھوڑا تھوڑا کر کے گراتے جاتے اور اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جاتی۔ ایک سال کے اندر تین لاکھ روپیہ سے یہ مسجد بمعہ مکان مربی و مہمان خانہ بہت پختہ تعمیر ہو گئی۔ الحمدللہ۔ اس کے ماتھے پر کلمہ طیّبہ سیمنٹ سے کندہ کیا گیا تھا جو پولیس نے حکومت کے آرڈر پر ہتھوڑوں سے کوٹ کوٹ کر مسمار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مزید جماعتی خدمات

خاکسار نے جماعت پشاور میں سترہ سال بطور سیکرٹری مال کام کیا۔

تین سال نائب امیر جماعت پشاور رہا۔

تین سال سیکرٹری جائیداد رہا۔

اب جماعت احمدیہ پشاور میں قاضی کی ذمہ داری ہے۔

مسجد احمدیہ سول کوارٹرز کی تعمیر میں مرزا عبد المجید صاحب کا مددگار و معاون رہا۔

شادی خانہ آبادی

مستونگ سے آنے کے بعد اور پشاور میں ملازمت کے بعد 1942ء میں خاکسار کی شادی عائشہ بی بی دختر کلاں خان محمد خواص خان صاحب سے ہوئی۔ نکاح تین چار سال قبل ہو چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اولاد

میرا بڑا بیٹا ڈاکٹر حامد اللہ خان جو کہ حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کا داماد ہے، کی پیدائش مارچ 1943ء میں ہوئی۔ حضرت والد صاحب نے ان کا نام حامد اللہ رکھا۔ بی بی کے بطن سے مجھے اللہ تعالیٰ نے 5 لڑکیاں اور 2 لڑکے عطا فرمائے جو بفضل خدا تعالیٰ سب صالح اور مخلص احمدی ہیں اور ان کے رشتے بھی بفضل خدا تعالیٰ نیک اور صالح خاندانوں میں ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر حامد اللہ خان

ڈاکٹر حامد اللہ کا رشتہ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی اکلوتی لڑکی عزیزہ امۃ الحیٔ سے ہوا ہے جو کہ حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ کی نواسی ہیں۔ حامد اللہ کو اللہ تعالیٰ نے دو لڑکیاں امۃ الولی عینی، عطیۃ اللطیف اور دو لڑکے قمر احمد حماد اور داؤد احمد عطا کیے ہیں۔

طیبہ بیگم

بڑی لڑکی طیبہ بیگم ہے جس کی شادی مکرم ظفر احمد خان بنگش سے ہوئی ہے۔ ظفر احمد خان بنگش مکرم نواب زادہ خان بہادر محمد علی خان ریٹائرڈ کے پوتے ہیں۔ نواب بہادر بہت مخلص احمدی تھے اور ان کے والد نے ان کو احمدیت کی وجہ سے اپنی جائیداد سے محروم الارث کیا تھا۔ ان کا ایک لڑکا ظہور احمد خان ان کی وفات کے بعد تمام جائیداد کا وارث بنا جس نے نالائقی سے تمام جائیداد برباد کر دی اور احمدی بیوی کو چھوڑ کر غیر احمدی عورت سے شادی کی۔ حضرت قاضی محمد یوسفؓ کو بہت فکر تھی کہ یہ مخلص خاندان برباد ہو رہا ہے۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ اگر ظہور احمد خان کے لڑکے ظفر احمد کی شادی کسی مخلص احمدی خاندان میں ہو جائے تو یہ خاندان ابتلا سے بچ جائے گا۔ حضرت قاضی صاحب نے مجھ سے اس رشتہ کے متعلق گفتگو کی۔ سب نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے حضرت مرزا بشیر احمدؓ کو خط لکھا کہ وہ مجھے اس رشتہ کے متعلق تحریک کریں۔ حضرت میاں صاحب کا خط بھی آیا کہ حضرت قاضی صاحب کا یہ خیال ہے اگر ظفر احمد کا رشتہ آپ پسند کر لیں تو یہ خاندان ابتلا سے بچ جائے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ بعد دعا و استخارہ اگر شرح صدر ہو تو یہ رشتہ منظور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض بہت زیادہ فضل فرمائے گا۔ میں نے حضرت میاں صاحب کی تحریک پر یہ رشتہ منظور کر لیا اور واقعی ایسا ہی ہوا جیسے حضرت قاضی صاحب کا خیال تھا۔ احمد نگر میں صرف ظفر احمد اور اس کے بچے احمدی ہیں باقی سب مرتد ہو گئے ہیں۔ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے 2 لڑکیاں عطا کی ہیں۔ قمر النساء عرف گڈو جس کی شادی مکرم مبارک احمد صاحب پراچہ سے ہوئی ہے جو کہ ایک مخلص احمدی نوجوان ہے۔ دوسری لڑکی فائزہ بیگم ہے جو بی اے پاس ہے۔ بڑا بیٹا قمر احمد بی ایس سی انجینئرنگ پاس کر چکا ہے۔ بہت مخلص نوجوان ہے اور دوسرا لڑکا توقیر احمد

انجینئرنگ میں پڑھ رہا ہے۔

صادقہ بیگم

دوسری لڑکی صادقہ بیگم ایم ایس سی کی شادی مکرم مبشر احمد پسر ماسٹر نور الحق صاحب مرحوم سے ہوئی۔ مبشر احمد صاحب مرچنٹ نیوی میں چیف انجینئر ہیں۔ ان کے ماشاء اللہ تین لڑکے مشہود احمد، محمود احمد، اور مدثر احمد صاحب ہیں جو کہ بفضلہٖ تعالیٰ بہت لائق ہیں۔

میمونہ بیگم

تیسری لڑکی میمونہ بیگم ہے جس کی شادی عبد السمیع خان پسر مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل مردان سے ہوئی ہے۔ میمونہ بیگم ایم اے بی ایڈ ہیں اور مردان ہائی سکول میں ہیڈ مسٹرس ہیں۔ ان کے تین بچے ہیں: ایک لڑکا عمران احمد خان اور دو لڑکیاں ماہین اور سبین ہیں۔

نصیرہ بیگم

چھوتھی لڑکی نصیرہ بیگم ایم ایسی سی۔ ایم فِل کی شادی مکرم محمد احمد خان پسر مکرم غلام احمد صاحب سابق وکیل الزراعت ربوہ سے ہوئی ہے۔ اس کی دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں: شاہد احمد، عمیر احمد، حنا اور ثنا۔

نیرہ مبارکہ

پانچویں لڑکی نیرہ مبارکہ ہے۔ یہ بفضل خدا ایم اے۔ بی ایس سی ہے۔ اس کی شادی مکرم مبارک احمد پسر ماسٹر نور الحق چارسدہ سے ہوئی ہے۔ مبارک احمد صاحب بہت مخلص اور ایماندار شخص ہیں آج کل محکمہ بجلی میں ایکسین ہیں۔ یہ چونکہ رشوت نہیں لیتے اس لئے موٹر کار ان کے پاس نہیں ہے۔ ان کے ماشاء اللہ تین پسر سرمد احمد خان، توصیف احمد خان اور سلمان احمد خان ہیں جو کہ بفضلہٖ تعالیٰ بہت لائق ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو نیک اور صالح زندگی دے۔

حبیب اللہ خان

دوسرا لڑکا حبیب اللہ خان ہے جو بی اے ایل ایل بی اور ایم بی اے لندن ہے۔ ان کی شادی عزیزہ

ماہم سے ہوئی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نواسی اور حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگمؓ کی پوتی اور شاہد احمد خان کی لڑکی ہیں۔ ماہم بہت نیک اور صالح لڑکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بہت پیاری لڑکی عطا کی ہے جس کا نام ملاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خادم دین بنائے۔ اس بچی کی پیدائش سے پہلے ان کے والدین نے اعلان کیا تھا جو بھی بچہ ہو وہ واقف زندگی ہو گا سو اس طرح سے پیاری ملاحت واقفہ زندگی ہے۔

اسی طرح سے ڈاکٹر حامد اللہ نے اپنے لڑکے قمر احمد حماد کو واقف زندگی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ حقیر قربانی قبول فرمائے اور ان کو دین و دنیا میں ستاروں کی طرح روشن کرے۔ آمین

عزیزم حبیب اللہ کے ساتھ حادثات اور معجزانہ زندگی

عزیزم حبیب اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تین چار دفعہ مہلک حادثات سے محفوظ رکھا۔

ایک دفعہ جب وہ ابھی کالج میں طالب علم تھا بازار قصائی سے گوشت خریدنے گیا۔ اس نے گوشت کے ایک ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا کہ اس ٹکڑے کو کاٹ کر مجھے دیں۔ قصائی نے لوہے کی سلاخ جس پر گوشت کی ران ٹانگی ہوئی تھی گوشت نکال کر اس کو چھوڑ دیا۔ وہ نوکدار سلاخ سیدھی عزیزم حبیب اللہ خان کی آنکھ میں لگ گئی۔ آنکھ ڈھلک گئی۔ قریب ہی ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب تھے ان کے پاس گیا تو انہوں نے حالت نازک دیکھتے ہوئے فوراً اس کو اپنی موٹر میں بٹھایا اور لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور لے گئے۔ وہاں پر ڈاکٹر نواز خان نے آنکھ کا اپریشن کیا اور بتلایا کہ محض خدا کے فضل سے آنکھ کا ڈیلا بچ گیا ہے اس سے کافی عرصہ مریض رہا۔

دوسری دفعہ جب کہ وہ ایل ایل بی کا سٹوڈنٹ تھا۔ چند لڑکوں کے ساتھ موٹر سائیکل پر نوشہرہ پکنک کے لئے گیا۔ واپسی پر رات کے وقت راستے میں ٹرک کی تیز روشنی کی وجہ سے حبیب اللہ سڑک چھوڑ کر سڑک کے کنارہ پر ہو لیا۔ سڑک کے کنارے سڑک مرمت کرنے کے لئے بھاری بھاری پتھر پڑے تھے جن سے ٹکرا کر حبیب اللہ سر کے بل گر گیا اور کافی چوٹیں آئیں۔ اس کے ساتھی اس کو نوشہرہ ہسپتال لے گئے مگر وہاں پر انہوں نے معمولی مرہم پٹی کرنے کے بعد رخصت کر دیا۔ حبیب اللہ کہتا ہے کہ میں نیم بے ہوشی کی حالت میں سن رہا تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ اس نے بچنا نہیں ہے اس لئے اس

کو لے جائیں۔ اس کے ساتھیوں نے ہمت کر کے اس کو پشاور کے خیبر ہسپتال میں داخل کیا اور وہاں ماہر ڈاکٹر کے زیر علاج رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ الحمد للہ

تیسری بار لندن میں جب کہ وہ ایم بی اے کر رہا تھا۔ مسجد احمدیہ میں شام کی نماز پڑھنے کے بعد واپس جا رہا تھا کہ سڑک کراس کرتے ہوئے ایک تیز موٹر نے اس کو ٹکر ماردی اور یہ سر کے بل گر گیا۔ سر پر شدید زخم آئے اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کا ایک افریقن ساتھی اس کو ہسپتال لے گیا۔ حضور انور کو اطلاع دی گئی۔ حضور انور نے حبیب اللہ کی صحت دریافت کرنے کے لئے ایک خاص آدمی کو مامور کیا جو ان کو وقتاً فوقتاً حبیب اللہ کی صحت سے مطلع کرتا رہے۔ حضور رحمہ اللہ کی توجہ اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ الحمد للہ۔ برادرم ڈاکٹر سعید احمد خان نے فون پر بتلایا کہ حبیب اللہ خان کا بچنا ایک معجزہ ہے ورنہ ایسے مہلک ایکسیڈنٹ سے بہت کم زندگی بچتی ہے بلکہ ناممکن ہے اس نے بھی بتلایا کہ یہ سب حضور انور کی دعاؤں اور توجہ کا نتیجہ ہے۔

چوتھی بار پشاور میں وہ اپنی چھوٹی بہن نیرہ کو اس کے گھر صادق آباد موٹر سائیکل پر بٹھائے لے جارہا تھا کہ حیات آباد میں نیرہ مبارکہ کی چادر موٹر سائیکل کے پہیہ میں پھنس گئی اور نیرہ موٹر سائیکل سے گر گئی۔ چادر نیرہ کے گرد لپٹ گئی اور دور تک اس کو گھسیٹا۔ سر اور دیگر جسم پر سخت چوٹیں آئیں۔ ایک گھنٹہ بے ہوش رہی آنکھیں نکل آئی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح حبیب اللہ اس کو ایک موٹر میں ڈال کر خیبر میڈیکل ہسپتال لایا۔ وہاں سے علاج شروع ہوا۔ حضور انور کو فون پر اطلاع کی گئی۔ حضور نے خاص توجہ اور دعا فرمائی اور نیرہ کی جان بچ گئی۔ الحمد للہ۔ نیرہ نے خط میں مجھے لکھا ہے کہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خوش قسمت ہو کہ شہ رگ بچ گئی ورنہ موت یقینی تھی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جو مجھ عاجز گناہ گار بندہ پر فرما رہا ہے۔

عزیزم حامد اللہ کی شادی

حامد اللہ کے رشتہ کے بارہ میں مَیں نے مکرم حضرت مرزا مبارک احمد صاحب سے عرض کیا۔ انہوں نے مجھے ایک خاندان کا پتہ بتایا۔ میں نے اس خاندان سے خط و کتابت شروع کی مگر دوران خط و

کتابت مجھے ان کی تحریر سے غرور و تکبر نمایاں نظر آرہا تھا اس لئے اس خاندان سے رشتہ کے متعلق میں نے خط و کتابت ختم کر دی۔ اس کا ذکر میں نے مکرم حضرت مرزا مبارک احمد صاحب سے کیا۔ حضرت میاں صاحب ان دنوں ایبٹ آباد میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم مکرم مرزا منور احمد صاحب کی لڑکی امۃ الحیٔ کے لئے کوشش کرو۔ میں نے مکرم میاں صاحب کو خط لکھا۔ مکرم میاں صاحب نے بغیر تردد کے چند مزید خط و کتابت کے بعد رشتہ منظور فرمایا۔ میں نے ان کی خدمت میں تحریر کیا کہ چونکہ میرا لڑکا حامد اللہ انگلستان میں ہے اس کو بہت کم چھٹی ملے گی اس لئے اگر پندرہ بیس دنوں میں رخصتی دے دیں تو بہتر ہو گا۔ حضرت میاں صاحب موصوف نے ایسا ہی کیا اور چند دنوں کے نوٹس پر رخصتی دے دی۔ جزاکم اللہ

عزیزہ سیدہ امۃ الحیٔ اور عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ کی شادی کے موقع پر مکرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے مجھ سے بہت احسان اور مروت کا سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان احسانات کا اجر عظیم عطا کرے۔ بہت کم لوگوں کو میں نے ایسا متوکل اور مخلص انسان پایا ہے اور رشتہ کے بعد تو پھر انہوں نے مجھ سے بھائیوں جیسا سلوک کیا ہے اور ہر موقع پر اپنی محبت اور اخلاص کا اظہار فرمایا ہے اور میرے تمام بچوں کے ساتھ بہت پیار اور محبت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر حامد اللہ کا میڈیکل میں معجزانہ داخلہ

اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے عجیب طریقہ سے نوازتا رہا ہے۔ عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ نے پشاور میں ایف ایس سی کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا۔ میں ان دنوں بنّوں میں تھا۔ حامد اللہ کا بہت مایوس کن خط آیا کہ اب میری زندگی سوائے خاک بننے کے اور کیا ہے؟ میڈیکل کالج میں داخلہ کا شوق تھا جو اَب نہیں مل سکتا۔ میں نے اُس کو لکھا کہ تم حوصلہ مت ہارو۔ داخلہ کے لئے فارم پُر کر دو۔ ادھر میں نے دعاؤں پر زور دیا اور اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید و نصرت کے لئے درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان فرمایا کہ اس سال کے داخل شدہ کئی لڑکے دوسرے کالجوں مثلاً لاہور اور کراچی Migrate کر گئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے حامد اللہ کو میڈیکل کالج میں داخلہ عطا فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے

اس کو وظیفہ بھی عنایت فرمایا جس سے میرا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ الحمدللہ

خفیہ نیکیاں

میں نے اپنی ملازمت کے دوران بہت سے احمدی لڑکوں کو ان کی ماہوار فیس دے کر تعلیم کی تکمیل میں مدد دی اور یہ ایسے خفیہ طریقہ سے کرتا تھا کہ اب تک میرے بیوی بچوں کو اس کا علم نہیں ہے۔ اگرچہ میری تنخواہ بس واجبی سی تھی جس میں مشکل سے گھر کا گزارہ ہوتا تھا۔

ایک تلخ تجربہ اور قبولیت دعا

میں حلقہ سول کوارٹرز کا محصل بھی تھا۔ ایک دفعہ میرا پڑوسی عبدالغفور جو کہ محکمہ تعلیم کا کلرک تھا اُس کی بیوی نے بیماری کے پیش نظر مجھ سے کچھ رقم بطور قرضہ حسنہ کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس کو کہا کہ میرے پاس چندے کی رقم ہے۔ اس کو دو سو روپیہ کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا یہ رقم میں تمہیں دے دیتا ہوں مگر اس ماہ کی دس تاریخ تک تم نے یہ رقم واپس کرنی ہے۔ دس گیارہ تاریخ کو مرزا عبدالمجید صاحب سیکرٹری مال تشریف لائے کہ رسید بک اور رقم دے دیں تاکہ چندہ مرکز کو بھیجا جائے۔ میری بیوی گھر پر موجود نہ تھی۔ میں نے ان کو کہا کہ میں شام تک چندہ اور رسید بک آپ کو پہنچا دوں گا۔ مرزا صاحب کے جانے کے بعد میں نے عبدالغفور کے گھر پر دستک دی کہ رقم دے دو۔ مگر اس نے کہا کہ میرے پاس تو پہلی تاریخ کو رقم ہو گی اب نہیں ہے۔ میں اس مایوسی کی حالت میں دفتر گیا۔ سارا دن پریشان رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ وہ میری لاج رکھ لے۔ دفتر سے واپس گھر آیا۔ تھوڑی دیر بعد پوسٹ مین نے دستک دی اور کہا کہ آپ کا دو سو روپیہ منی آرڈر آیا ہے وصول کر لیں۔ یہ رقم میرے بھائی عبدالقدوس نے مجھے کوئی چیز خریدنے کے لئے بھیجی تھی۔ یہ رقم لے کر میں فوراً سجدہ میں گر گیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے میری لاج رکھ لی ہے۔ وہ رقم اور رسید بک لے کر میں مرزا عبدالمجید صاحب کے گھر گیا اور ان کو دے دی مگر اس سے تجربہ یہ ہوا کہ چندہ کی رقم کسی مصرف میں لانا بہت بری بات ہے۔ وصول شدہ چندہ امانت ہوتا ہے اور امانت کو کسی صورت میں بغیر اجازت استعمال میں نہیں لانا چاہیے۔

قتل کا فتویٰ اور حفاظت الٰہی

اس طرح کا ایک واقعہ چندہ خرد برد کرنے کا بنوں میں ہوا تھا۔ میں بنوں میں سرکل آفس میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔ بنوں میں بہت کم احمدی احباب کی تعداد تھی۔ وہاں پر ایک دوست جو کہ محکمہ P.W.D میں چپڑاسی تھا اور بنوں کی لوکل آبادی میں سے ایک اکیلا احمدی تھا۔ وہ چندہ وصول کرنے پر مقرر تھا مگر چونکہ اس کی آمدنی کم تھی یہ چندہ کی رقم اس سے خرچ ہو گئی تھی۔ جماعت کے پریذیڈنٹ نواب زادہ محمد امین خان صاحب اس سے چندہ کے لئے مطالبہ کرتے اور وہ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹرخا دیتا۔ ایک دن میں نے اس چپڑاسی دوست سے کہا کیا تمہارا کوئی لڑکا ہے۔ میں اس کو ملازم کرا دوں گا مگر اس شرط پر کہ اس کی تنخواہ کی نصف رقم چندہ کے بقایا جات میں ادا کرو۔ وہ میرے پاس اپنا ایک لڑکا لایا جو کہ دراصل غیر احمدی تھا مگر اس چپڑاسی دوست نے غلط بیانی سے کام لیا کہ یہ احمدی ہے۔ میں نے اس کو محکمہ بجلی میں بطور اسسٹنٹ لائن مین کے نوکر کرا دیا اور ہر ماہ نصف تنخواہ اس کی وہ دوست نواب زادہ صاحب کو دے دیتے۔ چند ماہ بعد میرا تبادلہ پشاور ہو گیا۔ میرے جانے کے بعد اس دوست نے نواب زادہ صاحب کو رقم دینا بند کر دی۔ خدا کی قدرت ایک سال بعد میرا تبادلہ بنوں ہو گیا۔ نواب زادہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ وہ دوست اب مجھے رقم نہیں دیتے۔ ایک دن میں آفس میں بیٹھا تھا کہ وہ لڑکا جس کو میں نے ملازم کرایا تھا میرے دفتر کے سامنے سے گزر رہا تھا میں نے چپڑاسی کو بھیج کر اس کو بلایا۔ بہت پیار سے اس کو کرسی پر بٹھایا اور اس کو کہا کہ تم عجیب انسان ہو میرے جانے کے بعد نہ تم نے چندہ دیا ہے اور نہ اپنے والد کو چندہ کا بقایا ادا کرنے کے لئے نصف تنخواہ دی ہے جس کا تم نے اور تمہارے والد نے وعدہ کیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں احمدی نہیں ہوں یہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعد ازاں قریب کالونی کے امام مسجد کے پاس شکایت کی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب مجھے زبردستی قادیانی بنانا چاہتے ہیں اور مجھ سے رشوت کے طور پر رقم کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے مجھے ملازم رکھا ہے۔ امام صاحب نے خطبہ جمعہ میں مجھ پر عجیب عجیب الزامات لگا کر لوگوں کو میرے خلاف خوب بھڑکایا۔ بنوں کے علما کے صدر مولانا عبد الرشید نے اپنی جامع مسجد میں میرے قتل کا فتویٰ دے دیا مگر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل نڈر رہا۔ رمضان کا مہینہ

تھا، میں ایک دوست کو لے کر بجلی کالونی سے بنوں شہر جو کہ کافی فاصلہ پر ہے نماز تراویح پڑھنے جاتا۔ نواب زادہ صاحب نے مجھے منع بھی کیا کہ حالات خراب ہیں آپ نہ آیا کریں مگر میرے دل میں مضبوط طریقہ سے یہ خیال قائم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔

بطور قائد خدام الاحمدیہ

میں پشاور کی مجلس کا قائد خدام الاحمدیہ بھی رہا ہوں اور یہ انتخاب بھی بہت عجیب طریقہ سے ہوا۔ ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع تھا اور پشاور سے بھی خدام گئے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کے وقت حضور نے ہمارے قائد صاحب سے دریافت فرمایا کہ تم کس جگہ کے رہنے والے ہو؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں قادیان کا رہنے والا تھا اور اب پشاور میں ملازمت ہے۔ اس دوست کا نام مکرم ارشاد احمد صاحب تھا۔ اس پر حضور انور نے فرمایا تم پنجابی ہر جگہ چودھری بننے کی کوشش کرتے ہو۔ لوکل لوگوں کو کیوں آگے نہیں لاتے کہ ان کو کام کرنے کا طریقہ سکھلایا جائے؟ واپس جاکر ایک لوکل احمدی کو قائد بناؤ۔ اجتماع سے واپسی پر مجھے قائد خدام الاحمدیہ مقرر کیا گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جلسہ سالانہ ربوہ پر جب خدام کی ضرورت پیش آئی کہ دیگوں کو مستورات کے کیمپ پہنچانا ہے کیونکہ مزدوروں نے ہڑتال کر دی تھی۔ میرے وقت میں خدّام بہت فعّال تھے تو میں نے پشاور کے خدّام کے ساتھ مل کر یہ سب کام کیا جس کا ذکر مولوی عبد المنان صاحب افسر جلسہ سالانہ نے اخبار الفضل میں کیا کہ دونوں مساجد اور احمدیہ قبرستان کی صفائی اور مرمت نیز دیگر اجتماعات پر تمام کام سنبھالتا ہے۔ یہ سب خدا کا فضل ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

ایک نہ بھولنے والی دعوت

ایک دفعہ مجلس مشاورت کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دعوت کی تھی جس میں ہم کل چھ افراد تھے۔ خاکسار، حضرت قاضی صاحب، مکرم شرما صاحب اور تین بنگال کے نوجوان۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دفتر کو لکھا کہ قاضی صاحب کے ساتھ جو اُن کے عزیز بیٹھے تھے وہ بھی دعوت میں شامل ہوں گے۔ دفتر والوں نے حضرت قاضی صاحب سے ان کے عزیز کے متعلق دریافت کیا۔ قاضی

صاحب اس وقت بھول گئے تھے کہ میں ان کے دائیں ہاتھ بیٹھا تھا۔ حضرت قاضی صاحب نے اپنے بھتیجے قاضی اسماعیل صاحب کا نام لیا جو وہاں کالج میں پڑھتے تھے۔ حضور نے فرمایا نہیں ان کا نام اَور ہے۔ قاضی صاحب سے پھر دریافت کیا گیا۔ قاضی صاحب نے اپنی یاداشت پر زور دیا اور پھر میرا نام لیا۔ جب میرا نام حضور کو پیش ہوا تو حضور نے فرمایا: یہی وہ نوجوان ہے جو دعوت میں مدعو ہے۔ میں نے پہلی دفعہ حضور کو صرف سادہ لباس میں بیٹھے دیکھا۔ حضور سادہ تھے سر پر عمامہ نہیں تھا، گلے کے بٹن کھلے تھے، کافی پر تکلف کھانا تھا۔ حضور کے سامنے بھنے ہوئے گوشت کے کچھ ٹکڑے پڑے تھے۔ حضور انور نے تھوڑی دیر بعد گلاس سے کچھ پانی پی کر گلاس کو میز پر رکھ دیا جس کو فوراً شرما صاحب نے لے کر بطور تبرک خود بھی پیا اور اپنے بنگالی لڑکوں کو بھی پلایا۔ حضور یہ سب نظارہ دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حضور نے اُس بھنے ہوئے گوشت سے معمولی ٹکڑا لے کر باقی رکابی میرے سامنے رکھ دی جس کو میں نے بطور تبرک کھایا اور حضور کی ذرّہ نوازی پر حیران ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت قاضی صاحب بہت چھوٹا لقمہ لے کر منہ میں ڈالتے اور حضور سے مصروف گفتگو تھے۔ بعد میں میں نے حضرت قاضی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے بہت کم کھانا کھایا ہے تو وہ فرمانے لگے کہ ادب ملحوظ خاطر تھا۔ حضور کے سامنے کھانا بہت مشکل امر ہے تم نوجوان کر سکتے ہو کیونکہ تم لوگوں کو اس شخص کے مقام کا علم نہیں ہے۔

حفاظت مرکز

خاکسار 1947ء میں ایک قرعہ کی بنا پر پشاور کی طرف سے صوفی غلام محمد صاحب کے ساتھ جو کہ اب بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں بطور وفد حفاظت مرکز گیا تھا۔ انڈین گورنمنٹ نے چونکہ سرحد سیل کر دی تھی اس لئے ہم تمام دوست جو حفاظت مرکز کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے رتن باغ میں ٹھہرائے گئے اور اس میں فوجی مشق شروع کرائی گئی جو خوست افغانستان کے رہنے والے ایک جمعدار صاحب کراتے تھے۔ عرصہ تین ماہ کے لئے یہ وقف تھا۔ وقف عارضی ختم ہونے پر خاکسار حضور انور سے رخصت لینے کے لئے ملاقات کو حاضر ہوا۔ جب میں حضور انور کے سامنے پیش ہوا تو حضور نے میری طرف توجہ نہیں فرمائی بس اتنا فرمایا ’’تسیں وی نٹھ آئے او‘‘ یعنی تم بھی بھاگ کر آگئے ہو؟ میں حیران

ہوا۔ میں نے حضور انور سے عرض کی کہ میں حضور انور کا مدعا نہیں سمجھا۔ اس پر حضور نے فوراً آنکھیں کھولیں اور فرمایا اچھا تم پٹھان ہو دراصل میں نیچے کا نام پڑھ گیا تھا غلطی ہو گئی ہے۔ پھر میری دل جوئی کے لئے میرے والد صاحب کے متعلق دریافت فرمایا اور پھر خاندان کے تمام افراد کو یاد فرمایا جن کو حضور جانتے تھے اور ہر بار یہ بھی فرماتے مجھ سے غلطی ہو گئی ہے دراصل میں نیچے کا نام پڑھ گیا تھا۔ رخصت ہوتے وقت حضور میرے ساتھ دروازہ تک تشریف لائے اور پھر فرمایا دراصل میں نام غلط پڑھ گیا تھا غلطی ہو گئی تھی۔ اور شرم کے مارے میرے منہ سے لفظ نہیں نکلتا تھا بلکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ حضور کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے بعد جو نام تھا وہ قادیان سے بھاگ آیا تھا اس کو حضور نے حکم فرمایا کہ اب قادیان چلے جاؤ اور شام تک تمہاری وہاں پر موجودگی کی رپورٹ ملنی چاہیے اور وہ دوست روتے ہوئے حضور کے دربار سے نکلا اور سیدھا قادیان چلا گیا اور پھر رپورٹ مل گئی کہ وہ دوست قادیان خیریت سے پہنچ گیا ہے۔

خدمت خلق

بنوں میں مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی میں نے چار احمدیوں کو ملازمتیں دلوائیں۔ راولپنڈی میں جب کہ وہاں پر ایک نیا سرکل کھلا تھا جس میں سترہ احمدیوں کو بطور اوورسیئر، کلرک، ہیلپر اور اسسٹنٹ لائن مین لگوایا۔ میرے خلاف شکایت بھی ہوئی کہ عبدالسلام نے سرکل میں سب احمدی بھرتی کر لئے ہیں۔ انکوائری ہوئی تو میں نے جواب میں کہا کہ احمدیت کا سوال نہیں ہے سب پاکستانی ہیں اور ہر ایک کا S.E. صاحب نے انٹرویو کیا ہے اور قابلیت کی بنا پر لیا ہے۔

سفارش میں احتیاط کرنی چاہیے

میں نے کوئی ساڑھے تین سو لوگوں کو ملازمت دلوائی مگر کوئی رشوت نہ لی مگر افسوس کہ میرا ایک ہیڈ ڈرافٹس مین جو کہ احمدیت میں بہت دلچسپی لیتا تھا رشوت لے کر میرے پاس سفارش کر دیتا تھا اور میں اس کی سفارش پر اس شخص کو ملازمت کی آفر دے دیتا تھا۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ لوگوں کو نوکر کرانے میں اپنے کسی عزیز سے عزیز پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ میری بیوی کے چچا کا لڑکا جو

کہ غیر احمدی ہے جس کو میں نے محکمہ بجلی میں ملازم کرایا تھا میرے گھر راولپنڈی آیا اور فروٹ کی ایک ٹوکری لایا۔ دوران گفتگو وہ کہنے لگا کہ فلاں شخص کو فلاں اسٹیشن پر تبدیل کرنے کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ میں نے کہا ابھی دفتر چلتے ہیں۔ میں اس کی فائل منگا کر اس کو تبدیل کر دوں گا یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ جب میں گھر سے باہر نکلا تو وہ شخص بھی باہر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ساتھ ہو لیا اور کہنے لگا میں فلاں شخص ہوں مجھے اسٹیشن کا نام بھی اس نے بتلایا اور کہا کہ میں نے رشید خان سے اس کے متعلق بات کی ہے۔ میں نے کہا ہاں رشید خان نے مجھ سے تمہاری سفارش کی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ رشید نے آپ کو دینے کے لیے مجھ سے تین سو روپیہ بھی لیا ہے اور میں نے میوہ کا ٹوکرا بھی رشید خان کے ہاتھ بھیجا ہے۔ یہ واقعہ سن کر مجھے سخت رنج ہوا۔ میں واپس گھر گیا۔ رشید خان ابھی وہاں پر موجود تھا۔ میں نے میوہ کا ٹوکرا اُٹھا کر اُس کے منہ پر مارا اور اس کو کہا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ۔ میری بیوی حیران تھی کہ کیا بات ہوئی ہے۔ میں نے سب واقعہ بیان کیا تو اس کو بھی افسوس ہوا۔ اس واقعہ سے مجھے اتنا رنج ہوا کہ مجھے شدید بخار ہو گیا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ ملازمت کے سلسلہ میں سفارش قبول کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ عزیز سے عزیز رشتہ دار بھی دھوکہ دے جاتے ہیں۔

بے داغ اور قابل اعتماد دورِ ملازمت

ملازمت کے دوران میں جہاں بھی رہا احمدیت کی وجہ سے میرے افسران میرا بڑا لحاظ اور ادب کرتے تھے اور مجھ پر اعتبار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ جو کچھ بھی کریں ہمیں آپ پر اعتبار ہے کہ آپ غلط کام نہیں کریں گے مگر بعض دوست ایسے بھی ہیں جو احمدیت کو چھپاتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ لنڈی کوتل میں ایک احمدی دوست تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ بیس سال سے میں لنڈی کوتل میں ہوں اور کسی کو علم نہیں ہے کہ میں احمدی ہوں اور بہت اچھا گزارہ ہو رہا ہے کوئی مخالفت نہیں ہے۔

دعوت الی اللہ

میں راولپنڈی میں ملازم تھا۔ ایک دفعہ پشاور سے راولپنڈی بذریعہ ٹرین جا رہا تھا۔ اکوڑہ خٹک پر جامعہ اکوڑہ خٹک کے چند علماء ٹرین میں سوار ہوئے اور وہ اپنے ایک عالم دوست کی پیشوائی کے لئے جا رہے

تھے جو کہ حج سے واپس آرہا تھا۔ ان کی عالمانہ گفتگو سن کر میں ان کے قریب ہوا اور ہر ایک سے ان کی خیریت دریافت کی معلوم ہوا کہ وہ اکوڑہ خٹک کے جامعہ کے اساتذہ ہیں۔ میں نے ان سے گفتگو شروع کی اور ان کو کہا کہ تم لوگ سڑک کنارہ پر رہتے ہو تمہارا جامعہ بر لب سڑک ہے۔ کیا کبھی تم لوگوں نے ان غیر مسلموں کو تبلیغ کی جو اس راستہ سے پشاور سیر کے لئے جاتے ہیں؟ کیا تم لوگوں کے پاس اسلام کے متعلق انگلش یا دوسری زبانوں میں لٹریچر ہے؟ اس قسم کی اور باتیں میں نے کیں اور ان کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ بڑی دیر تک اس قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ اس گفتگو سے ان علما پر یہ تاثر ہوا کہ میں بھی ایک عالم آدمی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے میرا ایڈریس پوچھا جو میں نے بتلا دیا۔ وہ تمام علما پنڈی میں اپنے ایک عزیز لائن سپر نٹنڈنٹ کے گھر شب باش ہوئے۔ وہاں پر انہوں نے اس لائن سپر نٹنڈنٹ سے میرا ذکر کیا تو لائن سپر نٹنڈنٹ نے ان کو بتلایا کہ وہ تو قادیانی ہے۔ اس پر ایک عالم نے یہ تہیہ کیا کہ وہ مجھ سے مل کر مجھے مسلمان بنائے گا۔

ایک علامہ کی آمد اور مسکت دلائلِ قرآنی

ایک دن رات کے 12 بجے جب کہ سخت بارش ہو رہی تھی۔ پنڈی سیٹلائٹ ٹاؤن کے بلاک میں میرا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو ایک باریش شخص کھڑا تھا جس کو میں نہیں جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں تم سے ملنے آیا ہوں اور تمہیں ڈھونڈنے میں مجھے دو گھنٹے لگ گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تم کو نہیں جانتا؟ اُس نے بتلایا کہ میں ان علما میں سے ایک ہوں جو ٹرین میں اکوڑہ خٹک سے سوار ہوئے تھے اور میں آپ کا مہمان ہوں۔ میں نے دروازہ کھولا اور ان کو اندر کمرے میں لایا اور پوچھا کیا آپ نے کھانا کھایا ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے جلدی سے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ ایک مولوی صاحب مہمان آئے ہیں ان کے لئے فوراً کھانے کا انتظام کرو اور یہ کہہ کر میں فوراً مولوی صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے گزشتہ گفتگو کا حوالہ دیا اور بتلایا کہ تم نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ تم قادیانی ہو۔ میں اب تمہیں مسلمان کرنے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب اس وقت نہ تو کتابیں آپ کے پاس ہیں نہ میرے پاس ہیں جس سے حوالے پیش کئے جا سکیں صرف ایک قرآن مجید ہے جو میرے اور

آپ کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید سے بڑھ کر اور کیا مضبوط دلیل ہو سکتی ہے؟ آپ اپنا اعتراض پیش کریں میں قرآن پاک سے جواب دوں گا۔ اُس نے کہا کہ بنیادی مسئلہ ہم میں اور آپ میں حیات و ممات مسیح ہے۔ ہم کہتے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہے اور واپس آئے گا اس لئے مرزا صاحب کا دعویٰ صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر قرآن پاک سے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ثابت ہو جائے تو پھر مرزا صاحب کا دعویٰ قابل غور ہو گا؟ اس نے کہا کہ قرآن میں ہر گز عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین حیثیتیں پیش کی جاتی ہیں:

ایک بطور خدا۔ اس نے کہا کہ ہم تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نہیں مانتے۔ میں نے کہا آپ نہیں مانتے مگر تمام عیسائی دنیا اس کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بطور خدا اور خدا کے بیٹے کی حیثیت میں عیسائی دنیا اس کو پیش کرتی ہے اس لئے ایک حیثیت تو اس کو بطور خدا کے حاصل ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کی ہر حیثیت پر موت از روئے قرآن پیش کروں گا۔

دوسری حیثیت اُن کی بطور انسان کے ہے۔

تیسری حیثیت بطور نبی کے ہے۔

تفسیر صغیر میرے پاس موجود تھی اس میں سے حوالے دیکھ کر میں پیش کرتا تھا۔

پہلی دلیل بطور خدا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ جس کو تم خدا پکارتے ہو وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں بلکہ ان کو یہ بھی علم نہیں کہ ہم کب اٹھائے جائیں گے۔ میں نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل: 21-22)

اس دلیل پر وہ بالکل خاموش ہو گیا اور کہا کہ یہ تو عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ اس سے ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔ مَیں نے کہا بطور خدا کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں تو اس نے کہا چونکہ ہم عیسیٰ علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو خدا نہیں مانتے اس لئے ہمارے لئے یہ دلیل کار آمد نہیں ہے۔

میں نے کہا: دوسری حالت اس کی بطور انسان کے ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ** کہ ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ذی نفس تھے اور فرمایا کہ اس کے بعد اس ذی نفس نے میرے پاس آنا ہے۔ یعنی **ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ** کہ خدا تعالیٰ کے پاس اس کا جانا موت کے بعد ہے موت سے پہلے نہیں۔ اِس پر اُس نے کہا کہ یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔

پھر میں نے کہا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری حالت بطور نبی کے ہے تو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرماتا ہے کہ **مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** (المائدہ:76) یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک رسول تھے۔ اس سے پہلے کل انبیاء گزر چکے ہیں، سب فوت ہو چکے ہیں اور کوئی زندہ نہیں ہے۔ اب اس آیت کی رو سے صرف عیسیٰ موت سے بچ گئے ہیں اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول پاک ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں: **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** (آل عمران:145) یعنی محمد ﷺ صرف ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے تمام انبیاء فوت ہو گئے ہیں۔ اب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ موت کے پہنچنے سے بچ گئے تھے وہ بھی اس آیت کی رُو سے فوت ہو گئے ہیں۔

میرے ان سوالوں کا اس مولوی پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ مبہوت ہو گیا اور صاف کہا کہ ان آیت کی رو سے تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ پھر میں نے **يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ** والی آیت پیش کی اور مولوی صاحب سے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے آپ کے لئے اس میں ایک دلیل دی ہے۔ وہ یہ کہ جب ذی روح مفعول ہو اور اللہ تعالیٰ فاعل ہو تو **تَوَفِّي** کے معنی سوائے قبض روح کے اور کچھ نہیں نکلتے۔ آپ عالم ہیں اس دلیل پر غور فرمائیں اور پھر **يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ** کا ترجمہ کریں۔ ان مولوی صاحب کو غالباً خیال آیا ہو گا کہ میں صرف و نحو کا بہت بڑا عالم ہوں مگر مجھے صرف و نحو کی الف ب بھی نہیں آتی۔ مولوی صاحب اس دلیل پر بولے چلو مان لیا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں مگر اس سے کیسے ثابت ہوا کہ مرزا صادق ہیں؟

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دلائل

اس پر پہلے تو میں نے اسلام میں کسی مامور کے آنے کے متعلق سورۃ صف اور سورۃ جمعہ کی آیات پیش کیں اور کہا کہ ان کی رُو سے ایک مامور کی آمد کی پیشگوئی ہے جس کو رسول ﷺ نے مہدی اور مسیح کا نام دیا ہے اس لئے ایک شخص نے ضرور آنا ہے مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ قرآن پاک میں ایک سچے مامور کی صداقت کے متعلق کیا دلائل ہیں اور آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی صداقت ازروئے قرآن کیسے ثابت کریں گے ؟ اس نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر شک لاتے ہو؟ میں نے کہا کہ آپ مجھے غیر مسلم کہتے ہیں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے متعلق قرآن پاک سے دلیل دیجئے؟ وہ کوئی معقول دلیل نہ دے سکا۔ اس پر میں نے اس کو قرآن سے مامور من اللہ کے متعلق کچھ دلائل دیئے۔

علّامہ کا اعتراف

صبح چار بجے تک یہ گفتگو ہوتی رہی۔ خدا تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بدل دیا اور صبح کے وقت چائے پینے کے بعد وہ اکوڑہ خٹک چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے مجھے خط لکھا کہ ازروئے قرآن عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت شدہ ہیں مگر اگر میں احمدی ہو جاؤں تو میری روزی کا کیا بنے گا؟

والدین کی خدمت

جب میں پشاور آیا تو میرے والد صاحب کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور باوجود میرے اصرار کے وہ مستونگ چھوڑ کر میرے پاس پشاور نہیں آتے تھے اور وہاں پر بالکل اکیلے تھے۔ میں نے چھٹی لی اور مستونگ گیا اور بہت منت سماجت سے ان کو راضی کیا اور اپنے پاس پشاور لایا مگر ان کی شرط یہ تھی کہ وہ مجھے کھانے کا خرچ دیتے رہیں گے جو میں نے منظور کر لیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے والدین کی کماحقہٗ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمدللہ

والدین کی خوشنودی

ایک دن حضرت والد صاحب میرے خسر محمد خواص خان صاحب سے فرمانے لگے کہ حدیث میں

آیا ہے کسی کی بے جا تعریف نہ کی جائے لیکن میں عبد السلام کے متعلق جائز تعریفی کلام سے رہ نہیں سکتا اور فرمایا کہ میں عبد السلام سے بہت خوش ہوں۔ بعد میں خواص خان صاحب نے مجھے حضرت والد صاحب کے ان ریمارکس سے مطلع کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

حضرت والد صاحب کی وفات اور جنازہ

حضرت والد صاحب کی وفات بھی میرے گھر پر ہوئی۔ عید کے دوسرے دن اپنے گھر کے دالان میں درس قرآن دے رہے تھے دوستوں کے چلے جانے کے بعد ان کی دماغ کی رگ پھٹ گئی اور وفات پا گئے۔ حضرت والد صاحب موصی تھے ان کی وفات کے وقت ابھی ربوہ کا بہشتی مقبرہ نہیں بنا تھا اس لیے انہیں پشاور احمدیہ قبرستان میں دفن کیا گیا اور ان کی یادگاری تختی بہشتی مقبرہ قادیان میں لگوائی گئی۔ حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ نے ان کی وفات پر فرمایا تھا کہ جس نے ولی اللہ کو دیکھنا ہو تو حضرت مولوی محمد الیاس صاحب کو دیکھ لے جو اب دفن ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی دعاؤں کا مستحق بنائے۔ آمین

والد محترم کا احسان عظیم

ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشکل وقت میں قبول احمدیت کی توفیق دی اور انہوں نے یہ نعمت عظیم ہمیں وراثت میں دی۔ یہ اتنا بڑا عظیم احسان ہے جس کا شکریہ ادا کرنے سے ہم قاصر ہیں یعنی احمدیت جیسی نعمت ہمیں وراثت میں ملی ہے۔ الحمدللہ

اپنی اولاد کو ایک نصیحت

اب میں اپنی اولاد سے کہتا ہوں کہ اس نعمت کی قدر کرو اور شکریہ کے طور پر ان کا چندہ تحریک جدید جب تک تم لوگوں کو توفیق ہو جاری رکھو اور ان کی مغفرت کی دعائیں کرو کہ ان کے ذریعہ سے یہ نعمت ہم کو ملی ہے۔

والد صاحب کے اوصاف حمیدہ

حضرت والد صاحب احمدیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔ تبلیغ احمدیت ان کا مشغلہ تھا، قرآن سے ان کو محبت تھی اور خلیفہ وقت کے عاشق تھے، پارسا، تہجد گزار اور دعا گو تھے، بااخلاق اور خندہ رُو تھے، چھوٹوں اور بڑوں کی بڑی عزت واحترام کرتے تھے۔ چار جوان لڑکوں کی وفات کا صدمہ تھا مگر اتنا قوی صبر تھا کہ کسی کو علم بھی نہ تھا کہ ان کو اتنا صدمہ پہنچا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے۔ ہم پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری

حامد اللہ کے بعد میری پانچ لڑکیاں یکے بعد دیگرے ہوئیں۔ ایک اور لڑکے کی پیدائش کی مجھے خواہش تھی۔ اس کے لئے بڑی دعائیں کیں۔ حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ سے بھی دعا کے لئے عرض کیا۔ ابھی میری بیوی ابتدائی حمل سے تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ نورانی شکل کا ایک بوڑھا انسان مجھے پنجابی میں فرمانے لگا کہ ”تیرے بھائی دی بھر جائی دے گھر لڑکا پیدا ہویا اے“ یعنی تیرے بھائی کی بھابھی کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ صبح میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے خوشخبری ملی ہے کہ لڑکا پیدا ہو گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور حبیب اللہ پیدا ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

میرے خسر خواص خان صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عبد السلام کے گھر جعفر صادق تشریف لائے ہیں۔

1974ء کے حالات

1974ء میں جب بھٹو نے ہم لوگوں کو غیر مسلم قرار دیا تو تمام پاکستان میں احمدیوں کو بہت تنگ کیا گیا۔ احمدیوں کے گھروں کو جلایا گیا، سامان لوٹا گیا اور احمدیوں کو شہید کیا گیا۔ پشاور میں بھی یہی حال تھا۔ یونیورسٹی کیمپس میں چودہ احمدیوں کے مکانات کو لُوٹا اور جلایا گیا۔ میرا مکان شاہین ٹاؤن بھی مخالفوں کی زد میں تھا۔ میں بہت دعائیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس مصیبت سے نجات دے۔ یونیورسٹی کے

لڑکوں نے یونیورسٹی کیمپس کے تمام مکانات برباد کرنے کے بعد جب میرے مکان کی طرف رخ کیا تو دیر ہو چکی تھی۔ کسی نے کہا کہ اب دیر ہو گئی ہے کل اس مکان پر حملہ کریں گے اس طرح وہ لڑکے اس رات چلے گئے۔ دوسرے دن یونیورسٹی کے لڑکوں نے کنوینشن ہال میں ایک جلسہ کا انعقاد کیا اور اس میں مختلف مولویوں نے تقاریر کیں کہ یہ ایک احمدی گھر بچا ہوا ہے اور یہاں پر احمدی لوگ جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھتے ہیں اس کو تباہ کرنا ہے۔ اتنے میں D.S.P صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تم لوگوں کو کیا تکلیف ہے؟ میں نے کہا کہ کنوینشن ہال میں جلسہ ہو رہا ہے اور ابھی لڑکے میرے گھر پر حملہ کریں گے۔ اس رات میری انتہائی نماز تراویح میں دعاؤں کے بعد میری زبان پر جاری ہوا کہ "اِنِّیۡ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِیۡ الدَّارِ" یعنی جو بھی اس گھر میں ہے سب کی میں حفاظت کروں گا۔ D.S.P صاحب نے میرے گھر کے فون کو استعمال کیا اور S.P کو حالات سے باخبر کیا۔ S.P نے پولیس کی ایک بھاری فورس بھیج دی جس کو سپین (سفید مسجد) جماعت کے پاس رکھا۔ جونہی لڑکے کنوینشن ہال سے نکلے وہ نعرے لگا رہے تھے کہ ایک بڑے قادیانی کے گھر کو تباہ کرنا ہے۔ سپین جماعت کے پاس پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا اور ان کو منتشر کر دیا۔ ان فسادات کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اوپر دی ہوئی بشارت کے ماتحت بالکل محفوظ رکھا۔ الحمدللہ۔ اس کے بعد D.S.P صاحب نے چند پولیس کے سپاہی ہمارے مکان پر پہرہ کے لئے مقرر کئے۔ وہ پولیس کے سپاہی کھانا بھی مانگتے تھے چائے بھی مانگتے تھے یہاں تک کہ شیو کے لئے ریزر بھی مانگتے تھے۔ چند دن بعد D.S.P صاحب پھر آئے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ اپنا عملہ واپس لے لیں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کے لئے لنگر جاری کر دوں۔ ان کے ساتھ ایک میجر صاحب بھی تھے انہوں نے کہا کہ FC کیسی رہے گی؟ میں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد FC کے کچھ آدمی بمعہ ایک صوبیدار صاحب مقرر کئے گئے۔ صوبیدار صاحب پارا چنار کے شیعہ تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ یہ لوگ ہمیں بھی کافر کہتے ہیں آپ غم نہ کریں۔ یہ لوگ ہمیں ختم کرنے کے بعد آپ تک آ سکتے ہیں۔ انہوں نے ایک برین گن میرے مکان کی چھت پر لگائی جس کا رُخ سڑک کی طرف تھا۔ میرے مکان کو آنے والی سڑک کے دونوں طرف برین گن لگنا تھی کہ جو بھی آدمی میرے مکان کے

پاس سے گزرتا تو سپاہی کہتا ڈبل مارچ اور ان کو وہاں سے دوڑا کر بھگاتا۔ آخر گاؤں غریب آباد کے لوگ میرے پاس آئے اور کہا کہ ہم تو آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مہربانی کر کے صوبیدار صاحب سے کہہ کر ہم پر اس شفقت کو بند کرائیں۔ ہم لوگ ان سپاہیوں کی وجہ سے سخت عذاب میں ہیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کا فضل و کرم تھا ورنہ میرا گھر بوجہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے سنٹر تھا اور غیر احمدیوں کے لئے میرا مکان سخت تکلیف کا باعث تھا مگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ فرمایا تھا ہم سب کو محفوظ رکھا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان سے گفتگو

1974ء میں یونیورسٹی کے امتحانات ہو رہے تھے۔ یونیورسٹی والوں نے شورش کی وجہ سے احمدیوں کے لئے بالا حصار قلعہ میں امتحان کا سنٹر بنایا۔ یونیورسٹی کے دو پروفیسر صاحبان احمدیہ مسجد سول کوارٹرز آئے اور احمدی طلبا کی لسٹ مانگنے لگے۔ ان سے گفتگو ہوئی تو ان میں سے ایک پروفیسر صاحب نے کہا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آپ لوگ کافر ہیں؟ میں نے پروفیسر صاحب سے کہا کہ کافر نہ ماننے والے کو کہتے ہیں۔ ایک شخص آیا اس نے ماموریت کا دعویٰ کیا ہم نے مانا اور آپ نے انکار کیا۔ اب منکر آپ ہیں یا ہم ہیں؟ اس پر دوسرے پروفیسر صاحب نے کہا رہنے دو خواہ مخواہ کی بحث شروع ہو گئی ہے۔ علمی لحاظ سے ہم منکر مرزا صاحب ہیں اور آپ لوگ اس کے مُصدّق ہیں، اس لحاظ سے ہم مرزا صاحب کے کافر ہیں۔

ہومیو پیتھک کلینک

اپنے گھر کے قریب غریب آباد میں مَیں نے ہومیو پیتھک کی دکان کھولی اور دکان کے ماتھے پر دکان کا نام احمدیہ ہومیو پیتھک کلینک لکھا۔ کچھ عرصہ بعد انجائنا کے حملے بڑھ جانے کے بعد سے میں نے دکان بند کر دی۔ اس دکان میں ایک نائی آیا مگر اس نے دکان کے ماتھے پر جو احمدیہ ہومیو پیتھک کلینک لکھا تھا اس کو نہیں مٹایا۔

دعوت الی اللہ کا ایک اور موقع

انجینئرنگ کالج کا ایک لڑکا حسین محمد ایک دن اس دکاندار سے کہنے لگا کہ اوپر ہومیو پیتھک کلینک

لکھا ہے اور اندر نائی کی دکان ہے یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے بتلایا کہ مجھ سے پہلے ایک قادیانی یہاں پر ہومیو پیتھک کلینک کا کام کرتا تھا اور وہ یہ کام چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس لڑکے نے پوچھا کہ وہ قادیانی کہاں پر رہتے ہیں میں ان سے ملنا چاہتا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس قادیانی کے مکان کا علم نہیں ہے البتہ ایک اور قادیانی بوڑھا کبھی کبھی حجامت بنوانے آتا ہے۔ اس لڑکے نے کہا کہ اچھا مجھے اس بوڑھے قادیانی سے ملاؤ۔ ایک دن میاں عبد اللطیف صاحب حجامت بنوانے کے لئے اس نائی کی دکان پر گئے تو نائی نے اشارہ سے اس لڑکے کو جو اتفاقاً وہاں پر موجود تھا بتایا کہ تمہارا آدمی جس سے تم ملنا چاہتے ہو یہ ہے۔ حجامت بننے کے بعد وہ لڑکا میاں عبد اللطیف صاحب سے مخاطب ہوا کہ کیا آپ قادیانی ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے کہا کہ میں قادیانیت کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میاں عبد اللطیف صاحب نے کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں میں تمہیں ایک دوست سے ملا دیتا ہوں وہ تم کو ہر قسم کا جواب دے گا۔ میاں صاحب حسین محمد کو میرے پاس لائے اور کہا کہ یہ احمدیت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے حسین محمد سے کہا کہ تمہیں احمدیت کے متعلق کیا معلومات ہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے بتلایا گیا ہے کہ ایک نیا مذہب ہے، یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ جو شخص بھی ان کے خلیفہ سے ملنا چاہتا ہے تو اوپر منزل پر خلیفہ رہتا ہے، ملنے والا شخص تیس سیڑھیاں چڑھ کر خلیفہ تک پہنچتا ہے اور ہر سیڑھی پر قرآن پاک کا ایک سپارہ لکھا ہوا ہے جس پر خلیفہ سے ملنے والا اس سپارہ پر پیر رکھ کر آگے چڑھتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تم لوگوں نے ربوہ میں جنت دوزخ بنائی ہے اور حوریں رکھی ہوئی ہیں نیا احمدی بنانے کے لئے ان سے شادی کر دی جاتی ہے اس طرح احمدی بننے والا پھنس جاتا ہے۔ میں نے کہا اور کچھ؟ اس نے کہا کہ فی الحال میں نے یہی سنا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ سب الزامات جھوٹے ہیں۔ مثلاً قرآن پاک کے متعلق اس زمانہ میں جب کہ ضیاء الحق اسلام کو زندہ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے یا تو ضیاء الحق کی C.I.D اتنی کمزور ہے کہ وہ ضیاء الحق کو اس کی اطلاع نہیں دیتی یا پھر خلیفہ اتنا مضبوط اور زور آور ہے جس کے سامنے حکومت بھی لاچار ہے اور اگر حکومت لاچار ہو تو عوام الناس بھی لاچار ہے۔ میں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ پیر قرآن پر

نہیں پڑتا بلکہ قرآن کی حکومت ایک احمدی کے سر پر سوار ہے اور وہ اس کو قابل عمل صحیفہ سمجھتا ہے۔

دوسرے سوال کے متعلق میں نے کہا کہ تم نے سچ کہا وہاں پر جنت اور دوزخ ضرور ہے۔ جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ وہاں پر گناہ کا کوئی کام نہ ہو گا بلکہ ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہو گی اور میں نے قرآن پاک کی یہ آیت پیش کی لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَأْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (الواقعہ:26-27) میں نے اس کو کہا کہ بھٹو صاحب نے اب ربوہ کو کھلا شہر یعنی (Open City) قرار دیا ہے جس کی رُو سے ہر شخص ربوہ جا سکتا ہے۔ اب وہاں پر تھانہ اور سب مجسٹریٹ کی عدالت بھی ہے۔ وہاں تھانہ میں جا کر پوچھیں کہ کیا ربوہ کے ساتھ کوئی ملحقہ علاقہ بھی ہے جو کہ شیعہ ہیں؟ تو وہ آپ کو اثبات میں جواب دے گا۔ اس سے پوچھیں کہ اس تھانہ میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے جرائم کی نسبت کیا ہے؟ تو وہ آپ کو بتلائے گا کہ احمدیوں کا کوئی کیس بھی نہیں ہے البتہ غیر احمدیوں کے جرائم سے یہ فائل پُر ہے۔

میں نے کہا پھر آپ ربوہ میں چلیں پھریں تو ہر طرف سے آپ کو السلام علیکم کی آوازیں آئیں گی اگرچہ وہ احمدی آپ کو جانتے بھی نہ ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر آپ جنت کی اور کیا نشانی مانگتے ہیں؟ حوریں بھی ہیں، آپ بازار میں چلیں احمدی مستورات آپ کو نقاب پوش نظر آئیں گی کوئی بھی بغیر برقعے کے نہ ہو گی اور قرآن میں بھی لکھا ہے کہ حوریں مستور ہوں گی۔

دوزخ بھی ہے۔ میں نے کہا کہ ربوہ میں اکثریت احمدیوں کی ہے مگر ریلوے اسٹیشن پر سرکاری زمین پر ختم نبوت والوں کی ایک مسجد ہے مقتدی تین چار اس کے ملازمین ہیں مگر وہاں کا مُلّا اپنے غیظ و غضب کی آگ میں ایسا جل رہا ہے کہ بے نطق گالیاں احمدیوں کو لاؤڈ سپیکر پر دیتا ہے اور احمدی کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان گالیوں کو سن کر گزر جاتے ہیں۔

اس کے بعد حسین محمد انجینئرنگ ٹور پر کراچی گیا اور واپسی پر ربوہ چند دن ٹھہرا۔ ربوہ کے ماحول نے اس پر ایسا اثر کیا کہ اس کو مزید تحقیقات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کوئی چھ ماہ تک میں اس کو تبلیغ کرتا رہا اور بالآخر حسین محمد نے ہمت کر کے احمدیت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ لڑکا اپنے قبیلہ مہمند

میں اکیلا احمدی ہے اور اس کی خوب مخالفت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو استقامت عطا کرے۔ آمین

جلسہ سالانہ میں شمولیت اور ایک ایمان افروز واقعہ

پشاور سے بفضلہٖ تعالیٰ ہر سال قادیان جلسہ سالانہ پر جانے کا موقع ملتا رہا۔ ایک دفعہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے جو ابھی کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تھے، پانی پینے کے لئے پانی مانگا۔ جب ریل گاڑی ایک اسٹیشن پر رُکی تو ایک مخلص احمدی چاچا یوسف فوراً جا کر برتن پانی سے بھر کر لایا۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے پوچھا؟ کون سا اسٹیشن ہے؟ تو چاچا یوسف نے جواب دیا کہ یہ گولڑہ اسٹیشن ہے۔ حضرت قاضی صاحبؓ نے پانی کا برتن نیچے دے مارا اور فرمایا کہ اس زمین پر خدا کے مسیح نے لعنت بھیجی ہے۔ میں یہاں کا پانی ہرگز نہیں پیوں گا اور اس طرح سے بغیر پانی پیے پنڈی تک گئے۔ پنڈی میں چاچا یوسف اور پانی لایا تو حضرت قاضی صاحب نے نوش فرمایا۔ بہت بڑی ایمانی کیفیت حضرت قاضی صاحبؓ نے دکھائی۔

چاچا یوسف کا واقعہ

جب بھی ہم جلسہ سالانہ پر پشاور سے قادیان جاتے تو چاچا یوسف امرتسر اسٹیشن پر اتر کر غائب ہو جاتا بعد میں آکر ہم لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاتا تھا اور اسی طرح واپسی پر امرتسر اسٹیشن پر اتر جاتا اور بعد میں دوسری ٹرین سے لاہور میں ہم لوگوں کو مل جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہم نے چاچا یوسف سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ تم ہر دفعہ غائب ہو جاتے ہو؟ اس پر اس نے اپنا قصہ سنایا کہ پشاور سے قادیان جاتے وقت میں تم لوگوں سے جدا ہو کر سیدھا مولوی ثناء اللہ امرتسری کے پاس پہنچ جاتا تھا اور اس کے دروازہ پر دستک دیتا۔ وہ اوپر بالا خانہ کی کھڑکی سے سر جھانک کر پوچھتا کون ہو؟ مَیں جواب دیتا کہ میں یوسف پشاوری ہوں قادیان جلسہ پر جارہا ہوں اگر روکنا ہے تو روک لو۔ وہ اوپر سے جواب دیتا: جا خبیث گم ہو جا۔ واپسی پر میں پھر مولوی صاحب موصوف کے دروازہ پر دستک دیتا۔ مولوی صاحب حسبِ معمول اوپر سے جواب دیتے کون ہو؟ میں! مولوی صاحب پھر حسب معمول جواب دیتے: جا خبیث گم ہو جا۔ چاچا یوسف کا ہر سال یہی دستور رہتا۔

ایک دفعہ ہم ٹرین میں جلسہ سالانہ پر جانے کے لئے سفر کر رہے تھے کہ ایک شاہ صاحب سے چاچا یوسف بحث میں الجھ گئے۔ شاہ صاحب نے کہا میں سید ہوں تم میرے نانا کا کلمہ نہ پڑھو۔ چاچا یوسف نے کہا کہ کیا ثبوت ہے کہ تم سید ہو؟ اصلی سید میں ہوں اگر تم میرے سید ہونے سے انکار کرو تو کافر ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ تمہارے سید ہونے کا ایسا کون سا زبردست ثبوت ہے؟ چاچا یوسف نے جواب دیا کہ میرے دادا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی تھے۔ میں اس کی ذُرّیّت میں ہوں۔ اب تم میرے سید زادہ ہونے سے انکار تو کرو اور شاہ صاحب خاموش ہو گئے۔

ایک اور دفعہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ایک غیر احمدی سے چاچا یوسف بحث کرنے لگے۔ اس غیر احمدی نے آخر میں کہا کہ میرا باپ احمدی تھا شکر ہے کہ میں احمدی نہیں ہوں۔ اس پر چاچا یوسف نے کہا کہ میرا باپ غیر احمدی تھا مگر شکر ہے کہ میں احمدی ہوں۔ ''آؤ پیو وٹا لیّے''یعنی آؤ باپ بدل لیتے ہیں۔ میرا باپ تم لے لو اور اپنا سارا احمدی باپ مجھے دے دو۔ اس پر ساری گاڑی کشت زعفران ہو گئی۔

چاچا یوسف غیر مبائعین کے لئے ایک برہنہ تلوار تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے حوالے صفحے کے صفحے یاد کر لئے تھے اور حضرت قاضی محمد یوسفؓ کے اشعار غیر مبائعین کے بارہ میں زبانی یاد کئے ہوئے تھے اور آخر پر جہاں یوسف کا نام آتا تو اپنی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ میں یوسف تخلص کہتا ہوں۔

ایک دفعہ حضور سے ملاقات کے وقت چاچا یوسف نے کہا کہ میں حضرت صاحب کو حضور کے حوالے سنانا چاہتا ہوں۔ اس پر قاضی صاحب نے اس کو کہا: خاموش ہو جاؤ۔ حضرت مصلح موعودؓ کی نظر ان پر پڑی اور فرمایا کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ جب قاضی صاحب نے چاچا یوسف کے مدّعا کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا: اچھا سنائیں۔ اس پر چاچا یوسف حضرت صاحب کے حوالے نبوت وغیرہ کے متعلق زبانی سنانے لگے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا اب بس کرو۔ تو پنجابی یا پشاوری زبان میں کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرزند ہو کر حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام نہیں سنیں گے؟ اس پر حضور ہنس دیئے اور قاضی صاحب نے ان کو خاموش کر دیا۔

حالات زندگی عبد السلام خان صاحب مرحوم

ڈاکٹر انعام جاوید پیرزادہ۔ شاہین ٹاؤن، پشاور

تعارف

عبد السلام خان صاحب کو قریب سے دیکھا ہے۔ اُن کی ذات ایک روحانی سمندر ہے جس کو سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ یہ میں زندگی کے اُس وقت کی بات کر رہا ہوں جب خان صاحب مرحوم گورنمنٹ کے کام سے ریٹائرڈ ہو کر شاہین ٹاؤن گلی نمبر 4 پشاور میں آباد تھے۔ سروس سے پہلے کی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا لیکن سروس کے بعد کی زندگی اُن کی ساری زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔

خاندان میں احمدیت

عبد السلام خان صاحب مرحوم اور اُن کی خاندان کی ابتدا چارسدہ صوبہ سرحد سے ہوا تھا۔ خان صاحب کے والد مولوی الیاس خان صاحب مرحوم چارسدہ سے سب سے پہلے احمدی تھے۔ اُن کے قبول احمدیت کے بعد چارسدہ میں شورش برپا ہو گیا اور مخالفت اتنی بڑھ گئی کہ ان کو چارسدہ بدر کیا گیا۔ یہ تو مجھے علم نہیں کہ سب سے پہلے وہ کہاں گئے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ بلوچستان کے شہر مستونگ میں آباد ہو گئے۔ وہ بڑے پائے کے عالم تھے۔ صاحب کشف و رؤیا انسان تھے۔

بہن بھائی

مجھے عبد السلام خان صاحب کے ذریعہ علم ہوا کہ وہ چھ بھائی تھے تین بھائی جوانی میں فوت ہوئے۔ ایک چھوٹے بھائی 1935ء کے کوئٹہ کے زلزلے میں شہید ہوئے۔ سب سے بڑے بھائی عبد الحئی خان تھے۔ ٹی بی سے جوانی میں فوت ہوئے اُن کا ایک لڑکا عبد العزیز خان اور ایک لڑکی تھے۔

عبد السلام خان اپنے والدین کی چھوٹی اولاد تھے۔ اُن سے چھوٹے اُن کے بھائی عبد القدوس خان تھے جو پشاور کے امیر رہ چکے ہیں۔ عبد القدوس خان 1979ء میں خیبر ہسپتال پشاور میں نرس کے غلط

انجکشن کی وجہ سے فوت ہوئے۔

میں عبد السلام خان کے قریب1982-1987ء رہا۔ عبد السلام مرحوم کے گھر میں نماز سینٹر ہونے کی وجہ سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ جو باتیں میں نے اُن کی زبانی سنیں اور جو میں نے خود ان کی شخصیت کا مشاہدہ کیا میں کوشش کر کے قلم بند کرتا ہوں۔

☆ عبد السلام خان واپڈا جیسے محکمہ میں رہے لیکن کبھی ایک پیسہ رشوت نہ لی تھی نہ بچوں کو کھلائی تھی۔

☆ وہ جب تبلیغ کرتے تو بہت Systemetic طریق سے کرتے اور Step by step تبلیغ کرتے اور ایسا کلام فرماتے کہ انسان کے دل و دماغ پر جلد اثر انداز ہوتا تھا۔

☆ قرآن شریف، احادیث مبارک اور کتب حضرت مسیح موعودؑ پر مکمل عبور تھا۔

☆ اُن کے ذریعہ کافی لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہمارے موجودہ امیر ضلع ڈاکٹر محمد علی خان صاحب بھی عبد السلام خان صاحب کے تبلیغ سے احمدی ہوئے۔

☆ عبد السلام خان صاحب کا گھر جمعہ اور مغرب و عشا کی نمازوں کا سینٹر تھا۔ پشاور یونیورسٹی میں عبد السلام کاکا کے گھر پر نمازیں ادا ہوتی تھیں اور جمعہ کی نماز بھی مہینہ میں ایک بار خان صاحب کے گھر پر ہوتی تھی۔

ارباب محمد عجب خان صاحب کا بے تکلفانہ انداز

عبد السلام خان صاحب نے مجھے بتلایا ایک دفعہ جمعہ کی نماز سے پہلے وہ اور اُن کی بیگم گھر میں کچن میں بیٹھے تھے اور ان کی بیگم کے سر میں درد تھا اس لئے کپڑے سے سر کو باندھ رکھا تھا۔ ابھی جمعہ کی نماز کا وقت نہیں ہوا تھا کہ ہماری جماعت کے بزرگ ارباب محمد عجب خان صاحب مرحوم جو اکثر نماز کے لئے وقت سے کافی پہلے آجاتے تھے، گھر کا دروازہ کھلا تھا اس لئے ارباب صاحب سیدھے گھر میں داخل ہوئے اور ہال میں کوئی نہ تھا اس لئے سیدھے باورچی خانہ میں آگئے۔ ارباب صاحب عمر رسیدہ تھے انہوں نے کاکا سے پوچھا اور ان کی بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ پگڑی والا شخص کون ہے؟ عبد السلام

خان صاحب نے کہا کہ ارباب صاحب یہ میری بیوی ہے اور ہنس پڑے۔ ارباب صاحب وہیں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

وہ دوسروں کو بھی ثواب سے محروم نہ رکھتے۔ خاکسار کو ایک دفعہ کہا کہ میں نماز کے لئے دریوں کا انتظام کروں تاکہ میں بھی اس طرح ثواب میں شامل ہو جاؤں۔

☆ انہوں نے خاکسار سے بہت باتیں کیں مگر میں نے اس وقت نوٹ نہ کیں۔ اب جو باتیں یاد ہیں وہ لکھ رہا ہوں۔

☆ جب گھر سے باہر کچھ خریدنے کے لئے نکلتے تو دکاندار کو بھی تبلیغ کرتے اور آس پاس کھڑے لوگ بھی متاثر ہوتے۔

☆ قرآن شریف بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔

☆ میں نے پہلی مرتبہ خان صاحب سے سنا کہ جو حدیث قرآن شریف سے مطابقت رکھتی ہے اُس کو مانو ورنہ حدیث ضعیف ہے نہ مانو۔

☆ حضرت مسیح موعودؑ اور خلفا سے بڑی عقیدت تھی۔ خلیفۂ وقت کی طرف سے جو بھی حکم آتا تو بلا تحقیق فوراً اُس کی تعمیل کرتے۔

1: ایک دفعہ خان صاحب جلسہ سالانہ کے لئے ٹرین پر ربوہ سفر کر رہے تھے کہ ٹرین کے ڈبے میں ایک تبلیغی جماعت کے فرد سے ملاقات ہوئی وہ بھی اپنے تبلیغی جلسہ پر رائے ونڈ جا رہے تھے۔ خان صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا رائیونڈ جلسہ پر۔ جس پر خان صاحب نے اُن سے دریافت کیا کہ ذرا ایک بات بتائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ آج بھی اپنے نیک بندوں سے کلام کرتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر اُس شخص نے خان صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا (خان صاحب کا) اس بارہ کیا خیال ہے؟ میں نے کہا ہاں اللہ تعالیٰ اب بھی اپنے نیک بندوں سے کلام کرتا ہے اور ہماری جماعت کے ہزاروں لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے یعنی رؤیا و کشوف اور الہام سے اور اس میں اپنی ذاتی مثال بھی دی اور اس بندے کو احمدیت کی تبلیغ شروع کر دی۔

2: اکثر رات کو گھر کا دروازہ بند کرنا بھول جاتے تھے۔ صبح دودھ والا آپ کو یاد دلاتا۔ میں نے ان کو کہا کہ 'کاکا' (میں خان صاحب کو پیار سے 'کاکا' کہتا تھا) کوئی پستول وغیرہ رکھ لو تو وہ فرماتے میرے پاس باورچی خانے کی چھری ہے۔ میں کہتا 'کاکا' چھری سے کیا ہوتا ہے۔ تو کہتے بیٹا یہ چیزیں فضول۔ ہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہمارے احمدیوں کے گھروں کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ کو اتنا کامل توکل اللہ تعالیٰ پر تھا۔

3: انہوں نے ایک بار مجھے فرمایا کہ پاکستان بننے کے بعد جب مسجد مبارک (ربوہ) بھی کچی تھی جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہم وہاں نماز پڑھ رہے تھے سجدہ کے دوران بارش میں کیچڑ ہمارے چہرے اور ماتھے میں لگ گیا۔ میں نے حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ جو ہمارے ساتھ ہی کھڑے تھے اُن سے کہا کہ ہمارے سارے چہرے کیچڑ سے لت پت ہو گئے ہیں تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ عبدالسلام ان سجدوں اور دعاؤں میں جو مزہ ہے ایک دن آئے گا کہ مسجد مبارک خوبصورت بن ہی جائے گی مگر وہ مزہ نہیں جو اَب ہے اور ہم دونوں پر رقت طاری ہو گئی اور کیچڑ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

4: ایک دفعہ مجھے (خاکسار کو) کہا کہ بیٹا! اگر بزنس کرنا ہے تو ایک وجود سے کرنا۔ میں نے دریافت کیا کس سے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے یعنی اپنے چندہ باقاعدگی سے ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر واپس کرتا ہے۔

5: یہ نصیحت فرماتے کہ بچوں کے رشتے احمدی گھرانوں میں کرنا اور اپنی مثال دیتے کہ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ میرے دونوں بیٹوں کی شادیاں خاندان مسیح موعودؑ میں ہوئی۔ ہر وقت کہتے کہ میرے بچوں کی شادیاں ایسے ہوئیں کہ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ پیسے کہاں سے آئے اور فرمایا یہ سب چندوں کی برکت ہے۔

6: خان صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ میری ایک بیٹی کسی نوکری کے سلسلہ میں انٹرویو کے لئے جا رہی تھی تو بیٹی نے اپنے والد صاحب (خان صاحب) کو کہا کہ ابا جی میری کوئی سفارش نہیں دعا کرنا۔ تو خان صاحب نے کہا بالکل بے فکر رہو ان شاء اللہ تم ہی select ہو گی۔ بیٹی نے پوچھا ابا جی وہ کس

طرح؟ تو خان صاحب نے جواب دیا کہ میں ایک وجود کو جانتا ہوں میں اس کو کہہ دوں گا۔ خان صاحب نے فرمایا بیٹی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے وضو کیا اور 2 رکعت نفل ادا کئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں بہت رویا۔ جب بیٹی واپس گھر آئی تو خوشخبری سنائی کہ اباجی میں select ہو گئی اور ساتھ ہی پوچھا کہ آپ نے (خان صاحب) کس سے سفارش کرائی؟ میں نے جواب دیا کہ بیٹی اللہ تعالیٰ سے۔ ہمارا ہر قسم کا ہتھیار دعا ہے اور یہ گُر ہم کو مسیح موعودؑ نے سکھایا ہے۔

7: ایک دن ڈاکٹر محمود احمد (بھتیجا) جو اس وقت خیبر میڈیکل کالج پشاور کا طالب علم تھا گرمیوں کے دن تھے جب مغرب کی نماز کے لئے آئے تو آستین چڑھائی ہوئی تھی اس پر خان صاحب نے تنبیہ کر کے کہا کہ آستین نیچے کرو۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑے ہونے جا رہے ہو۔ اور پھر ایک دنیاوی مثال دی کہ جب ہم دنیاوی عدالت میں جاتے ہیں تو کتنے خاموش و ادب سے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ تو خالق کی عدالت ہے جو کہ مخلوق کی عدالتوں سے بہت اونچی ہے۔

8: جب خلیفۃ المسیح الرابعؒ ضیاء الحق کے دور حکومت میں 1984ء میں لندن کو ہجرت کر گئے اور جب وہاں خیریت سے پہنچ گئے تو ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم کی اہلیہ سلمیٰ مبارکہ صاحبہ نے عبد القدوس خان مرحوم کے گھر فون کیا جو اُن کے بیٹے ڈاکٹر محمود احمد نے وصول کیا۔ سلمیٰ مبارکہ صاحبہ نے اُن کو کہا کہ 'ہیرا' پہنچ گیا ہے اور خان صاحب (عبد السلام خان) کو اطلاع دے دو۔ ڈاکٹر محمود احمد، خان صاحب کے پاس آئے اور خبر پہنچائی اور پوچھا کا کا جی 'ہیرا' کا کیا مطلب ہے؟ تو خان صاحب نے کہا: الحمد للہ حضور لندن خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔

جو واقعات مجھے یاد تھے میں نے ان چند سطور میں قلم بند کئے ہیں جو احباب یہ پڑھیں تو خان عبد السلام خان صاحب، اُن کی اولاد اور خاکسار اور میری اولاد کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والد محترم عبد السلام خان صاحب کے حوالے سے کچھ یادیں

ڈاکٹر حامد اللہ خان

جلسہ سالانہ

والد صاحب ہر سال جلسہ سالانہ پر جاتے اور ہم سب کو ساتھ لے جاتے۔ مجھے یاد ہے کہ پشاور کے احباب چناب ایکسپریس کے ذریعہ اکٹھے سفر کرتے اور اکثر مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بوگیاں ہوتی تھیں۔ بہت ہی خوشگوار ماحول میں سفر گزرتا۔ صبح کے وقت ہم ربوہ سٹیشن پر پہنچتے۔ ہم اکثر جلسہ سالانہ سے ایک دن قبل پہنچتے۔

والد صاحب خاکسار کو بھی ساتھ لے کر سارے صحابہ کرام اور خاندان کے بزرگان کو ملنے جاتے اور تاکید کرتے کہ میں ٹوپی پہن کر جاؤں اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کروں اور ان کو دعا کے لئے عرض کروں۔ خاکسار کو حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے کئی بار ملنے کی توفیق ملی۔ الحمدللہ

جلسہ کے ایام میں والد صاحب کا دستور تھا کہ نماز تہجد اور نماز فجر مسجد مبارک میں ادا کرنے کے بعد بہشتی مقبرہ تشریف لے جاتے اور خاکسار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ بہشتی مقبرہ میں بہت لمبی دعا کرتے۔ اس کے بعد ہم ناشتہ کرتے اور تیاری کر کے جلسہ گاہ پہنچتے۔ والد صاحب کی کوشش ہوتی کہ جلسہ گاہ میں ہمیں سٹیج کے قریب جگہ ملے۔ اس کے لئے جلدی جانے کی کوشش کرتے۔ ہم سب بمع دوسرے افراد خاندان زمین پر چادر ڈال کر بیٹھ جاتے۔ جلسہ کی ساری کارروائی بہت غور سے سنتے اور جب تک جلسہ ختم نہ ہو جاتا جلسہ گاہ سے نہ جاتے۔ فرماتے تھے کہ جلسہ گاہ مبارک جگہ ہے اور اس مبارک جگہ میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

پشاور کے احباب کا قیام دفاتر تحریک جدید یا انصار اللہ کے ہال میں ہوتا تھا۔ سب دوست اپنا اپنا بستر

ساتھ لاتے، بہت پیارا روحانی ماحول ہوتا تھا۔ جلسہ کے موقع پر جب حضور سے جماعتی ملاقات ہوتی تو والد صاحب ہمیشہ صاف کپڑے پہنتے اور ہمیشہ حضور کو نذرانہ پیش کرتے اور دعا کے لئے درخواست کرتے۔ ویسے بھی والد صاحب خلیفۂ وقت کو باقاعدہ دعا کے لئے خط لکھتے اور ہر مشورہ حضور سے لیتے۔

والد صاحب کی وفات اور جنازہ

والد صاحب کو ذیابیطس اور انجائنا کی تکلیف تھی۔ خاکسار نے والد صاحب کی بیماری کے پیشِ نظر والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو اپنے پاس انگلینڈ بلا لیا۔ کچھ دیر ہسپتال رہ کر صحت ماشاء اللہ بہتر ہوگئی۔ میری بیگم امۃ الحیٔ صاحبہ نے اس بیماری کے دوران والد صاحب کا بہت خیال رکھا اور والد صاحب اکثر اس کا اظہار بھی کرتے اور خاص دعاؤں سے بھی نوازتے۔

اسی طرح میری بیگم کو میری والدہ صاحب مرحومہ کی آخری بیماری میں بھی بہت خدمت کی توفیق ملی۔ جزاھا اللہ۔

ان خدمات کے نتیجے میں خاکسار اور میری اولاد نے والد صاحب، والدہ صاحبہ کی دعاؤں کا وافر حصہ لیا۔ الحمدللہ۔ میرے والد صاحب میری بیگم صاحبہ کے ساتھ ناشتہ کی میز پر کافی دیر تک دینی باتیں کرتے اور میری بیگم سے بہت خوش تھے اور پیار بھی کرتے۔ مجھے بھی کہتے کہ امۃ الحیٔ خاندان مسیح موعودؑ سے ہے ان کی بہت قدر کریں۔ نیز فرماتے:

"اللہ تعالیٰ نے میری دعاؤں کے طفیل بطور انعام ہمیں دیا ہے۔"

1989ء میں یارک شائر انگلستان میں قیام کے دوران والد صاحب کی صحت بہتر ہوگئی۔ جلسہ مصلح موعودؓ کے لئے اسلام آباد گئے جو اس سال 26 فروری کو اسلام آباد میں تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خطاب بھی فرمایا تھا۔

23 مارچ کو اسلام آباد انگلینڈ میں جوبلی کا جلسہ ہونا تھا والد صاحب بھی ہمارے ساتھ جانے کا پروگرام بنا رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ 19 مارچ کو والد صاحب کو دل کا بڑا شدید حملہ ہوا۔ جلدی سے ہسپتال پہنچایا گیا لیکن طبیعت سنبھلنے کی بجائے، مسلسل بگڑتی گئی حتی کہ وفات ہوگئی۔

حضور انورؒ کا اظہارِ افسوس اور جنازے کے متعلق ہدایات

ابا جان کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا فون آیا اور فرمانے لگے: ''ڈاکٹر صاحب! خان صاحب کی وفات کا بہت افسوس، بہت ہی افسوس ہوا۔ خان صاحب کا ایک دور تھا۔ خان صاحب اپنے جذبات کا اظہار اپنے خطوط میں کیا کرتے تھے۔'' ساتھ ہی مجھے ہدایت فرمائی کہ اگلے دن والد صاحب کا جنازہ اسلام آباد لایا جائے تا حضور جنازہ پڑھائیں۔

الحمد للہ حضور کی دعاؤں کے طفیل سارے مراحل بخیر و عافیت طے ہوئے اور اگلے روز میت اسلام آباد لے جائی گئی اور حضور انور نے نمازِ جمعہ کے بعد جنازہ پڑھایا اور 23 مارچ کے خطبہ میں والد صاحب کا بہت احسن رنگ میں ذکر فرمایا۔ الحمد للہ۔ والد صاحب کا نئی صدی کا پہلا جنازہ تھا۔

اس صدی کا پہلا جنازہ

اس صدی کا پہلا جنازہ مکرم عبد السلام خان صاحب مرحوم کا پڑھا گیا، جو آج ہی ایک بجے یعنی جمعہ سے پہلے پڑھا گیا۔ عبد السلام خان صاحب مرحوم صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے ایک معزز پٹھان خاندان کے فرد تھے۔ آپ کے والد نے جب ۱۹۰۸ء میں بیعت کی تو صوبے کے گورنر نے حکم دے کر آپ کے خاندان کو صوبہ بدر کر دیا۔ ۱۹۱۸ء میں خان صاحب بطور احمدی پیدا ہوئے اور ہمیشہ بڑے ہی اخلاص اور وفا کے ساتھ جماعت سے وابستہ رہے۔ بڑے دعا بزرگ تھے ان کی یہ خواہش تھی کہ میں اگلی صدی تک پہنچوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کو اس طرح بھی پورا فرما دیا کہ اس صدی کی پہلی نماز جنازہ جو خلیفۂ وقت نے ادا کی وہ خان صاحب مرحوم مغفور کی تھی۔............. جنازوں کے متعلق تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ جنازے بھی تو ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنازہ بھی ایک رحمت کا موجب ہے۔ اس کو میں قطراتِ رحمت کے طور پر جو شمار کر رہا ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں یہ فیصلہ کہ پیدائش خوشی کی بات ہے اور جنازہ غم کی بات ہے یہ ایسا آسان فیصلہ نہیں ہے۔ حضرت مسیحؑ بعض باتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا شخص جو ہو اس پر تف ہے۔ لعنت ہے اس دن پر جس دن وہ پیدا ہوا۔ ایسا شخص جو ان باتوں سے محروم رہے یا ایسی بدیوں میں مبتلا ہو بسا اوقات دنیا کے عام محاورے میں ہم کہتے ہیں لعنت

ہے اس دن پر جس دن وہ پیدا ہوا اور حضرت مسیحؑ کے متعلق خدا فرماتا ہے رحمت تھی اس دن پر، خدا تعالیٰ کی برکتیں تھیں اس دن پر، سلام تھا اس دن پر جس دن مسیح پیدا ہوا۔ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (مریم:۳۴) مسیح کی زبان میں خدا تعالیٰ نے یہ الفاظ قرآن کریم میں محفوظ رکھے کہ سلام ہے اس دن پر جس دن میں پیدا ہوا اور سلام ہے اس دن پر جس دن میں فوت ہوا یا فوت ہوں گا اور اس دن پر بھی سلام جس دن میں دوبارہ اٹھایا جاؤں گا۔ پس نہ پیدائش سلامتی کا موجب ہوتی ہے نہ موت سلامتی کا موجب ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ بعض موتیں خدا تعالیٰ کے نزدیک سلامتی کا موجب بن جایا کرتی ہیں۔ رہتی دنیا تک جب تک قرآن کریم رہے گا اور ہمیشہ رہے گا کروڑہا اربوں بندے خدا تعالیٰ کے یہ آیت پڑھا کریں گے اور حضرت مسیح کی موت پر بھی سلامتی بھیجا کریں گے۔

رشک کا اظہار

جنازہ کے بعد محترم چودھری انور کاہلوں صاحب مرحوم نے مجھے کہا:

"حامد اللہ! کاش! خان صاحب کی جگہ میں ہوتا۔"

حضور نے ہمارے سارے خاندان کے ساتھ بہت شفقت کا سلوک کیا اور تعزیت بھی کی۔

نوٹ: آج 2015/12/26 محترم ڈاکٹر جاوید صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو دوران ملاقات کہا کہ خاکسار (ڈاکٹر حامد اللہ خان) کہاں ٹھہرا ہوں؟ میں نے کہا دارالمسیح میں۔ اس پر ڈاکٹر جاوید صاحب نے کہا کہ "کاکا دلہ پوخ کار کرے دے" یعنی میرے والد صاحب عبد السلام خان مرحوم کی دعاؤں کے طفیل آج خاندان مسیح موعودؑ سے منسلک ہوں اور دارالمسیح میں جگہ ملی ہے۔ **الحمدللہ علیٰ ذالک۔**

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ گواہ ہے کہ آج مجھے والد صاحب مرحوم بہت یاد آئے اور ان کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین کے درجات بلند کرے اور اُن سے رحم و بخشش کا سلوک کرے۔ آمین رَبِّ

اغْفِرْ وَارْحَمْ اَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا۔ واقعی آج اپنے مرحوم والدین کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ کا ہمارے سارے خاندان پر کتنا فضل ہے۔ اس پر جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کم ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے اور ہمارے ساتھ بھی بخشش و رحم کا سلوک کرے۔ آمین

والد صاحب کا ایک ایمان افروز واقعہ

والد صاحب نے بتایا کہ 1974-75ء میں بنوں صوبہ سرحد میں تعینات تھے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی نے جب جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو ایک دن وہ اپنے بعض دوستوں کے ہمراہ علاقہ کے قومی اسمبلی کے ممبر سے ملنے ان کے گاؤں گئے۔ وہاں کافی غیر احمدی احباب بھی موجود تھے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اس ممبر سے کہا کہ ایک بات پوچھنی ہے! جب اسمبلی کے ممبر متوجہ ہوئے تو والد صاحب نے کہا کہ یہ بتائیں کہ سنا ہے کہ اسمبلی میں ہمارے مولویوں نے قادیانیوں کے خلیفہ کو دلیلوں سے لاجواب کر دیا؟ والد صاحب کہتے ہیں کہ اس پر ممبر قومی اسمبلی نے میری طرف دیکھا اور پشتو میں جواب دیا: ”چپ کہ زنگہ ملایانوں خُوغٹاپَیتی اُوکڑا بلکل اِیس جواب ورسرہ نۂ“ یعنی ہمارے مولویوں کو سخت شکست ہوئی وہ تو کوئی جواب بھی نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے غیر کے منہ سے سچ بلوایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

بعض احباب کے بیان کردہ متفرق واقعات

1: صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ابن ڈاکٹر مرزا منور احمد مرحوم، خاکسار کے برادر نسبتی نے بتایا کہ انہیں علم تھا کہ عبدالسلام خان صاحب بہت دعاگو ہیں۔ مرزا مظفر احمد صاحب نے ایک دفعہ خان صاحب کو دعا کے لئے خط لکھا۔ خان صاحب کا جواب آیا کہ میں آپ کے لئے باقاعدہ دعا کرتا ہوں اور ان شاءاللہ مزید دعا کروں گا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ تم بھی اپنی سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے گیلا کیا کرو۔

2: حضرت خان صاحب نے حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ کا ایک واقعہ بتایا کہ حضرت

مولانا راجیکی صاحبؓ جب پشاور میں مقیم تھے تو خاکسار (خان صاحب) اکثر انہیں دعا کے لئے عرض کرتا رہتا تھا۔ ایک بار مولانا راجیکی صاحبؓ نے فرمایا کہ میں تو دعا کروں گا لیکن تم بھی اپنی سجدہ گاہ کو گیلا کرو اور ساتھ ہی فرمایا کہ خلیفۂ وقت کو بھی دعا کے لئے لکھتا رہوں۔

3: ایک دن جب ہم مسجد مبارک ربوہ نماز کے لئے جا رہے تھے تو محترم اللہ بخش صادق صاحب نے مجھے کہا کہ کیا آپ کو اپنے والد کی کتاب تفسیر سورۃ یوسف واپس چاہئے؟ میں حیران ہوا کیونکہ میرے علم میں کوئی کتاب والد صاحب کی لکھی ہوئی نہ تھی۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں نے حیرانی سے کہا کہ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں عبد السلام خان کا بیٹا ہوں آپ غالباً مجھے قاضی محمد یوسف صاحبؓ کا بیٹا سمجھے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں آپ کو جانتا ہوں۔ اِس پر انہوں نے ایک واقعہ بتایا کہ جب وہ جامعہ کے طالب علم تھے ان کو امتحان کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی سورۃ یوسف کی تفسیر کی ضرورت تھی جو اس وقت نایاب تھی۔ انہوں نے اپنے ماموں مولا بخش صاحب سے ذکر کیا جو اُن دنوں پشاور میں رہتے تھے اور محترم عبد السلام خان صاحب کے دوست تھے۔ انہوں نے خان صاحب سے ذکر کیا۔ خان صاحب کے پاس وہ کتاب موجود تھی تو مولا بخش صاحب نے ان سے کچھ دن کے لئے کتاب پڑھنے کو مانگ لی۔ خان صاحب نے کہا کہ وہ صرف ایک دن کے لئے دے سکتے ہیں۔ مولا بخش صاحب نے ایک دن کا وعدہ کیا اور جب ایک دن بعد کتاب واپس دینے گئے تو عبد السلام خان صاحب کو یقین نہ آیا کہ اتنی جلدی آپ نے کتاب کیسے پڑھ لی؟ اس پر مولا بخش صاحب نے کہا کہ آپ کہیں سے مجھ سے پوچھ سکتے ہیں۔ خان صاحب بہت حیران ہوئے اور کہا: پھر میں یہ کتاب آپ کو تحفہ کرتا ہوں۔ محترم اللہ بخش صاحب فرمانے لگے کہ وہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔

ماموں عبدالسلام

زبیدہ ناہید اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد

سوانح

ماموں عبدالسلام خان کے بارے میں لکھنا شروع کیا تو اپنی والدہ صاحبہ بہت یاد آئیں انہیں اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں اور اپنی بہنوں سے بہت پیار تھا۔ دونوں ماموں بھی اپنی بہنوں کی بہت عزت کرتے تھے۔

ماموں جان ایک نیک اور مخلص احمدی تھے جب مسجد زیادہ دور نہیں تھی تو نماز کے لئے مسجد جاتے اور ایک فعّال احمدی ہونے کے ناطے جماعتی خدمات میں پورے جوش وجذبہ سے حصّہ لیتے۔ ہمیشہ کسی نہ کسی جماعتی عہدے سے منسلک رہے اور پورے جوش وجذبے سے اپنا فرض نبھاتے رہے۔

بچوں کی نیک تربیت پر پوری توجہ دیتے۔ تہجد گزار تھے اور سجدوں میں بہت روتے اور دعائیں کرتے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب اپنا گھر بنوالیا تو اپنے گھر میں نمازوں اور درس کا اہتمام کیا اور رمضان کے مہینہ میں بھی درس اور تراویح اپنے گھر میں ہی کرواتے اور احباب کے دکھ درد میں شامل ہوتے۔ اسی علاقے میں کچھ عرصہ تبلیغ کی تشنگی دور کرنے کے لئے ہومیوپیتھک کی دکان کھولی لوگ گھر پر بھی آتے تو آپ ان کو احسن رنگ میں تبلیغ کرتے۔

ماموں عبدالقدوس خان

چھوٹے ماموں عبدالقدوس خان صاحب لمبا عرصہ گوادر میں رہے۔ واپس پشاور آنے کے بعد دونوں بھائی مل کر اکثر دینی و دنیاوی خدمات اکٹھے بجالاتے۔ دونوں بھائیوں میں بہت پیار تھا اور دونوں نے ساتھ ساتھ گھر بنوائے، بچے اکٹھے کھیلتے، نمازیں بھی اکٹھی پڑھتے، بچیاں بھی سکول اور کالج اکٹھی آتی جاتیں اور مہمانداری کے سلسلے بھی قائم رہے۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنی بہنوں کا بھی خوب حق ادا کیا

اور چاروں سے شفقت اور پیار وصول کیا۔

ماموں عبد السلام خان صاحب نے ہی ہم دونوں بہنوں کے رشتوں کی طرف اپنے ساس سسر کو توجہ دلائی جو دونوں بیٹوں مکرم خلیل احمد خان صاحب اور ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کے لئے رشتوں کی تلاش میں تھے۔ اس طرح ہماری ممانیاں ہماری نندیں بنیں اور پیار کے رشتے مزید مضبوط اور خوبصورت ہوئے۔ الحمدللہ

دونوں ممانیاں

یہ مضمون ادھورا ہو گا اگر دونوں ممانیوں کا ذکر نہ ہو۔ آپ نہایت خاکسار طبیعت اور خوش مزاج تھیں۔ اپنی والدہ اور بھائیوں کا حق بھی خوب ادا کیا۔ گھر کے اتنے کاموں اور بچوں کے باوجود مشین پر سب کے لئے سلائی کرتیں اور آپ نے بھائیوں کے کپڑے بھی سیئے اور گھر کو صاف ستھرا رکھتیں۔ یہ سعادت عطا ہوئی کہ سب کا خیال اور خدمت کی توفیق پائی کسی کو انکار نہیں کرتی تھیں ہماری محترم ممانیاں بھی اپنے خاوندوں کے رنگ میں رنگین تھیں۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کی خدمت

ہمارے ماموں جان عبد السلام خان کو اور اُن کی بیگم بی بی عائشہ صاحبہ بنتِ خواص خان صاحب آف پشاور دونوں نے مل کر ہر مہمان کی خدمت کی۔ دونوں نے اپنے والدین کی دل و جان سے خدمت کی اور اُن کی دُعائیں لیں۔ جب مولانا راجیکی صاحب رضی اللہ عنہ پشاور میں تعینات تھے اور ان کی فیملی ربوہ میں تھی تو ماموں جان اُن کے دھلنے والے کپڑے گھر پر لاتے اور ممانی اپنے ہاتھ سے دھوتیں اور اُن کی دُعائیں لیتیں۔ ان کو خدا تعالیٰ نے بہت ہمت دی تھی۔ اپنی ہمت سے بڑھ کر اپنی بیٹیوں کے بچوں کی پیدائش میں بھی ان کی خدمت کی۔

غرضیکہ یہ ایک مثالی جوڑا تھا ہر حال میں خوش و خُرم اور شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔ خُدا تعالیٰ نے خُوب نوازا اور ایک نیک اور مخلص نسل پیچھے چھوڑ گئے۔ الحمدللہ

ماموں جان کوئی زیادہ امیر نہیں تھے اپنے بھی ان کے سات بچے تھے بہنیں پشاور کے ارد گرد دُور

رہتی تھیں اس لئے ان کے گھر کوئی نہ کوئی مہمان رہتا تھا کوئی بیمار ہو جاتا تو سیدھے پشاور اور ان کے گھر آجاتے اور تیمارداری اور خدمت گزاری اور ہسپتالوں کے چکر اِن دونوں کے حصّے میں آتے۔ نانا جان کی وفات کے بعد نانی جان بھی اِن کے پاس رہیں۔

میں چھوٹی تھی تو دل میں خواہش ہوتی تھی کہ میں بھی ماموں کے گھر پشاور جاؤں لیکن ہماری والدہ صاحبہ جب بھی جاتیں تو گود کے بچے کو لے جاتیں اور میں روتی ہی رہ جاتی۔

ایک دفعہ ماموں جان ہمارے گھر دسمبر میں کسی کام سے مردان آئے تو میرے ساتھ پیار کیا اور کہا کہ آپ کی چھٹیاں ہیں تو میں آپ کو پشاور لے جاتا ہوں۔ میں دل میں خوش ہوئی مگر ڈر رہی تھی کہ امی جان اجازت دیں گی کہ نہیں کہ اچانک امی نے خوشخبری دی کہ آپ اور بہن رضیہ صاحبہ ماموں جان کے ساتھ جائیں یہ آپ کو واپس لے آئیں گے۔ بس پھر کیا تھا مجھے ایسا لگا کہ میں ہوا میں اُڑ رہی ہوں۔ پشاور بہت اچھا لگا۔ رات کو عورتوں کا باہر نکل کر پارک میں ملنا اور دکھ سکھ بانٹنا بہت اچھا لگا اور اس طرح یہ سفر یادگار بنا۔

حرفِ آخر

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیاروں کے ساتھ رحم کا سلوک فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین

My memories

Hazrat Abdus Salam Khan Sahib

By: Bashir A. Rafiq

My earliest memories of my beloved Mamu (My maternal uncle) Hazrat Abdus Salam Khan begin from 1937.

In 1937, in the service of Sardar Muhammad Bakhtiar Khan Domeky my father was posted to the State of Lehri in Baluchistan. My mother, brother and sisters continued to live in the village in Peshawar.

My visit of maternal grandfather

My maternal grandfather Hazrat Moulvi Muhammad Ilyas Khan sahib almost permanently lived in Mastung in Baluchistan.

One day, my father wrote to us that since my Uncle, Abdus Salaam was going to visit his father in Mastung, we should also accompany him on the journey to Baluchistan and from there, proceed to Lehri. I can distinctly recall that journey. We disembarked from the train at Bail Paht Station and took a bus, towards Lehri. The entire route was similar to travelling in a barren desert landscape. There was hardly any road and the driver drove towards Lehri purely by his own intuition, since there were no landmarks or signs to show him

the correct route. At last, in the evening we reached Lehri where my father was anxiously waiting for us.

Journey to Mastung

After a few days in Lehri my Mamu, Abdus Salam Khan Sahib took me with him to Mastung to visit my maternal grandfather. My grandfather's house was situated on the border of a beautiful rose garden and we would enjoy the beautiful scenery and fragrant aromas of roses in full bloom from the windows of the spacious and well furnished house.

Daily routine of my Grandfather

In the evenings after offering our Maghrib prayers my grandfather used to talk about some spiritual subjects. He was a great scholar and had learnt the Holy Quran and Hadith from famous and learned Indian scholars when he was a young boy. He imported this spiritual knowledge to his daughters and his sons through these Dars (religious discourses) after Maghrib prayers. Mamu Abdus Salam Khan used to take notes of these spiritual sessions and hence became a scholar of Islamic jurisprudence himself.

Every day after Asr prayers my grandfather used to go to the nearest park for a long walk. Both Mamu Abdus Salaam Khan and I used to accompany him on these walks.

Stay in Mastung

I stayed with my grandfather for about a year and a half

and then returned to my village in Peshawar to continue my education. At the time the only place of learning was the local Primary school in the village. I joined the primary school and after completing my studies there; I enrolled in the nearest High school which was at a distance of three miles from my home.

My admission in High school Peshawar

One day my Mamu visited us in the village and suggested to my parents that since the High school was quite far from our village he would take me to Peshawar and enrol me in the Government High School. At the time my Mamu was still a bachelor and lived in the Civil Quarters of Peshawar Cantt. This colony was under the supervision of the Peshawar Cantonment Board and all the residents were Civil servants. My maternal grandparents had now relocated from Mastung in Baluchistan and had moved into the civil quarters to be with their son Abdus Salam Khan Sahib.

Abdus Salam Khan Sahib

Abdus Salam Khan Sahib had a towering personality. He was handsome and tall. He was humble, soft spoken and an obedient servant of Ahmadiyyat. He had great love and affection for his parents. In those days there was only one Ahmadi mosque in Peshawar. Every Friday he would take us to the mosque during his lunch break.

Mamu Abdus Salam Khan was very active in the service of the Jama'at. During my stay there he was Quaid Khuddam-ul Ahmadiyya and also collected all the chanda's (voluntary charitable donations) from the Ahmadi residents in the Civil Quarters Colony. He was very regular in offering his five daily prayers and paying all his charitable monetary obligations on time. Early in the morning after offering his Tahajjud and Fajr prayer he used to recite the Holy Quran in a loud and melodious voice. He was a great lover of the Holy Quran and had memorised various short chapters of the Holy Quran. He was greatly devoted to Khilafat-e-Ahmadiyya and the whole social order of the running of the Ahmadi Jama'at.

T.I. High School Qadian

In 1945 my father made the decision to enrol me in T.I. High School at Qadian. As he was still posted in Baluchistan he requested my Mamu, Abdus Salam Khan Sahib to take me to Qadian and help me with the admission process at the school. We both boarded a train from Peshawar and arrived in Qadian the next day; All the way he recited the Holy Quran and spent his time in praying. I could not understand why he was so emotional and filled with emotion. We stayed in Darul-Ziafat for a few days before I was admitted into the boarding dormitory at the school.

<u>Majlis Irfan by Hazrat Khalifa Sani[ra]</u>

My Mamu Abdus Salam took me to Masjid Mubarak for Salat five times a day regularly. After Maghrib prayers Hazrat Khalifa Sani[ra] used to hold a Majlis Irfan Question and answer session. This was a treasure of knowledge that I was unable to understand at the time but Mamu Abdus Salam greatly enjoyed participating in these sessions. He would take me to Masjid Mubarak quite early and would always sit in the first row as near to the Mihrab as possible. After about a fortnight he left for Peshawer.

In a Persian verse it is said,

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقتِ پیری گرگِ ظالم می شوَد پرہیز گار

Simply translated, it means: To be pious in one's youth is the style of prophets. In the old age,even a cruel wolf gives up his cruelty.

Both of my maternal Uncles; Mamu Abdus Salam Khan Sahib and Abdul Qudoos Khan Sahib were the personification of this couplet. They were both pious, God fearing and Muttaqis. Alhamdullilah.

<u>Marriage of my both Mamuns</u>

I was still living with Mamu Abdus Salam Khan studying in the Govt. High school, Peshawer Cantt when the marriages of both my Mamus (Uncles) were arranged

with two daughters of Khawas Khan Sahib. In those days all marriages in Khyber Pukhtoonkhwa were arranged.

Muhammad Khawas Khan Sahib

Muhammad Khawas Khan Sahib was very prominent amongst the Ahmadi residents of Peshawar. He was not only good looking and handsome but also had an agreeable demeanour and he possessed praiseworthy manners. He also lived in the Civil Quarters at Peshawar. Opposite his house, out in the open, marking the spot with bricks, he established an open air Mosque where every evening, we would regularly offer our congregational daily prayers. In the winter months, we offered our congregational prayers in a room in his house. Very often during the winter, the congregation would be served tea after prayers.

By the Grace of Allah, Muhammad Khawas Khan made substantial progress in the ranks of the government civil service and retired as Deputy Secretary to the Provincial Government.

In later life I always stayed with my Mamu Abdus Salam Khan whenever I visited Peshawar. His wife Bibi Ayesha Sahiba treated me like her own son. I am indeed deeply indebted to both my maternal uncles and my aunts. May Allah shower His Blessings upon both of them. Ameen.

The marriage ceremony was very simple. I

accompanied as part of the Barati (marriage party) with my grandfather and other close relatives to Khawas Khan Sahib's house. In the evening, after the wedding ceremony, both brides were brought to Mamu Abdus Salam Khan's house in a motor car.

A man of Principles but hospitable person

Mamu Abdus Salam was a strict disciplinarian and expected his children and other young relatives to strictly abide by Islamic Shariah laws. He did not hesitate to administer corporal punishment when he suspected any of his children of disobedience.

Mamu Abdus Salam Khan loved his brother and sisters immensely. He regularly visited his sisters at their villages and spent time with them. He was a hospitable person. Both he and his wife extended their hospitality to all relatives.

I miss both my Mammu and Mami and pray for them every night. May Allah shower His choicest blessings on both my Mamu and Mami Sahiban. Ameen.

میری یادیں

حضرت عبد السلام خان صاحب

ترجمہ: محمد مقصود احمد منیبؔ۔ مربی سلسلہ

ماموں عبد السلام خان صاحب کے ساتھ میری بچپن کی یادوں کی ابتدا 1937ء سے ہوتی ہے جب میرے والد محترم سردار بختیار خان کی حکومت میں میرے ابا جان کی تعیناتی لہری بلوچستان میں ہوئی جبکہ میری والدہ، بھائی اور بہن پشاور کے ایک گاؤں میں ہی رہائش پذیر رہے۔

ناناجان سے ملاقات

میرے ناناجان حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب مستونگ بلوچستان میں کافی عرصہ سے مقیم تھے۔ ایک دن میرے والد محترم نے ہمیں خط لکھا کہ میرے ماموں محترم عبد السلام خان صاحب اپنے والد سے ملنے مستونگ جا رہے ہیں تو ہمیں ان کے ساتھ مستونگ اور پھر آگے لہری آجانا چاہیے۔ مجھے وہ سفر آج بھی یاد ہے۔ ہم ٹرین کے ذریعہ بیل پہاٹ سٹیشن پر اترے اور وہاں سے لہری کے لیے بس لی۔ سارا رستہ صحرا کا سفر تھا۔ ایک ہی سڑک تھی جو لہری تک جا رہی تھی لیکن رستے میں کوئی سنگ میل نہیں تھا جو لہری تک رہنمائی کر سکتا۔ بالآخر شام کو ہم لہری پہنچ گئے جہاں ابا جان بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

مستونگ کا سفر

لہری میں کچھ دن قیام کے بعد ماموں عبد السلام خان صاحب مجھے اپنے ساتھ مستونگ لے گئے۔ ناناجان کے گھر کے سامنے گلاب کا باغ واقع تھا جس کی خوشبو سے سارا گھر معطر رہتا تھا اور ہم ناناجان کے پر تکلف سجے ہوئے بڑے سے گھر کے اندر سے بھی باہر خوب نظارے کرتے تھے۔

ناناجان کی روز مرّہ مصروفیات

مغرب کی نماز کے بعد ناناجان کسی نہ کسی روحانی موضوع پر درس دیا کرتے تھے۔ وہ بہت بڑے عالم

تھے اور انہوں نے جوانی میں نامور اور جید علماء کرام سے قرآن کریم اور حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد دیئے جانے والے ان درسوں کے ذریعہ انہوں نے اپنا یہ علم اپنی اولاد میں منتقل کیا۔ ماموں عبد السلام خان صاحب ان درسوں کے نوٹس لیا کرتے تھے جس سے وہ بھی اسلام کے ایک بہترین عالم بن گئے۔

مستونگ میں قیام

میں ناناجان کے ساتھ مستونگ میں لگ بھگ ڈیڑھ سال رہا پھر میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے اپنے گھر لوٹ آیا جہاں میں نے اپنی پرائمری تعلیم مکمل کی اور قریبی ہائی سکول میں داخلہ لے لیا جو میرے گھر سے تین میل دور تھا۔

ہائی سکول پشاور میں میرا داخلہ

ایک دن ماموں جان ہمارے گاؤں آئے اور میرے والدین سے کہا کہ بشیر احمد کو گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل کروادیں جو ہمارے گاؤں سے کچھ دور پشاور میں واقع تھا۔ اس وقت ماموں جان ابھی غیر شادی شدہ تھے اور کنٹونمنٹ بورڈ کے زیر انتظام پشاور کینٹ کے سول کوارٹرز میں رہائش پذیر تھے۔ میرے ناناجان اور نانی جان بھی مستونگ سے ماموں عبد السلام خان صاحب کے پاس ہی سول کوارٹرز پشاور کنٹونمنٹ کالونی میں ہی منتقل ہو چکے تھے۔

محترم عبد السلام خان صاحب

مکرم عبد السلام خان صاحب بڑی عظیم الشان شخصیت کے حامل انسان تھے۔ وہ بہت ہی وجیہ اور لمبے اونچے تھے لیکن بے حد متحمل مزاج، نرم گفتار اور احمدیت کے اطاعت گزار خادم تھے۔ وہ اپنے والدین سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ ان دنوں پشاور میں ایک ہی احمدیہ مسجد تھی اور ماموں جان ہر جمعہ کو ہمیں دوپہر کے کھانے کے وقفے میں وہاں لے جاتے تھے۔

ماموں جان جماعتی خدمات میں بہت مستعد تھے۔ جب میں ان کے ہاں قیام پذیر تھا تو وہ قائد خدام الاحمدیہ تھے اور وہ سول کوارٹرز کالونی میں رہنے والے تمام احباب جماعت سے سارا چندہ خود جمع کرتے

تھے۔ وہ نماز پنجگانہ کا التزام کرتے اور اپنا چندہ بروقت ادا کرتے تھے۔ نماز تہجد اور فجر کے بعد وہ بلاناغہ اپنی دل موہ لینے والی بلند آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ انہیں قرآن کریم کے ساتھ عشق تھا اور قرآن کریم کے کئی حصے زبانی یاد تھے۔ انہیں خلافت احمدیہ اور نظام جماعت کے ساتھ والہانہ عشق تھا۔

ٹی آئی ہائی سکول قادیان

1945ء میں میرے والد محترم نے فیصلہ فرمایا کہ مجھے ٹی آئی ہائی سکول قادیان میں داخل کروادیا جائے۔ ابھی وہ بلوچستان میں ہی ملازمت کر رہے تھے کہ انہوں نے ماموں عبد السلام صاحب سے ہی درخواست کی کہ مجھے قادیان لے جائیں اور داخلہ میں میری مدد فرمائیں۔ چنانچہ ہم دونوں پشاور سے ٹرین میں بیٹھے اور اگلے دن قادیان پہنچے۔ سارا رستہ وہ تلاوت قرآن کریم اور دعاؤں میں مصروف رہے۔ میں سمجھ نہیں پارہا تھا کہ وہ اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہیں؟ ٹی آئی ہائی سکول میں میرے داخلہ اور بورڈنگ میں جگہ ملنے تک ہم کچھ دن دارالضیافت میں قیام پذیر رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی مجالس عرفان

ماموں عبد السلام صاحب مجھے پانچوں نمازوں پر مسجد مبارک لے جاتے جہاں مغرب کی نماز کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مجلس عرفان منعقد کیا کرتے تھے۔ یہ مجالس عرفان علم کا خزانہ تھا۔ مجھے اُس وقت سمجھ نہیں آتی تھی لیکن ماموں عبد السلام صاحب بہت محظوظ ہوتے تھے۔ فجر کی نماز پر وہ مجھے کچھ زیادہ پہلے مسجد مبارک لے جاتے جہاں وہ پہلی صف میں محراب کے جس قدر قریب ہو سکتا بیٹھتے تھے۔ تقریباً چالیسویں دن وہ رات کو پشاور کے روانہ ہوئے۔ فارسی میں ایک شعر ہے کہ:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقتِ پیری گرگِ ظالم می شوَد پرہیز گار

اس کا سادہ سا مطلب ہے کہ جوانی میں ہی توبہ کرلینا شیوۂ انبیاء ہے جبکہ بڑھاپے میں تو ایک ظالم بھیڑیا بھی ظلم سے باز آجاتا ہے۔

میرے دونوں ماموں مکرم عبد السلام خان صاحب اور ماموں عبد القدوس خان صاحب اس شعر کی عملی تفسیر تھے۔ دونوں متقی، پرہیز گار اور خوفِ خدا رکھنے والے بزرگ تھے۔

دونوں ماموں صاحبان کی شادی

میں ماموں عبد السلام خان صاحب کے ساتھ پشاور کینٹ میں ہی قیام پذیر تھا اور گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں زیرِ تعلیم تھا کہ میرے دونوں ماموں صاحبان کی شادی محترم خواص خان صاحب کی دو بیٹیوں کے ساتھ ہو گئی۔ خیبر پختون خوا کی تمام شادیاں والدین کی مرضی سے ہی ہوا کرتی تھیں۔

محترم محمد خواص خان صاحب

محترم محمد خواص خان صاحب پشاور کے احمدیوں میں ایک خاص مقام و مرتبہ کے حامل انسان تھے۔ وہ ایک بارُعب، معزز اور وجیہ انسان ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت اعلیٰ اور قابل تعریف اخلاق کے حامل انسان تھے۔ وہ بھی سول کوارٹرز میں ہی رہائش پذیر تھے اور اپنے گھر کے سامنے اینٹوں کا ایک چبوترہ بنا کر ایک کھلی مسجد بنائی ہوئی تھی جہاں ہم روزانہ اپنی فرض نمازیں ادا کیا کرتے تھے جبکہ سردیوں میں ان کے گھر کے ایک کمرے میں ہم نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ نماز کے بعد اکثر چائے بھی پلائی جاتی تھی۔ خوش قسمتی سے محترم محمد خواص خان صاحب گورنمنٹ سول سروس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے اور ترقی کرتے کرتے بالآخر صوبائی ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

جب بھی پشاور جاتا اپنے ماموں عبد السلام خان صاحب کے ہاں ہی قیام کرتا تھا۔ ان کی اہلیہ محترمہ عائشہ بی بی مجھے اپنے بیٹوں کی طرح ہی پیار کرتی تھیں۔ میں بھی اپنے دونوں ماموں صاحبان اور ان کی بیگمات سے دلی عقیدت اور محبت رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے بے شمار فضل اور رحمتیں نازل فرماتا رہے۔ آمین

ماموں صاحبان کی شادی بہت ہی سادگی سے انجام پائی۔ میں بھی نانا جان اور دیگر رشتہ داروں کے ہمراہ بارات میں محترم محمد خواص خان صاحب کے گھر گیا۔ شام کا وقت تھا جب دونوں دلہنیں ماموں عبد السلام خان صاحب کے گھر موٹر کار پر لائی گئیں۔

ایک اُصول پسند لیکن نہایت شفیق انسان

ماموں عبد السلام ایک بہت ہی اصول پسند انسان تھے اور اپنی اولاد اور دیگر رشتہ دار نوجوانوں کو اسلام کے اُصول پر سختی سے کاربند کرنا چاہتے تھے۔ جب کوئی بچہ نافرمانی کرتا تو وہ اسے بدنی سزا دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔

ماموں جان اپنے تمام بہن بھائیوں کے ساتھ والہانہ دلی محبت رکھتے تھے۔ وہ اپنی بہنوں سے ملنے باقاعدہ ان کے گھر جایا کرتے اور ان کے ساتھ کچھ وقت ضرور گزارا کرتے تھے۔ وہ ایک ہمدرد انسان تھے۔ وہ اور ان کی اہلیہ تمام رشتہ داروں سے بے لوث محبت رکھتے تھے۔

میں ماموں اور ممانی جان دونوں کو یاد کرتا ہوں اور ہر رات ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو اور اپنی خاص رحمتیں دونوں پر نازل فرمائے۔ آمین

والد محترم عبد السلام خان صاحب کے خواب

(1) بیٹیوں کے رشتوں کے متعلق استخارہ

19-1-1974

آج رات میں نے استخارہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عزیزی نیرہ مبشرہ کے بارے مجھے رہنمائی فرمائے۔ آج اتوار کا دن ہے۔ رات خواب میں دیکھا کہ میری دو بچیوں صادقہ اور نیرہ کی شادی عبد القدوس خان کے دو لڑکوں عبد الودود اور ایک اور سے ہو رہی ہے۔ صادقہ کی شادی عبد الودود سے ہو رہی ہے اور میں نے نہا کر صاف کپڑے پہنے ہیں۔ پھر نظارہ بدلتا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب عبد القدوس خان کے گھر تشریف لاتے ہیں اور اس کے بعد میرے گھر تشریف لاتے ہیں۔ میں ان کے لئے خشک میوہ اور چائے لے جاتا ہوں۔ چائے نوش فرمانے اور خشک میوہ کھانے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب آپ چلے جائیں میں کچھ آرام کروں گا۔ میں ان کے کمرے سے باہر آجاتا ہوں۔ مجھے اس خواب کی تعبیر کی تفہیم یوں ہوئی کہ عبد القدوس کے گھر شادی سے یہ مراد ہے کہ عبد القدوس اس سلسلہ میں جو کوشش کر رہے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے طرف سے ہماری فتح ہو گی یعنی ظفر اللہ۔ عبد القدوس کی یہ خواہش ہے کہ یہ رشتہ نہ ٹوٹے بلکہ نیرہ اپنے رویہ میں تبدیلی لا کر مبارک کے گھر چلی جائے۔ اس قسم کا استخارہ تین دن کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

عبد السلام

(2) بیٹوں کی بشارت

20-1-1974

اکتوبر 1974 ماہ رمضان میں میمونہ کے رشتے کے لئے استخارہ کیا تو مندرجہ ذیل خواب دیکھا۔ دیکھتا ہوں کہ سابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان نے ایک میوہ والے سے آم خریدا جس کا وزن

کچے وَٹّے 5 سیر اور پکے چار سیر ہے۔ آم سبز رنگ کا ہے اور بہت بڑا اور بہت میٹھا معلوم ہوتا ہے۔ صدر ایوب دکاندار سے کہتا ہے کہ یہ آم ہندوستان سے آیا ہے۔ ہندوستان کو انعام دینا چاہیے کہ اس نے اتنی اچھی نسل پیدا کی ہے۔ میں دکاندار سے کہتا ہوں کہ مجھے بھی ایسا ہی آم دیں۔ اس نے کہا اَور آم ایسے تو نہیں ہیں۔ میں دیکھتا ہوں اگر گودام میں ہوئے تو دے دوں گا۔ اس کے بعد اپنے گودام جاتا ہے اور دو سبز آم ویسے ہی لاتا ہے مگر ان کا وزن پونے دو سیر ہے۔ میں وہ دونوں خرید لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ بہت اچھے آم ہیں۔ بہت میٹھے ہوں گے اور ان میں گودا بھی کافی ہو گا۔ میں نے مولوی صاحب سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: آم سے مراد لڑکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تین لڑکے دے گا جو بہت خوبصورت اور بفضل خدا آسودہ ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(3) میری بیٹی صادقہ کا داخلہ

ستمبر 1967ء کے پہلے ہفتہ میں میری بچی صادقہ بیگم نے مجھ سے درخواست کی کہ ایم ایس سی میں داخلہ کے لئے اس کے لئے دعا کروں۔ ایک رات تہجد کی نماز کے بعد مندرجہ ذیل خواب دیکھا۔ دیکھتا ہوں کہ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مگر جس راستے سے جاتا ہوں اس سڑک کے پُل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ دوسرے راستے سے جانا شروع کیا وہاں پر بھی یہی حال ہے۔ پھر تیسرے راستے سے روانہ ہوا وہاں پر پل ٹوٹا ہوا ہے۔ اسی پریشانی میں کسی نہ کسی طرح سے ایک مکان میں داخل ہوا جو پشاور شہر میں ہے اور کچھ کچا اور کچھ پکا ہے اور بالا خانہ کی طرز کا ہے۔ میں اوپر کی منزل پر ہوں وہاں پر دیکھا کہ باہر سے ایک شخص آیا اور کہا کہ تم یہاں پر کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے مکان جانا چاہتا ہوں مگر جس راستے سے بھی جاتا ہوں راستہ میں پل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمہارا مکان کہاں پر ہے؟ میں اس کو بالا خانے سے اشارہ کرتا ہوں کہ وہ جو اس جوہڑ تالاب کے پرے جو واقع ہے۔ اتنے میں نسیم (میرے دفتر میں کلرک ہیں اور پشاور کے رہنے والے ہیں) نے مجھے کہا اس بالا خانہ کے پیچھے کی طرف سے ایک مختصر سا راستہ ہے وہاں سے آپ کے مکان کو چلے جاتے ہیں۔ ہم اس راستے سے روانہ ہوئے اور بخیریت اپنے مکان پہنچ گئے جوں ہی ہم مکان پر پہنچے طیبہ میری بچی بھی ٹانگہ میں پشاور پہنچ گئی۔ صبح میں نے بچی کو بتایا

کہ داخلہ ہو جائے گا مگر کچھ تکلیف اور Back Door سے۔ سو ایسا ہی ہوا کہ پشاور شہر کی ایک احمدی خاتون ڈاکٹر طاہرہ نسرین Phd کی کوششوں سے صادقہ کو ایم۔ ایس۔ سی میں داخلہ مل گیا ورنہ ویسے داخلہ ناممکن تھا اور انکار ہو گیا تھا۔ چند دنوں کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا بھی اجازت نامہ آ گیا کہ اگر صادقہ بیگم وعدہ کرے کہ وہ باپردہ رہے گی تو ایم ایس سی میں داخلہ کی اجازت ہے۔ الحمدللہ

داخلہ کے لئے رقم نہیں تھی۔ اس کے لئے میرے بہت ہی مہربانی اور شفیق بھائی خلیل احمد خان نے 500 روپے بھجوا دیا جس سے سب مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ حل ہو گیا۔ اے اللہ! تو خلیل احمد پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش برسا اور جس طرح سے اس نے ہر موقع میں میری مدد کی ہے تو ہر موقع پر ان کی مدد فرما اور ہر نیک امر میں اس کو سرخرو کر۔ میں اس کے ان احساسات کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ اے خدا! تو ہم سب پر اپنا رحم فرما اور میرے تمام بچوں کی تعلیم و تربیت تو خود اپنے ہاتھ میں لے۔ اے میرے قادر خدا تو ایسا ہی کر۔

عبدالسلام 1967/09/16

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیدار

غالباً جنوری 1965ء

خواب میں دیکھا کہ اُمُّ المؤمنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے گھر تشریف لائی ہیں۔ ان کی آمد کا سن کر بھابھی بھی تشریف لے آئیں اور بہت اصرار سے حضرت بی بی عائشہ کی دعوت کی۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے دعوت قبول فرمائی اور مجھ سے فرمایا کہ چونکہ بھابھی (میری خوشدامن صاحبہ) تم سے بہت محبت کرتی ہیں اس لئے ان کی دعوت قبول کرتی ہوں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا چاولوں میں سے ایک دانہ یا چند دانے چاول اٹھاتی ہیں۔ چاول کا منہ میں ڈالنا تھا کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور دل پر اثر اہوا۔ مجھ سے فرمانے لگیں کہ موت کے بعد مجھے اپنے حجرہ میں دفن کیا جائے۔ حضرت بی بی عائشہ فوت ہو جاتی ہیں اور ان کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت بی بی عائشہؓ کو تم سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے ان کو تم لحد میں اتارو۔ میں نفس مبارک کو لحد میں اتارتا

ہوں تو دیکھتا ہوں کہ بھابھی کی لاش ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(5)حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب

شب 1966/07/17ء

رات خواب میں دیکھا کہ میں اور عبد القدوس خان میرا بھائی ایک کلاس میں یا کسی دفتر میں اکٹھے بیٹھے ہیں اور بھی کافی لوگ ہیں۔ حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب تشریف لائے اور پہلے میرا نام لیا بعد میں عبد القدوس کا نام لیا اور ہمیں بلایا۔ ہم دونوں گئے اور بہت دیر تک ان کے ساتھ خوش گپیاں کرتے رہے۔ تمام لوگ حیران تھے کہ حضرت چودھری صاحب خاص ہم سے ملنے کے لئے کیسے تشریف لائے؟ باہر دیکھا تو چودھری صاحب کا ہوائی جہاز کھڑا تھا۔ چودھری صاحب کسی باہر ملک جانے والے تھے۔ راستے میں جہاز موڑ کر ہمارے ملنے کے لئے آئے۔ جب تشریف واپس لے جانے لگے تو پہلے انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور دیکھا کہ ان کی بیوی بھی ان کے ہمراہ ہے۔ اور وہ میری بچی میمونہ بیگم ہے جو کالا برقع اوڑھے ہوئے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(6)ڈاکٹر حامد اللہ صاحب کی کامیابی

1966ء

ماہ جولائی کے پہلے ہفتے خواب میں دیکھا کہ حامد اللہ خان اپنے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے امتحان میں پاس ہو گیا ہے اور میں نے 19 روپے کا ملیشیا اپنے دو چپڑاسیوں میں تقسیم کے لئے خریدا۔ حامد اللہ خان نے ماہ جولائی کے دوسرے ہفتے میں بتایا کہ ایک دن دعا کے بعد سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو زبان پر جاری تھا Cleared سو الحمدللہ آج مؤرخہ 66/07/26 نتیجہ نکلا اور میرا بچہ حامد اللہ بفضل خدا ایم۔ بی۔ بی۔ ایس میں کامیاب ہو گیا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

(7)جنت کی سیر

گزشتہ رات 9 اور 10 نومبر 1967ء کی درمیانی شب جمعرات اور جمعہ مندرجہ ذیل خواب

دیکھا۔ خواب دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد ہے جس میں نماز باجماعت کے لئے احباب جماعت صف باندھ رہے ہیں اتنے میں دیکھتا ہوں کہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم، خان امیر اللہ خان صاحب مرحوم رضی اللہ عنہما اور ایک اور دوست جو ابھی یاد نہیں کہ کون تھے؟ جنت سے تشریف لائے ہیں۔ سب احباب ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر تمام احباب بیٹھ گئے اور قاضی صاحب مرحوم اور امیر اللہ خان صاحب مرحوم اور وہ دوسرے دوست مرحوم کھڑے ہیں اور تمام احباب ان کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ میں نہایت غور سے ان کو دیکھتا ہوں کہ یہ تو فوت ہو گئے تھے۔ ان کے وجود اور پوست کا رنگ کیسے ہے؟ اور حیران ہوتا ہوں کہ ان کے رنگ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور دل میں کہتا ہوں کہ انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا گوشت پوست سڑ جاتا ہے اور صرف ڈھانچارہ جاتا ہے۔ یہ کیسے مُردے ہیں کہ ان میں تغیر نہیں آیا؟ اتنے میں اقامت ہوئی ہے اور نماز شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ احباب کھڑے اور کچھ احباب بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ سلام پھیرو نماز ختم ہو گئی ہے۔

میں کہتا ہوں یہ کیسی نماز تھی۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا اور نماز ختم ہو گئی۔ وہ کہنے لگا کہ نماز قاضی صاحب نے پڑھائی اور چونکہ وہ مسافر تھے اور واپس جنت جا رہے تھے قاضی صاحب نے نماز پچھلی صف میں امام بن کر پڑھائی۔ اس لئے ایک رکعت پڑھائی دوسری رکعت آپ خود پڑھ کر نماز پوری کریں۔ میں نے ایک رکعت پڑھ کر نماز پوری کی اور قاضی صاحب مرحوم اور امیر اللہ خان صاحب مرحوم کے ہمراہ ہو گیا کہ میں بھی جنت کا نظارہ کروں۔ دیکھتا ہوں کہ فرنٹیئر کے بہت سے احباب جو سب کے سب پٹھان معلوم ہوتے ہیں جنت کی طرف جا رہے ہیں ان میں سے ایک عمرالدین خان مرحوم اور ایک میاں شہاب الدین صاحب مرحوم کو میں جانتا ہوں اور باقی کو پہچانتا ہوں اور اس وقت یاد نہیں رہے کہ وہ کون ہیں؟ ہم سب جنت میں داخل ہوئے میں بھی ان کے ہمراہ جنت میں داخل ہوا۔ وہاں ایک بہت بڑا ہال ہے وہاں میں نے اپنی والدہ صاحبہ کو دیکھا کہ بہت خوش تھیں اور کئی عورتیں بھی تھیں مرد بھی تھے۔ ستر وغیرہ کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ میری والدہ نہایت خوش الحانی سے ایک رابعیہ پشتو میں پڑھ رہی ہے۔ جس کا

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہم ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ خدا تمہارے گلے میں سونے کی ایک زنجیر کرے۔ سونے کی زنجیر میں ایک ڈبیہ ہو اور ڈبیہ میں ہیرے جواہرات ہوں۔ اتنے میں ایک عورت بڑھ کر میری والدہ کے پاس آتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری والدہ ان سب عورتوں کی سردار ہے وہ کوئی اور شعر کہتی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں ایک دوسرے کو یہ دعا بھی دیا کرتے تھے مگر ہمارے خدا نے ہمیں اتنا دیا اتنا دیا کہ وہ دعا اب مذاق معلوم ہوتا ہے۔

تمام مرد اور عورتیں بہت خوش ہیں۔ ہنس رہے ہیں خوشیوں میں غزل کہہ رہے ہیں اور ادھر ادھر گھوم رہے ہیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میں نے ان جنتیوں میں سے ایک سے پوچھا کہ میرے والد صاحب مرحوم کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ بڑی کلاس ہیں اور یہاں پر جدا جدا کلاس ہیں۔

(8) بھٹو اور ضیا کا انجام

اباجی کے دو خواب جو مجھے یاد ہیں:

ایک تو ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان کے انجام بارے تھا۔ 1974ء کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ربوہ میں ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے گھر بیت الاحسان میں مقیم ہیں۔ آپ صبح کی نماز کے لئے احاطہ مسجد مبارک کے راستہ مسجد مبارک کی طرف جا رہے ہیں تو احاطہ کے اندر جس گراؤنڈ میں لڑکے کرکٹ کھیلتے تھے، وہاں ایک طرف ایک کچا سا کمرہ بنا ہے اور اس کا احاطہ بہت ویران اور ہر جگہ گند پڑا ہوا ہے اور کچے کمرہ کو ایک معمولی قسم کا تالا لگا ہوا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ آپ نے کسی سے پوچھا کہ یہاں کون رہتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ کو علم نہیں یہاں تو ذوالفقار علی بھٹو رہتا ہے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ مجھے علم ہوا کہ بھٹو کا انجام برا ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

دوسرا خواب 1982ء کے بعد دیکھا جب جنرل ضیاء الحق کا دور تھا جس نے احمدیوں کے خلاف نیا آرڈیننس جاری کیا تھا۔ احمدیوں کے خلاف مخالفت زوروں پر تھی۔

آپ فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ Cabinet Meeting ایک کمرہ میں ہو رہی ہے۔ میں بھی

اس کمرہ میں موجود ہوں۔ ضیاء الحق Meeting کرا رہا ہے اور کافی جرنیل بھی میٹنگ میں ساتھ بیٹھے ہیں۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ضیاء الحق بالکل ننگا ہے اتنے میں ایک جرنیل اپنی کرسی سے اٹھا اور ضیاء الحق کو ریوالور سے شوٹ کر دیا۔ وہ جرنیل کہہ رہا تھا کہ اسلام کی باتیں کرتا ہے اس کا اپنا حال دیکھیں؟ والد صاحب فرماتے تھے کہ مجھے میرے خدا نے اس کا بد انجام دکھا دیا تھا اور ایسا ہی ہوا کہ جرنیلوں سمیت مباہلہ کے انجام جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے دیا تھا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور لاش کا ایک ٹکڑا بھی نہ مل سکا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

(9) والد صاحب کے متعلق خواب

1989/9/14

1: صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد جو آج کل میرے پاس چھٹیوں پر آئے ہوئے ہیں، مجھے بتلایا کہ انہوں نے کل رات خواب میں میرے والد صاحب عبد السلام خان کو بہت خوش حالت میں ہشاش بشاش خوب صورت چہرہ کے ساتھ دیکھا۔

دیکھا کہ ایک نہر ہے اس کے کنارے پر وہ چل رہے ہیں۔ ایک ڈھلوان ہے اور زمین اوپر ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اوپر عبد السلام خان کا گھر ہے جو بہت خوبصورت ہے اور پیارے سرسبز درخت ہیں۔ ڈاکٹر صاحب حماد (میرے بیٹے) کے ساتھ ڈھلوان کو ٹھیک کرتے ہیں کہ عبد السلام خان کے لیے نیچے اترنے میں تکلیف نہ ہو۔ پھر اوپر جا کر دیکھتے ہیں کہ حامد اللہ خان (خاکسار) اور ساتھ والد صاحب نظر آتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے، پیار کرتے اور ملتے ہیں۔ بہت خوش لگ رہے تھے۔

2: بشیر احمد رفیق نے والد صاحب کی وفات کے بارے میں دیکھا کہ وہ ایک جہاز نما چیز میں سفر کر رہے ہیں اور پائلٹ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ جہاز نے بہت بلندی پر پرواز شروع کی۔ بشیر رفیق کہتے ہیں کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ پھر ایک طرف سفید خوبصورت مکان ہیں وہاں جا کر رک جاتا ہے، وہاں صالحہ خاں (میری پھوپھی) اُن سے ملے اور بہت باتیں کیں پھر پوچھا کہ ماموں عبد السلام کہاں ہیں۔ کہنے لگیں کہ جتنا آئے ہو اتنا ہی مزید اوپر چڑھنا ہو گا۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ محترم والد صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(10)ضیاء الحق کے متعلق خواب

30-31مارچ کو درمیانی شب فجر کی نماز سے پہلے خواب میں دیکھا کہ میری بچی نیرہ بھی کہتی ہے کہ ضیاء الحق کو اس کا بھائی قتل کر رہا ہے اس خبر کی تصدیق کی جائے۔ میں نے کہا کہ اب آدھی رات ہے کس سے پتہ کرائیں۔ وہ کہتی ہے پولیس تھانہ فون کر کے پتہ کریں۔ میں نے کہا پولیس والے بھی کہیں گے کہ تمہارا اس قتل سے کیا تعلق ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں ڈرائنگ روم جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہاں پر ریڈیو آن ہے اور کوئی غیر ممالک کا سٹیشن بول رہا ہے۔ اتنے میں وہاں گانا وغیرہ بند ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ نئی خبر آئی ہے کہ پاکستان کے صدر کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ صبح کو تمام لوگ باہر نکلتے ہیں۔ ضیاء الحق کی لاش ایک صندوق میں پڑی ہے اور لوگ اس کو دیکھتے ہیں میرے گھر کے تمام بچے بھی اس نظارہ کو دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ میں اس خیال سے کہ بچے بھوکے ہیں ان کے لئے روٹی خرید کر ساتھ لے جاتا ہوں مگر بچوں اور مستورات کا پتہ نہیں لگتا کہ کہاں پر ہیں۔ میں بھی ضیاء الحق کی لاش کو دیکھتا ہوں۔ کہتا ہوں کہ اب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اپنے احمدیت کی مخالفت کے کرتوتوں کا حساب دے رہا ہو گا۔ کوئی شخص مجھے کہتا ہے چادر جو تمہارے کندھے پر ہے اس سے سر کو ڈھانک لو۔ میں کہتا ہوں میرے سر پر ٹوپی تو ہے وہ شخص پھر مجھے کہتا ہے کہ نہیں سر کو چادر سے ڈھانک لو۔ غالباً اس کا یہ خیال ہے کہ اس طرح سے میں پہچانا نہ جاؤں۔ میں بچوں کی تلاش میں روٹی بغل میں لئے پھر رہا ہوں۔ تھک کر ایک چائے کی دکان پر بیٹھ جاتا ہوں وہاں پر ٹی وی لگا ہوا ہے۔ ضیاء الحق کے قتل کا تمام واقعہ جو فلم ہو گیا ہے ٹی وی پر دکھایا جا رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک جلسہ یا میٹنگ جیسی صدارت کرنے کے لئے ضیاء الحق اپنی فوجی وردی میں آگے ہے اور کرسیٔ صدارت پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کے پیچھے غیر فوجی افسر کھڑے ہیں اور فوجی افسر پیچھے سے دوڑ کر آتے ہیں اور ضیاء الحق پر فائر کرتے ہیں۔ ضیاء الحق ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دوطرفہ گولیاں چلتی ہیں اور کافی خون خرابہ ہوتا ہے اور ٹی وی پر بتلاتے ہیں کہ محمد اسحاق خان نے صدارت کا حلف اٹھالیا ہے۔ میں کسی سے پوچھتا ہوں کہ کس آئین کے ماتحت۔ اس کے بعد آنکھ کھل جاتی ہے۔

عبد السلام

پیارے آقا کے خطوط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

پیارے مکرم عبد السلام خاں صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا خط محرر 1982-10-14 ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ تمام مشکلات کو دُور کرے۔ دینی و دنیوی ترقیات عطا کرے۔ خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ آپ کے دونوں بیٹے خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے کاموں میں بڑی محبت اور خلوص سے حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی سے رکھے اور اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ آمین

اس دفعہ عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ کے ہاں قیام بہت پُر لطف رہا۔ ماشاء اللہ آپ نے دونوں بچوں کی بہت پیاری تربیت کی ہے۔ ان کی والدہ کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہہ دیں۔

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

1-11-82

پشاور 6693

پیارے مکرم عبدالسلام خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ 14/10/82 ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ تمام مشکلات کو دور کرے۔ دینی و دنیوی ترقیات عطا کرے۔ خدمت دین کی توفیق بخشے۔

آپ کے دونوں بیٹے خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے کاموں میں بڑی محبت اور خلوص سے حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی سے رکھے اور دینی و دنیوی نعمتوں سے نوازتا رہے آمین۔ والسلام

اس دفعہ عزیزم ڈاکٹر ناصر احمد کے ہاں قیام بہت پر لطف رہا۔ ماشاء اللہ آپ کے دونوں پوتے بچے بہت پیارے ہیں تربیت کی ہے ان کی والدہ کریمہ کی طرف سے بہت بہت سلام کہیں

خاکسار
مرزا طاہر احمد
خلیفۃ المسیح الرابع

پی ایس مد
6693 / 1.11.82

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُو الناصر

31-8-1984

پیارے مکرم عبد السلام خاں صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ نے جن جذبات کا اظہار فرمایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے اور ہر آن آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیک خواہشات پوری فرمائے اور اسلام کی فتح و نصرت کے دن جلد لے کر آئے۔ آمین

غلبۂ اسلام کے لئے دعاؤں میں مصروف رہیں۔

پیارے عزیزان حامد اللہ، اَمۃ الحئی اور بچے وقفِ عارضی پر اسپین گئے ہوئے ہیں۔

اپنے غموں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اس طرف بھی نگاہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی پیاری مخلص اور دین کی فدائی اولاد عطا فرمائی ہے۔ جتنا بھی اس پر شکر کریں کم ہے۔ حامد اللہ کی امّی کو نہایت محبت بھرا اسلام اور بچوں کو پیار۔

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

لنڈن

1984-11-05

P3743

پیارے مکرم عبد السلام خاں صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ

آپ کا خط محررہ 18-10-1984 موصول ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں اور نیک خواہشات کو قبول فرمائے۔ آپ کے اخلاص اور ایمان میں برکت دے آپ کو مکمل صحت عطا فرمائے، عزیزم حبیب اللہ کی عمر و صحت میں برکت دے، امتحانات میں کامیابی اور کامرانی عطا فرمائے، آپ کی بچی کو نعم البدل عطا فرمائے اور صحت و تندرستی والی زندگی نصیب کرے۔ نیا مشن ہاؤس خریدنے پر آپ کو بھی مبارک باد ہو۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جن مقاصد کے لئے لیا ہے ان کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بہتوں کو حق کو شناخت کرنے کی توفیق دے۔

عزیز حبیب کی والدہ کو میری طرف سے نہایت محبت بھرا اسلام۔

پچھلے دنوں عزیزہ سعیدہ سے اکثر ملاقات ہوتی رہی۔ اسم با مسمّٰی ہے عزیز حامد اللہ خاں اور حبیب وغیرہ بھی یہاں آئے ہوئے تھے۔ آپ کے یہ دونوں بچے ماشاء اللہ نہایت سعید فطرت بلند اخلاق اور دین کے فدائی ہیں مگر عزیزم حامد اللہ کی دینی قد و قامت تو اللہ کے فضل سے ایک امتیازی رنگ رکھتی ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ اَللّٰھُمَّ زِدۡ وَ بَارِکۡ

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

ھو الناصر — خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

1364
27.9.1983

پیارے مکرم عبدالسلام خان صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مختلف ممالک میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کو دکھوں
کے بدلے جو نئے نئے شاندار مراکز عطا فرمائے ہیں
ان کے افتتاح کی غرض سے آج کل یورپ کے
سفر پر ہوں۔ انگلستان سے روانگی سے قبل آپ کے
چند خطوط ایسے ملے تھے جو اخلاص اور ایثار کی خوشبو
سے بطور خاص مہک رہے تھے خصوصاً وہ خط جس
میں میرے نہایت پیارے عزیز ڈاکٹر حامد اللہ خان
پر حملہ کا ذکر کرکے آپ نے اپنے قلبی تاثرات
بیان کیے تھے۔ وہ خط پڑھتے ہوئے میرے
جذبات قابو میں نہ رہے اور میں نے آپ
کو اور عزیزم حامد اللہ کو اور آپ کی نسلوں
کو بہت دعائیں دیں اللہ کی حمد کے موتی
میری آنکھوں سے بہنے لگے کہ اس نے اس عاجز
کو کیسی پیاری متقی جانثار جماعت عطا فرمائی
ہے۔ ایسی جماعت کو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر

بھی شکست نہیں دے سکتیں ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ۔
آپ کے ان مرقع ہائے اقدس کے جواب
میں دل نے مجبور کیا کہ خود اپنے قلم سے جواب
دوں مگر معروفیات نے لاچار کر رکھا تھا ۔
الحمد للہ کہ آج ذرا دیر کے لیے کچھ وقت ملا ہے
تو جلدی میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔
جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا و الآخرۃ ۔
عزیزم حبیب اللہ کو بہت بہت پیار اور اُن
کی والدہ اور ہمشیرگان کو محبت بھرا سلام۔
خدا حافظ!

سب احباب جماعت کو بھی محبت بھرا سلام

والسلام خاکسار
مرزا طاہر احمد

برادرم عزیزم قریشی محمد اسلم صاحب کی شہادت پر آپ
کی دلگداز تعزیت جہاں روحانی تسکین بخشی وہاں
زخم تازہ کر کے لذت درد بھی عطا کی
جزاکم اللہ احسن الجزاء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔

ھُوَ النَّاصِرُ

زیورخ۔1364

27-9-1985

پیارے مکرم عبد السلام خاں صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ

مختلف ممالک میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کی دلجوئی کے لئے جو نئے نئے شاندار مراکز عطا فرمائے ہیں اُن کے افتتاح کی غرض سے آج کل یوروپ کے سفر پر ہوں۔ انگلستان سے روانگی سے قبل آپ کے چند خطوط ایسے ملے تھے جو اخلاص اور ایثار کی خوشبو سے بطور خاص مہک رہے تھے خصوصاً وہ خط جس میں میرے نہایت پیارے عزیز ڈاکٹر حامد اللہ خان پر حملہ کا ذکر کر کے آپ نے اپنے قلبی تاثرات بیان کئے تھے۔ وہ خط پڑھتے ہوئے میرے جذبات قابو میں نہ رہے اور مَیں نے آپ کو اور عزیزم حامد اللہ کو اور آپ کی نسلوں کو بہت دعائیں دیں۔ اللہ کی حمد کے موتی میری آنکھوں سے بہنے لگے کہ اس نے اس عاجز کو کیسی پیاری، متقی، جانثار جماعت عطا فرمائی ہے۔ ایسی جماعت کو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی شکست نہیں دے سکتیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

آپ کے ان مرقع ہائے اخلاص کے جواب میں دل نے مجبور کیا کہ خود اپنے قلم سے جواب دوں مگر مصروفیات نے لاچار کر رکھا تھا۔ الحمد للہ کہ آج زیورخ میں کچھ وقت ملا ہے تو جلدی میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَآءِ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ۔

عزیزم حبیب اللہ کو بہت بہت پیار اور اُن کی والدہ اور ہمشیر گان کو محبت بھرا سلام۔

خدا حافظ! سب احباب جماعت کو بھی محبت بھرا سلام۔

والسلام

خاکسار

مرزاطاہر احمد

برادرم عزیزم قریشی محمد اسلم صاحب کی شہادت پر آپ کی دل گداز تعزیت نے جہاں روحانی تسکین بخشی وہاں زخم تازہ کر کے لذّتِ درد بھی عطا کی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

متفرق خطوط

Hedinweg 4
24109
KIEL
Germany

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی و محترمی امام بشیر احمد خان صاحب رفیق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بفضل اللہ تعالیٰ بخیریت ہوں گے۔

چندماہ قبل کی بات ہے الفضل انٹرنیشنل کے کسی شمارہ میں "حیات الیاس" کا ایک اقتباس پڑھا تھا جو حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب مرحوم و مغفور کے استاد اور بزرگ شخصیت خان غلام محمد خان صاحب مرحوم کے بھائی ولی محمد خان صاحب کی وفات اور تدفین کے ضمن میں تھا۔ اس موقع پر خان غلام محمد خان صاحب اور حضرت مولوی صاحب مرحوم کے جو مختصر سا مکالمہ ہوا تھا، اُس کی تفصیل نے میرے اندر ایک تجسّس اور ایک اشتیاق سا بھر دیا جس سے مجھے یہ شوق ہوا کہ کیوں نہ اس ساری کتاب کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ اس سے پیشتر کہ میں اس کے حصول کے لئے پاکستان میں کسی کو لکھتا، میری خوشی اور حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جب بغیر میری کسی ایسی کاوش کے اللہ نے میری وہ چھپی ہوئی خواہش پوری فرمادی۔ میرے لئے یہ ایک حسین اتفاق تھا۔ ہوا یوں کہ پاکستان سے واپس لوٹتے ہوئے ایک دوست اپنے ذخیرۂ کتب میں سے "حیات الیاس" کا بھی ایک نسخہ ساتھ لیتے آئے۔ اس ذخیرہ میں میری توجہ اور دلچسپی کا مرکز بننے والی اور بھی بہت ساری کتب تھیں مگر ظاہر ہے میری نظر انتخاب "حیات الیاس" پر جا

کر ٹھہر گئی اور میں اسے اپنے ساتھ گھر اٹھالایا۔ میں نے اسے پڑھا۔ میرے ہاتھ میں ایک فرشتہ سیرت شخصیت کی داستان حیات تھی۔ پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے بار بار پڑھنا چاہئے۔ لاریب میں مولوی صاحب کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ان کی عظمتِ کردار سے، ان کے صبر واستقامت سے۔ ان کے اخلاق فاضلہ سے۔ ان کے علم اور حلم سے، ان کے زہد و تقویٰ سے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ انسانی روپ میں ایک فرشتہ تھے۔ میرے دل میں ایک حسرت سی پیدا ہوئی کہ کاش! اس عجب "آزاد مرد" کی صحبت کے کچھ لمحات مجھے بھی میسر آئے ہوتے۔ نجانے پر خلوص، سادہ، صاف دل اور صاف گو لوگ کیوں پیارے لگتے ہیں؟ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کے درجات بلند فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اسی طرح مصنف کتاب کو بھی جو ایک "یادگار" ہمارے درمیان چھوڑ گئے ہیں۔ محترم عبد السلام خان صاحب مرحوم کی شخصیت مجھے بہت پیاری لگی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب مرحوم کے خاندان اور جملہ عزیز واقارب پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے۔ اور ان میں سے جو اللہ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ ان سب کے ساتھ مغفرت کا سلوک فرماتے ہوئے جنت النعیم میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین اللّٰھم آمین)

محترم امام صاحب! مطالعہ کتاب کے دوران مجھ پر ایک عقدہ بھی کھلا یہ شاید 70-1969ء کی بات ہے، میرے والد محترم بغرض تعلیم قریبی گاؤں احمد نگر سے ہمیں ربوہ لے آئے۔ دارالصدر میں ہم نے مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہائش اختیار کر لی۔ ہمارے ہمسائے میں سرحد سے آئی ہوئی ایک فیملی رہائش پذیر تھی۔ اور غالباً ان کی یہاں آمد کی غرض وغایت بھی وہی تھی جو ہماری تھی۔ وہاں میں ایک سفید پوش اور معصوم چہرہ بزرگ دیکھا کرتا تھا جو نمازوں کے اوقات کے دوران مسجد محمود کی طرف آتے جاتے مجھے اکثر دکھائی دیتے اور میں بڑے پیار اور چاہت کے ساتھ آگے بڑھ کر انہیں ملتا اور سلام کرتا۔ ان کا ایک بازو (یا ہاتھ) کٹا ہوا تھا (کتاب میں ہاتھ لکھا ہوا ہے) اس گھر کا ایک شریف الطبع لڑکا میرا ہم جماعت تھا۔ ارشد درانی۔ بعد میں اس کی زبانی مجھے پتہ چلا کہ ان کے ساتھ یہ سانحہ جماعتی مخالفت کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ یہ سن کر مجھے بہت افسوس ہوا اور اس وجہ سے میری ان سے محبت بھی بڑھی۔

اگرچہ میں بچہ تھا۔ایک عرصہ بعد یعنی 1989ء میں جب ارشد سے میری اتفاقاً ملاقات ہوئی اور وہ میری دعوت پر میرے غریب خانہ پر تشریف لایا تو میں نے بطور خاص اس سے ان بزرگ صاحب کے بارہ میں پوچھا تو اس نے مجھے ان کے انتقال کی خبر سنائی اور بتایا کہ مکان کی چھت کا شہتیر ٹوٹ کر ان پر آن گرا تھا جس وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔ یہ جان کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ اور ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی۔ اب پتہ چلاہے کہ وہ بزرگ دانشمند خان صاحب تھے آپ کے والد محترم۔

ضمناً، قبل ازیں میں آپ کی ایک تصنیف جو حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی سیرت پر مشتمل تھی پڑھ چکا ہوں۔ وہ بھی بہت خوب کتاب تھی۔ اس کے مطالعہ سے بھی میرے دل پر گہرا اثر ہوا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اسے پڑھ کر میں رو بھی دیا۔ ابھی چند ہفتے پہلے میں نے ڈاکٹر عبد السلام صاحب مرحوم کے بارہ میں لکھا آپ کا ایک مضمون بھی پڑھا تھا۔ وہ بھی بہت پیارا دلچسپ اور عمدہ پیرائے میں لکھا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیشہ ہی آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔(آمین ثم آمین)

(2)

پچھلے دنوں الفضل میں ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کی والدہ کے انتقال کی خبر پڑھی تھی۔ حضور انور کے جملے سے میں نے یہی گمان کیا کہ یہ وہی حامد اللہ ہیں جو "حیات الیاس" کے ناشر ہیں۔ اگر میرا یہ قیاس درست ہے تو براہِ مہربانی اہلیہ مکرم عبد السلام خان صاحب کی وفات پر میری طرف سے بھی دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ اور اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو ڈاکٹر حامد صاحب تک بھی ان کی والدہ مرحومہ کے بارہ میں میرے تعزیتی جذبات پہنچادیں ممنون رہوں گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل سے نوازے (آمین) میں نے یہ عریضہ اپنے اخلاقی فرض کے طور پر لکھا ہے۔ ہاں یہ لالچ اپنی جگہ بجا کہ میں مولوی صاحب کے خاندان کے کسی فرد سے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے بھی دعا کی درخواست کروں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

والسلام

خاکسار

طارق بلوچ

30جون1997

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم حامد اللہ خان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے آپ کی کاوش تحریر کرنے حالات زندگی خان صاحب عبدالسلام خان مرحوم و مغفور خوشی ہوئی۔ اس لئے کہ یہ تاریخ صوبہ سرحد کا ایک اہم حصہ ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آپ ضرور لکھیں۔ اور اس کے بعد آپ خان عبدالسلام خان صاحب کے حالات بھی لکھیں۔

میں اپنی یادداشت کے مطابق ایک واقعہ لکھ کر آپ کی اس کوشش میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔

سال 1984ء جماعت احمدیہ پاکستان کے لئے ایک آزمائش لے کر آیا۔ جو کہ تاحال جاری ہے۔ کیونکہ اس سال ordinance xx،20 اپریل سے شروع ہوا۔ اور جماعت پر طرح طرح کی پابندیاں لگا دی گئیں۔ اس سلسلہ میں پشاور کی جماعت نے ایک وفد تشکیل دیا۔ جس میں خاکسار بطور وکیل شامل تھا۔ اس وفد میں خان عبدالسلام خان صاحب بھی شامل تھے۔ ہم پہلے ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنے پشاور گئے۔ انہوں نے فرمایا میں نے آپ کے امور additional deputy commissioner کے حوالے کر دیئے ہیں۔ آپ اس سے مل لیں۔ خان صاحب کو چند روز پہلے دل کی تکلیف ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے سیڑھیاں چڑھنے سے منع فرمایا تھا۔

جب ہم ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنے کے لئے آئے تو ان کا دفتر ضلع کچہری میں ایک 4 منزلہ بلڈنگ میں تیسری منزل پر واقعہ تھا۔ یہ بلڈنگ آج کل JUDICIAL COMPLEX کہلاتی ہے۔ اور خیبر روڈ کے شروع میں نزدہائی کورٹ، صوبائی اسمبلی واقع ہے۔ خان صاحب نے احتراماً خان صاحب سے عرض کی کہ آپ ہمیں پڑھائیں۔ سیڑھیاں نہ چڑھیں۔ تیسری منزل تک آپ کو تکلیف نہ ہو جائے۔ جس پر آپ نے نہایت جوش اور دبدبے سے فرمایا کہ:

”اگر جماعت کے کام کے لئے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میں مر جاؤں تو مجھے خوشی ہوگی۔ میں آج ضرور وفد میں شامل ہو کر اپنی Duty پوری کروں گا۔“

اور آپ وفد کے ہمراہ تیسری منزل پر تشریف لے گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے آپ کے دل میں جماعت کے لئے کس قدر جوش اور ولولہ تھا۔

اس کے علاوہ بھی جماعت پشاور کے لئے وہ ایک ASSET تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے اور ان کے درجات بلند کرے آمین۔

فقط

والسلام

طالب دعا

خاکسار قاضی عبد الباسط۔ وکیل

صدر حلقہ جنوبی پشاور

02.02.06

My Dear Abaji

Dr. Hamidullah Khan

I was fortunate and blessed to be born in to such righteous and devoted Ahmadi family. My grandfather was the first person from his village Charsada, who accepted Ahmadiyyat in 1909. My grandfather encountered a lot of hostilities and was steadfast despite bitter opposition, however he was forced to migrate to Baluchistan after he was expelled from KPK.

My grandfather settled in Mustung where my father was born. After completing his education in Baluchistan my father moved to Peshawar after his marriage. My father had six brothers and six sisters. He was the younger son of his parents and his brother Abdul Quddus Khan was the youngest among brothers.

Dream of my grandfather on the birth of my father

My father used to say that at the time of his birth his mother was very ill. There were no lady Doctor in Mustung those days. There was a lay nurse who attended at the time of delivery.

Abaji said that “My father said that your mother’s condition deteriorated adversely, so he said he offered two

rakat nafal prayer and earnestly prayed during Sajda and besieged Gods for His help and mercy. My father said, “While he was in Sajda, he saw a ray of light coming from the sky and went to your mothers’ room”. Soon after the nurse came out with the good news of my birth. On hearing the good news, “I prostrated again to thank Allah for His timely help”.

My father said that was the reason I named you as Abdul Salam that you were a gift from my Lord of Peace (*Salamtee wale khuda se ata ho)*

My father said he interpreted this “light” To mean that by the grace of God two of my sons to marry into the blessed family of Promised Messiah[as]. My eldest son Dr. Hamidullah Khan married the great granddaughter of the Promised Messiah[as], Sahibzadi Amatul Hai sahiba, the only daughter of Sahibzada Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb. She is also the granddaughter of Hazrat Nawab Mubaraka Begum Sahiba[ra]. My younger son Habibullah Khan is married to the granddaughter of Hazrat Khalifatul Masih Salis[ra] and is also the granddaughter Hazrat Syeda Amatul Hafeez Begum sahiba[ra]. Alhamdolillah ala Zalik.

Love of his parents

We were not very well off. In 1946 my grandparents also moved from Mustung and lived with us in Peshawar.

My grandfather died in 1948 while our grandmother passed way in 1958. My father and mother cared for them and looked after their needs. My father loved his parents immensely. My grandparents were very pleased with my father and used to mention it to others.

Upbringing of children

Despite these responsibilities by the grace of God my father never neglected his duty to my mother or children. In fact, he gave the best possible upbringing. Both parents attended to our daily needs and were keen for our best education.

My parents were total love and sacrifice for their children. They were always busy in remembrance of Allah. They inculcated the same in their children.

Despite their limited means they brought up seven children the best possible way and were able to give us best brought up and attended to all our educational needs. My mother was always busy looking after our needs and encouraged us to attain best education and would do all the household chores herself. My father provided for all the necessary expenses and needs of our education but never neglecting our duties to his children.

My father would seek the permission from Huzoor at every step during our education.

<u>His personality</u>

My father was had a towering personality. He was handsome and tall and had an awe about him. He was a man of great integrity, knowledge and wisdom.

He was obedient and devoted servant of Ahmadiyyat and was deeply religious.

He will not tolerate any lose talk about Juma'at or khalifat.

He expected his children and other young relatives to strictly abide by it.

<u>Our sweet home</u>

My parents were ideal couple and roll model for us.

We had good upbringing in spiritual surroundings. Both of my parents paid special attention to our upbringing and training. We were all taught Holy Quran by our father. Both our parents were like our role models.

When I was young, I used to go to daily prayers to the mosque with my father. I was encouraged to attend Atfal classes and other Juma'at activities.

At home he would read stories of the prophets at night and would tell us about the life of Promised Messiah[as]. From early childhood he inculcated the love of khilafat and Juma'at in us all.

Love of prayers and salat centre

Abaji was always very regular in his daily prayers. He made sure we all did our prayers on time. When we were living at Civil Quarters the mosque was not far away. I used to accompany Abaji regularly for daily prayers and Juma prayers.

After retirement Abaji built his own house at Shaheen town near Peshawar University. Here he made one large lounge and dedicated for salat centre. A good number of local Ahmadees and students from university would attend for prayers. It was good tarbiyyat centre for the Jama'at. Daily daras was done. Also, Jama'ati meetings were held regularly. During the month of Ramazan the place would be overwhelmed with people coming for namaz. Abaji was very pleased and either he or my uncle Abdul Quddus Khan Sb who lived next door would lead in prayers.

Abaji was regular in his tahajud prayers from a young age. For his piety, integrity and honesty, he earned the title of "mulla" at school and "Maulana" at work.

In fact the Persian couplet describe my father best

"Dar jawani tauba kardan shewai peghambari,

Waqte piri gurg zalim me shawad parhezgar."

Means to be pious in one's youth is the way of prophets, otherwise in old age, even a criminal gives up

his cruelty and becomes God fearing.

I can't remember he ever missed his tahajud prayers. The prayers would be up to two hours long and were done fervently. I remember when I was at school during the summer months we used to sleep out in the open. Many times, I was woken by loud crying of abaji.

Once when abaji is in Yorkshire in Mirfield. It was four-bedroom house, but the walls were not thick. I remember our eldest daughter was very young and slept in room near our room. I was woken twice during the night and asked my late wife to check if our daughter was OK. She checked but my daughter was fast asleep. Soon after I heard loud noises again as if child was crying. I went out of the room to investigate but instead found my father doing his *tahajud* and was crying like a child.

Abaji was very prayerful and did his ishraq during the day. He was I remember he told me he prays for the Khalifa and his long life and success in his missions, praying for Juma'at, for the progress of Ahmadiyyat, all the sahabas, missionaries and praying for khandan e Mashie Maood[as]. He would pray for *Darweshan-e*-Qadian and for the return of Qadian, praying for his children to be the true followers and true servants of Ahmadiyyat.

Incident and advice regarding prayers

My brother in law Sahibzada Mirza Muzaffar Ahmad related to me that he knew Abdul Salam Khan was very prayerful, he said that he wrote to my father about prayer. Abaji replied that he prays for him regularly and inshallah will continue to pray, but also emphasised that I should also pray fervently for yourself.

Mirza Muzaffar Ahmad said that my abaji narrated to him an incident about Hazrat Ghulam Rasool Rajeeki Sb[ra] when he was in Peshawar. My father used ask for prayers often, once Hazrat Rajeeki Sb. said that he will pray fervently (tum bi apni sajda gah ko geela karo) and write to Huzoor for prayers.

Some of Abaji's Dreams

My father was recipient of divine visions and revelations. Several times all of us would request for prayers and be certain that he will pray for us. All the family members and relatives were certain of the acceptance of abaji (Mama). I am myself a witness to the fact that on several difficult situations I would request abaji for prayers and would be reassured. I remember him saying that one should never get despondent of the mercy of Allah as one day the prayers would be accepted.

I will mention some of his true dreams from his diary.

1. About the marriage of his daughters

My younger sister Nayyarah Begum had some problems in her marriage and she was living with her parents. On 19-04-1974 my father said he did Istikhara that Allah guide me in this connection.

Today is Sunday. "I saw in a dream that two my daughters are getting married to two sons Abdul Wudood and one other son of my brother Abdul Qudus Khan. The marriage ceremony of Sadiqa is going on to Abdul Wudood. I have changed into clean clothes after shower. Then the scene changes and I see that Hazrat Ch. Zafarullah Khan Sb has arrived to Abdul Quddus Khan's house and then comes to our house. I serve him with dry fruit and tea. After having his tea Chaudhary Sahib asked me to leave as he is going to rest. I left his room."

My father said that from this dream I get the impression from this dream that efforts that my brother Abdul Quddus was doing in this connection will be fruitful as Zafarullah means success. Abdul Quddus Khan was trying for the patch up of this marriage and wanted Nayyarah to go to her husband.

Alhamdolillah eventually Nayyarah went to her husband Mubarak and had successful marriage.

2. Even after marriage of Nayyarah husband Mubarak

Ahmad would not meet with my father or let Nayyarah come to meet us. Abaji was praying all the time and was certain of the success of his prayers. I remember on Jalsa Salana we all used to stay at the house of Sahibzada Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb. and Doctor Sahib wanted Mubarak Ahmad to come and stay at his house with us, but Mubarak Ahmad would make excuses.

As I said abaji was praying when he saw a dream that suddenly Mubarak Ahmad is calling him from behind at Jalsa and was asking for his forgiveness.

My sister Nayyarah said that to her surprise one day Mubarak Ahmad who was reluctant to go to her fathers' house, said to his wife Nayyarah that he wants to go to her fathers' house.

I remember abaji telling me that he was praying for number of years for change of Mubarak Ahmad attitude and was always confident that his prayers would be answered one day.

3. My father says that in 1974 he was praying and did Istikhara for the marriage of his daughter Mamoona Begum.

"In October 1974 during the month of Ramzan, he that ex-President of Pakistan Field Marshal Ayyub Khan has bought some mangoes from a shop. The mangoes are quite large in size and are very sweet. President Ayyub Khan

said to the shopkeeper that these mangoes are from India and India should be rewarded that they have produced such nice breed of mangoes. I ask the shopkeeper to give me similar mangoes. He says he has not got any more such mangoes but will check in his store for them. The shopkeeper goes to the store and brings two green mangoes of the same size. I bought those mangoes and think they will be sweet and juicy."

I asked Maulvi Sahib for the interpretation of the dream, who told me that mangoes in dream means boys and that you will have three handsome sons who will be well off. *Wallaho alam* (Allah knows best)

4. College admission of my daughter Sadiqa Begum

In September 1967, my daughter Sadiqa Begum asked me to pray for her admission into MSc.

One day after tahajud prayer I saw in a dream that I am outside and want to go home but there are obstacles and the bridges are broken. I started taking alternative route but find similar situation. I tried the third alternative route but find that again bridge is broken. I was confused but somehow reached a house which is Peshawar city. The house is not solid and is built with half mud and half bricks. The house has few storeys. Suddenly a person appears through the outside door and asked me the reason

for my being there. I said to him that I wanted to go home but tried various routes but the bridges are broken. He asked me about my house. I point to a tall building which is near the pond. After this Nasim who is a clerk in my office and lives in Peshawar city pointed to a narrow route at the rear of the building that will take me to my house. He accompanies me we reach my home safely. When I arrived, I notice that my daughter Tayyaba Begum is coming off a tanga (horse driven cart)."

In the morning I told my daughter Sadiqa that she will succeed in getting her admission with difficulty with use of back door effort.

This is exactly what happened that my daughter got admitted through the efforts of an Ahmadee lady Tahira Nasreen who lives in Peshawar city, otherwise it was difficult as she had been refused once. Few days later I received a letter from Khalifatul Masih iii[ra] that Sadiqa was permitted to do her MSc provided she promises to observe strict purdah. Alhamdolillah.

Again I did not have money for her admission when my very dear brother in law sent me 500 rupees and by the grace of Allah this resolved my difficulties.

O' Allah! Have mercy on Khalil Ahmad and shower him with your blessings and help him in his difficulties

like he has helped me in my hour of need. I can never forget these favours of his. O' my Lord help and provide for the teaching and training of my children. O' my Almighty make this happen. Ameen

5. Countenance (deedar) of Hazrat Aisha[ra]

Probably in January 1965, that Hazrat Umul Momineen Hazrat Aisha[ra] has come to our house. On hearing this Bhabhi (my mother in law) also arrived and invited Hazrat Aisha[ra] (for a meal). Hazrat Aisha[ra] accepts her invitation and said since Bhabhi loves you immensely hence, I accept her invitation. Hazrat Aisha[ra] just tastes one or few grains of rice. As soon as she tastes the grains of rice when she feels unwell affecting her heart. Hazrat Aisha[ra] tells me to bury her in my hujra (compartment). Hazrat Aisha dies and her coffin is taken for burial. On this one Sahabi (companion of the Holy Prophet[sa] asks me to bury her in the grave. When I am about to lower her in to the grave I notice that it Bhabhi corpse. Wallah o a'alamo bissawab (Allah knows best)

Bhabhi died in January 1965 of heart attack and is buried in Beheshti Maqbara at Rabwah.

6. Hazrat Chaudhary Mohammad Zafarullah Khan Sb

On the night of 17/07/1966, I saw in a dream that my brother Abdul Quddus Khan and myself are sitting in a

class or some office and there is a big crowd of people. Hazrat Ch. Zafarullah Khan sb. arrived and first called me over and also Abdul Quddus Khan Sb. We both went and were in conversation with Chaudhary Sahib for a long time. Everybody is surprised to see as to why Hazrat Chaudhary Sb has specially come to meet us? When we look outside Hazrat Chaudhry Sahib's aero plane is waiting outside. Chaudhary Sahib was visiting some country but specially stopped over to meet us. Before mounting his plane Hazrat Chaudhry Sahib offers two rakat nafal and I notice that he is accompanied by his wife and it was my daughter Mamoona who had black burqa (outer garment) on.

Walaho aelamo bisawab (Allah knows best).

7. Success of my son Dr. Hamid Ullah Khan

In the first week of July 1966, I saw in a dream that Hamid Ullah Khan has been successful in his MBBS examination. I bought grey colour suit (shalwar Qamees) for my two peons.

Hamid Ullah told me in the second week of July 1966, that one day when he woke up, he was repeating the word "cleared".

Alhamdolillah today on 29/07/1966 the result was out and by the grace of Allah my son Hamid Ullah has passed

his final MBBS examination. Alhamdolillah sum Alhamdolillah.

8. Excursion (Sair) in heaven

Last night the night between 9th and 10th of November, between Thursday and Friday 1967. I saw the following dream:

"I saw that Ahmadee men are gathered in a mosque. They are sat in lines ready for congregational prayers. I notice that Hazrat Qazi Mohammad Yusuf Sb[ra] and Amirullah Khan Sb and one other gentleman whose name I forget now, have arrived from janat (heaven). All the congregation stands up in their honour and then sit down. I noted that Hazrat Qazi sb, Amirullah Khan Sb and this other friend are pleased and are standing. I look at the amazement that they have all died yet their colour. I think to myself that one dies his flesh rots while only the skeleton is left. But how come they are still not changed a bit. In the meanwhile, the iqama is said and the namaz starts. Some friends are sat while others are standing for prayers, I am sat in prayers. Soon after somebody tells me that prayer is over and I should finish my prayer.

I say this was strange that the namaz is finished so soon and I was not aware of this. He tells me that this is because they were on journey and were going back to jannat.

Qazi Sahib led the prayer but was standing in the last row and just offered one rakat and I should complete two rakats.

I completed one rakat and accompanied Hazrat Qazi Sb and Amirullah Khan Sb so that I could see the scenes of jannat.

I notice there were several members of Sarhad (KPK) Jama'at and are all pathans and are going towards jannat. I recognised late Umar Deen Khan and late Mian Shahab uddeen Sb. I recognise the rest of them as well but I can't remember their names. We all entered jannat where I saw a huge hall, where I saw my mother who was very happy. I saw there were many women and men and nobody is observing purdah. My mother is singing a Pushto couplet, which means that when we were in the world we used to pray for each other that Allah gives you golden chain in your neck with a box of gems in the necklace. A lady comes over to my mother and it seems as if my mother is the leader among them and recites a couplet and in the word we also used to pray that Allah give you this much, but our God has given us so much that prayer seems meaningless now.

All the men and women are very happy and are singing and are wondering around. I asked one of the men about my father and was told that he was in upper class and that

there were different classes according to one’s rank.”

On this I woke up.

Wallaho aelamo bisawab. (Allah knows best)

11. Dreams about Bhutto Ex-prime minister of Pakistan

I remember in the presence of the revelation of Promised Messiah[as] which is as follows:

“Kalbun yamuto ala kalbin”

He is dog and will die the death of dog. Promised Messiah[as] inferred from this that enemy of the Juma'at will try to persecute Juma'at but will not succeed and will die the death of a dog and from *huroofe abjad* (knowledge of alphabets where each alphabet denotes a number) which is 52 his age will not exceed 52 years. As prophesied Mr. Bhutto died in accordance with his prophecy and his age did not exceed 52 years.

Abaji was so sure that Mr. Bhutto will die a miserable death and was certain of the fulfilment of the above prophecy. I remember he will show it others and also used to mention it in tabligh.

Once my brother in law who like many other young people at the time, was supporter of Bhutto and his Peoples party. When the high court decided for hanging Bhutto for his crime in involvement of one of his political opponents, he applied to the Supreme Court and many thought he will

be freed by the higher court. My father was so certain that he told my brother in law and there is no way Bhutto can escape the wrath of God.

Dream about Bhutto

My father saw a dream that he related several times. My father saw that he thinks he was in Rabwah and was staying at the house of Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb called Baitul Ihsan.my father said he was going for Fajar prayer towards Masjid Mubarak via Qasr-e-Khilafat. On the way in the courtyard (known as cricket ground) he noticed that was a small mud room in the middle of the lawn with boundary wall that was broken and the whole yard was neglected with rubbish all over. The room had a small lock. Abaji related that he asked somebody about this house and he told me didn’t I know it is Mr. Bhutto who lives here.

My father said that he was certain of the miserable end of Bhutto.

Dream About miserable end of General Zia-ul-Haq

My father was shown the miserable end of General Ziaul Haq President of Pakistan in his dream.

Zia had promulgated the infamous ordinance declaring Ahmadees Non- Muslim thru ordinance. The persecution of Ahmadees was at its peak with looting, burning houses

and killings. He had arrested lots of innocent Ahmadees in this regard.

My father related to me his dream that he saw in 1982. My father said he saw there was a cabinet meeting presided by Ziaul Haq. There are many other Generals in the meeting. Abaji said he finds himself inside the room. My father related that he noticed that Zia had no clothes on. One General stood up and said he talks of Islam all the time but look at his own condition. On this the General pulls out his revolver and shoots him dead.

My father would say that his God had shown him the miserable end of Zia-ul-Haq.

This exactly what came to pass as Zia-ul-Haq was blown in the air along with his Generals as a result of Mubahila of Huzoor. He was shattered to pieces and no body part was found. Huzoor had predicted his miserable end in the sermon before his death. *Fa tabiru ya ulil absar*

Another dream about the end of Ziaul Haq

Abaji said that between the nights of 30-31 march he saw a dream before Fajar prayer. “I saw in the dream that my daughter Nayyarah said that Zia-ul-Haq has been killed by his brother. She said we should get it confirmed but I said it is past midnight it is difficult to find out. Nayyara said that we can find out from police station. I

said the police would want to know why we are concerned. After a while I go to my drawing room where the foreign radio which was playing music suddenly pauses for breaking news that somebody has killed General Zia-ul-Haq, the president of Pakistan.

In the morning I noted that a big crowd was gathered on the street and Zia-ul-Haq coffin is lying in a box. Everybody has come to watch this, and my children also go out to see this. I bought some Nan bread thinking that my children would be hungry but can't find my family members. My father says he went to see the body of Zia-ul-Haq and say that now he will have to go before the court of Almighty for his bad deeds. Somebody says to me (my father) that you should cover your head with your blanket. I said to him that I have a cap on my head. He repeats and says cover your head with your blanket. Perhaps he thinks this way I won't be recognised.

I am anxiously looking for my family and children and holding on to the brad. I got tired and sa in some tea/coffee shop. I noticed the TV was on and are announcing the death of Ziaul Haq exactly as mentioned above. I saw that TV was showing the scenes that how Zia-ul-Haq in his Military uniform arrives for a meeting or Jalsa (large gathering) to preside. Standing behind him are non-military

officers. Suddenly an army officer rushes from behind and shoots Ziaul Haq dead. After this there was firing from both sides and number of people are killed. It was also announced on TV that Mohammad Ishaq Khan has taken oath as president. I ask somebody under which constitution? I woke up after this.

It is evident from the above dreams how Allah the Almighty communicates with His righteous people and informs of the future events in advance.

Jalsa Salana

My father had deep attachment khilafat and centre. He would regularly attend Jalsa salana. I remember him telling us about the Jalsa at Qadian before partition and the spiritual atmosphere there.

After partition he went 2-3 times in the group (qafila) to Qadian Jalsa. He loved Qadian and would pray for the return of Qadian.

I remember going to Jalsa Salana to Rabwah. We would anxiously await the coming of Jalsa and start preparing for the journey. We used to take our own beddings. My abaji would the train sat in advance. All the Ahmadis from Peshawar used to go in one room in the train. It was very spiritually charged atmosphere. We would take our own food and then share with each other. I

remember the congregational prayers on the train. One person would stand at the entrance and loudly repeat takbir. Peshawar Jumaat used to stay at Ansarullah guest house. It was large size room where we would all spread our beddings on the floor.

His routine was going for tahajud prayers to Masjid Mubarak and try to sit in the first row. Everybody enjoyed these prayers and prayed fervently. After Fajar prayers there used to be daras usually given by scholar of Jama'at, I remember Maulana Abul Ata Sb., Hazrat Mirza Nasir Ahmad Sb., Hazrat Mirza Tahir Ahmad Sb. and Maulana Jalaludeen shams Sb., Qazi Nazir Ahmad Lyallpuri Sb in particular.

After the prayers abaji would next head towards Beheshti Maqbara and I would accompany him. He would go straight to *Qita Khas* and pray at the tomb of Hazrat Khalifatul Masih Sani[ra], I remember the prayers should be very long. After this we would have breakfast which was served to us by Khudam. After wash we would go straight to Jalsa Gah and occupy a seat on the floor. We used to take our own mat to sit on. Abaji would anxiously the opening speech by Huzoor and listen to all Jalsa speeches attentively. Abaji never left Jalsa Gah till Jalsa was finished. In the evening I would accompany to "*shabeena Ijlas*" (evening

Jalsa) which was very interesting with speeches from foreign missionaries.

Beside this abaji would find time to meet with elder members of Khandan, and most Sahabas. I remember meeting Hazrat Mirza Bashir Ahmad Sb[ra] and Hazrat Ghulam Rasool Rajeeki Sb[ra].

During these mulaqat he advised me always to cover my head and meet them with both hands and request for prayers.

After my wedding in 1972, we would all stay at the house of late Sahibzada Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb. It was very comfortable. I used to walk with Abaji to Jalsa Gah which was couple of miles away. The routine of my father never changed at Jalsa.

Love of Khilafat

Abaji had great deal of love for khilafat. In fact, he had personal connection with Khalifatul Masih, love for Promised Messiah[as] and his family members. Abaji would regularly write to Huzoor and advised us to do the same. I remember he once mentioned that he sent regular Nazrana to Khalifatul Masih Sani[ra] out of love. I remember when I was in London, he always instructed me to have personal contact with Huzoor and to pay my monthly Chanda regularly. Abaji would take part in every new scheme from the centre.

Abaji would consult with Huzoor for all his personal

affairs. I remember in 1959 abaji consulted Hazrat Mirza Bashir Ahmad[ra] regarding the choice of my subjects and followed the advice accordingly.

Similarly, my sisters Tayyaba was married to Zafar Ahmad Bangash of Kohat on the advice of Hazrat Mirza Bashir Ahmad Sb[ra].

After his retirement abaji wrote to Hazrat Khalifatul Masih 111[ra] about his wish to serve the Juma'at at the centre, however Huzoor advised him to stay in Peshawar as he could be more useful in Peshawar. It was so true Abaji was a pillar for the Jumaat in Peshawar especially during the crisis in 1974 and 1984.

Abaji was in London in 1989. In February there was special centenary Muslihe Maood day meeting at Islamabad Surrey and Huzoor was to address as well. It was cold and my father was suffering with frequent attacks of angina. We are all planning and were sat round in Abaji's room. I suggested to Abaji that it would be better he did not go for the meeting to Islamabad because of his health and the cold weather. My father did not like this and went quite for a while. He then said in a strong tone do you realise the importance of this centenary Jalsa. I will go. He said next centenary would be celebrated by the grandchildren of my son Hammad who was sat in front of him.

Off course we all went together and took abaji with us. I remember at the conclusion of the Jalsa Huzoor stopped and came over to my father and said:

"Khan Sb ap bi aye heyn"

Huzoor had long conversation with abaji.

One day when Huzoor visited our house in Yorkshire. I want to relate an incident. After congregational Asr prayer at our house, Huzoor was sat in our bedroom. He was in conversation with my father. My father asked Huzoor if he could borough the *alaisallah* ring (promised Messiah's personal ring) that Huzoor was wearing for a while. Without hesitation Huzoor obliged and gave the ring to my father. My father wore the ring for a while next to his own alaisallah ring and prayed over it before returning to Huzoor. This shows the love abaji had for Huzoor and the kindness of Huzoor and his regard for my father.

Love and respect of my late wife

Abaji had special bond and affinity with my wife because she was from the blessed family of Promised Messiah[as]. He would say she is blessing in our family. My late wife Sahibzadi Amatul Hai Sba was the daughter of Sahibzada Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb. My father would respect her and I remember him telling that she was the fruit of his prayers. My wife in turn also respected my

parents and looked after them both in their last illnesses.

My father also loved my children and would say that the blood of Hazrat Mohammad Ilyas has got mixed with the blood of Promised Messiah[as]. It is these prayers that Alhamdolillah they are all devoted servants of Juma'at.

My father as successful Dai illalah

My father had good knowledge of the Holy Quran and books of Promised Messiah[as] and other Juma'at literature.

I remember he used to keep notes in his tabligh diary.

God had gifted my father with art of tabligh that he was able to convince the opponent of his argument. He was methodical and was very logical in his approach. He preached in gentle way and always had temperament of others in mind, so that nobody would get bored listening to him. He was never offended by the foul language of his opponents. My father had great quality the listener would never feel tired or bored in his company. He was a good face reader and would change the subject according to the situation. He would invite non-ahmadee guests and give satisfactory answers and remove their doubts. Many people accepted ahmadiyyat and others were at least convinced but lacked the courage to openly accept.

Many university students would come to our house and my father would discuss various difficult issues in easy

manner. Number of students were able to accept Ahmadiyyat among them Dr. Muhammad Ali Sb. Amir Peshawar.

After his retirement abaji wrote to Hazrat Khalifatul Masih 111[ra] and offered his services in the centre. Huzoor accepted his offer but asked to stay in Peshawar as he would be able to serve better in Peshawar. This is a fact that my father was successful preacher in Peshawar.

After the Afghan war several refuges settled in Peshawar where my father successfully conveyed the message of ahmadiyyat in Persian language to them and few accepted ahmadiyyat.

My father used to help them, and they were impressed with the high character of my father.

My father would even let Afghan refugees use our large lounge for weddings and other functions. These refuges were very impressed by the conduct of our father.

Interesting incident

My father related to me that in 1974 – 75 when he was appointed at Bannu KPK, he along with some fiends met a local member of the NA. The assembly had earlier declared Ahmadees as Non- Muslims. There were many Non – Ahmadees sitting with him. Even though there was so many Non -Ahmadees, my father said he asked the MP that he has heard that our Mullah were so good in their

arguments that the Khalifa of Ahmadia Jama'at, Mirza Nasir Ahmad was speechless before them.

On this the MP addressed my father and said in Pushto

"Chup ka zunga mullayano kho ghata paithee ukra, bilkul is jawab warsara no wuh"

Meaning that to be honest our Mullas lost badly and had no answer to the Khalifa Sb.

Abaji said that God Almighty enabled an MP to come out with the truth.

Love for the Jama'at

My father had great love for the Jama'at. He treated them like his family.

He would advise ahmadee youths kindly with love and prayer. I remember him saying that every ahmadee is like a jewel that sometime collects dust over himself. All one must do to remove the dust with love and kindness.

My father helped many Ahmadee unemployed youths whenever possible. He was able to employ these youths in new Grid stations where new vacancies were available. His superiors always valued and respected my father's decisions. My father was able to employ many Ahmadee youths, some of them still talk nicely of the favours of my father. My father would make sure these youths to be regular in Chanda.

I met Mirza Mujeeb Ahmad of East London, in London who related how my father helped unemployed ahmadee youths in Rawalpindi.

Late Sheikh Mubarak Ahmad who was later working for Swiss airway told me how abaji helped him when he was some hard time with his work. He was full of admiration for my father.

Advice to children

Always be regular in your daily prayers.

He advised to keep the teachings of the Promised Messiah[as]in mind and study Kashtee *Nuh* (Noaha's Arc).

My abaji advised me to be regular in Chanda and you should pay according to prescribed rate. This way you will be blessed by Allah in various ways. He said that in his long experience anybody who is slack in this regard is always a loser.

He advised that we should take part in every new scheme of Khalifatul Masih. He said this is jehad of our time. Moreover, he would quote his father that these are like doors to heaven and we don't know which action of ours would be acceptable to Allah.

He strongly advised me to participate in the blessed Wassiyat scheme.

He advised me to always keep the sacrifices of our

elders in mind who accepted Ahmadiyyat at a very difficult time and as a respect pay Tahreek-e-jaded and Waqf-e-Jadeed on their behalf.

He advised me to have a personal and live contact with Khilafat as he is the true viceregent of Allah on earth. You should write to him regularly for prayers. You should consult Huzoor in all matters.

Always keep the respect of Jamaat superior to all else. He used to say that unfortunately some Pathans consider their Pushto tradition above Jama'at and feel they have done an honour to the Jama'at rather than consider ahmadiyyat as a bounty and blessings of Allah over them.

Great passion for the honour of Jumaat and his faith

My father was fearless like an unsheathed sword. He will convey the message of Islam Ahmadiyyat at every occasion no matter what three consequences would be.

I remember when after the infamous ordinance of General Zia in 1984, Huzoor threw a mubahila (prayer duel) challenge to General Zia and Muslim clergy.

The persecution of Ahmadees was at its peak, with burning, looting and killing, my father sent a letter to Zia reminding him to accept the offer of mubahila and gave him detailed knowledge about Jama'at beliefs. One of our cousin Major Qazi Akbar got worried and asked abaji to

stop as the secret service would track him down and possibly harm him. But my father was fearless replied he was not afraid of the consequences.

At home he expected his children to strictly follow the true teaching of Islam and could not tolerate any remarks against Juma'at by anybody even if they were close relative. In fact, I remember all of our relatives were careful of making any lose remark in his presence as abaji would rebut it immediately.

In 1974 when we were declared “Not Muslim” by the assembly, one of our distant relation once asked my father that what does it mater if we call ourselves Not Muslim. Abaji retorted very strongly and addressing the person said “I thought you were highly intelligent person and did not realise you could be so stupid. If the assembly decides tomorrow (addressing him by name) that you are an illegitimate person, would you call yourself illegitimate.”

The person understood his folly and said nothing.

In another incident it was a close friend of my father met my father in London. During conversation this individual complained about certain senior members of the Jumaat. After he had finished his grievances; my father was very upset and said in angry tone “ if the Jama’at is so bad as you allege then why don’t you leave the jama’at ,

there is no compulsion on you."

The person apologised.

My cousin Colonel Abdul Hameed Khatak related:

"That in 1974, all during the entire period of riots in Peshawar my father remained at his home in Peshawar by himself in the firm belief that no harm would come to him, while the rest of the family on the advice of Abdul Qudus Mamu left for the safety in Cantonment and in other safe areas. He relates that while in Peshawar when the bob was threatening us, Abdul Salam Mamu gathered all of us in his lawn and emphatically told us that at no point should we become "murtad" even at the peril of our life quoting extensively from "*Kishti-e-Nuh*". He declared as was foretold to him in a dream that Allah would not abandon us we did not abandon our faith in Him. Such was his conviction that he remained at home, not even bothering to lock his house, while all left."

I remember Abaji told me that Allah has promised his and his family's safety and he had received the revelation

"Innee Uhafizo Kullo mun fiddar", meaning I will protect everybody in this house.

Again, in another incident when a close relation of ours who had no children for the last 18 years. When they came to Pakistan, they consulted a non ahmadee Peer (religious

leader with following) on the recommendation of somebody. This Pir promised that they will have children if they follow certain un-Islamic rituals. That they should bury used leaves of tea in their house and continue this for a while before using it.

When she mentioned this before my father, he said that even if they were to have any children before would not have even a dead rat born to them. My father said these words with such conviction that these satanic and evil practices are not acceptable in the sight of Allah and are in fact are displeasing to Him.

This couple did not have any children after this.

Kindness to his Non Ahmadee relations and love of his siblings

My father had great regard and love for his siblings. Even the non -ahmadee relatives would get kind treatment.

Dream Regarding his own death

Few days before his demise Abaji saw a dream in which he saw late Hazrat Ch. Zafarullah Khan Sb.[ra] and Chaudhary Sb asked abaji to meet him. Chaudhary sahib was staying in last room at guest house at Rabwah. In the dream abaji went to meet Hazrat Chaudhry sahib at the guest house.

Abaji related his dream at breakfast table next day. My

mother said it is a good dream as Zafarullah Khan’s name means success. My father said no but don’t you realise that Chaudhry sahib had passed away and he wanted to meet me? It usually means death. So my father died a week after that.

Abaji would regularly write to Huzoor and expressed his feelings and developed a special bond of friendship with Huzoor. On the demise of abaji in 1989 Huzoor rang me and said

“Doctor Sahib! Khan Sb. ka bahut afsoos huwa, bahut afsoos huwa, khan sb ka aik daur tha. Unke jazbat ka izhar un ke khutut men hota tha.”

Meaning he was very sorry at the death of khan Sb, he lived through a special phase of Jama’at and he used to express his feelings in his letter.

The first Janaza of new century of Ahmadiyyat

My father was happily waiting to attend the jubilee celebration on 23 March 1989 at Islamabad, surrey.

My father had major heart attack on 19 March and died in hospital the following day.

Huzoor expressed that he would like to offer his funeral prayer the following day in Islamabad. Alhamdolillah all the arrangements went smoothly, and we were able to take coffin to Islamabad. Huzoor led my father’s funeral and praised him immensely in the Friday sermon.

Huzoor said about my father a righteous and prayerful person and said he was recipient of true dreams and revelations. Huzoor said that the Janaza of Khan sb was kind of blessings and had the honour of being the first Janaza of the new century. Huzoor said that his name was Abdul Salam and that Khan Sb's birth was a blessing (salamti) and so was his death blessed (Salam).

After the funeral prayer Ch. Anwar Kahlon, Ex Amir UK came to me to offer his condolences. He said he was jealous and said he wished it was his funeral today in place of Khan Sb.

Dreams seen after the demise of my father

1. Dream of Sahibzada Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb

In September 1989, Sahibzada Dr. Mirza Munawar Ahmad Sb., who was very prayerful, pious and saintly person.

Doctor Sahib and my father were like brothers and had great regard for each other. In fact when my father died and the body was brought from London, Doctor Sahibzada Mirza Munawar Ahmad insisted that the body be brought to his house, Baitul Salam in Rabwah. For the funeral a large number of our relatives had come from different parts of the country, but Doctor Sahib opened his doors for everybody and said Khan Sahib was like my own brother and was very upset. Jazahumullah

He told me that he saw in a dream at night on 14/09/1989, my father very happy with smiling face. He saw that my father was going along a small river which at a higher ground level and there was slope. He saw that the house of my father was very elegant and beautiful with green trees. Doctor Sahib said that he was busy levelling the slope along with my son Dr. Hammad Khan. This is to make sure my father has no problem coming down. He said as he climbed up he saw Abdul Salam Khan standing along with Hamidullah Khan (myself). Doctor Mirza Munawar Ahmad Sb. said my father was very pleased to see him and embraced each other. He said my father seemed very happy and relaxed.

Dream of Late Bashir Ahmad Rafiq Sahib

Bashir Ahmad Rafiq sahib saw that he was flying in a small plane and was sitting next to the pilot. The plane flew quite high, Bashir Rafiq Sahib said he got scared. The plane stopped near a beautiful white house. He met with his aunt (my Phuphi) Saliha and they had a long conversation. Bashir Rafiq said he asked her about my father and was told that he will have to go much higher twice to what he has flown already.

May Allah bless my father and shower him with His choicest blessings. Ameen

In 2019 I met Dr. Javed Pirzada Sb., and asked me where I was staying. I said in *Dar-ul-Masih*. He said it is due to the prayers of Khan Sb. that God has honoured you with such status that I was staying in Darul Masih. He said in Pushto:

"Kaka dala pukh kar kerey dey",

Meaning that your father (that he called Kaka) has made permanent arrangement for you.

I missed my father and prayed for him. Surely these are the prayers of my parents that God has blessed me with this honour.

"Ein saadat bazorey bazoo nest, tana bakhshand khudai bakhshanda."

This honour is not thru one's personal efforts but the grace of Allah and bestows on ho so ever He chooses.

میرے پیارے ابا جی

ترجمہ: محمد مقصود احمد منیبؔ۔ مربی سلسلہ

میری خوش قسمتی ہے کہ میں ایک متقی، مخلص اور جاں نثار احمدی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرے دادا جان چارسدہ کے پہلے خوش نصیب انسان تھے جو 1909ء میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے نور سے منور ہوئے۔ قبول احمدیت کی وجہ سے میرے دادا جان کو چارسدہ میں شدید اور بدترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ انہیں خیبر پختون خوا سے بلوچستان ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

میرے دادا جان مستونگ میں آباد ہو گئے جہاں اباجی کی پیدائش ہوئی۔ بلوچستان میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اباجی کی شادی ہو گئی جس کے بعد وہ پشاور منتقل ہو گئے۔ اباجی کے چھ بھائی اور چھ ہی بہنیں تھیں۔ اباجی بہن بھائیوں میں چھوٹے لیکن سب سے چھوٹے بھائی محترم عبد القدوس خان صاحب تھے۔

دادا جان کا خواب

اباجی نے بتایا کہ میری پیدائش قریب تھی اور میری والدہ کی حالت ٹھیک نہ تھی ادھر مستونگ میں کوئی لیڈی ڈاکٹر بھی نہیں تھی ایک دائی تھی جو پیدائش کے وقت گھر پر موجود تھی۔

اباجی کہتے ہیں:

”اباجی نے بتایا کہ اُس وقت میری امی کی حالت تیزی سے بگڑ رہی تھی تو میں نے دو رکعت نفل پڑھے اور سجدے میں بہت تضرع کے ساتھ دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے اس کا رحم اور مدد مانگی۔ چنانچہ دورانِ سجدہ اُنہوں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ آسمان سے ایک نور اُترا اور تمہاری والدہ کے کمرے میں داخل ہو گیا جس کے جلد بعد نرس باہر آئی اور اُس نے تمہاری پیدائش کی خوش خبری سنائی۔ یہ خوش خبری سن کر بروقت کرم نوازی پر میں فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالایا۔ اور اسی وجہ سے میں نے تمہارا نام عبد السلام رکھا کہ تم میرے لیے خدائے سلام کی طرف سے ایک تحفہ ہو۔“

اباجی نے بتایا کہ:

”آسمان سے نازل ہونے والے نور سے مراد میں تو یہ لیتا ہوں کہ میرے دو بیٹوں کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں ہوئی۔ میرے بڑے بیٹے ڈاکٹر حامد اللہ خان کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پڑپوتی اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نواسی محترمہ صاحب زادی امۃ الحیٔ صاحبہ سے ہوئی جو صاحب زادہ مرزا منور احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی اکلوتی بیٹی تھیں اور میرے چھوٹے بیٹے عزیزم حبیب اللہ خان کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح

الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوتی اور حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نواسی سے ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔"

والدین سے محبت

میرے دادا دادی 1946ء میں مستونگ سے ہمارے پاس پشاور منتقل ہو گئے۔ ہم زیادہ مال دار تو نہیں تھے لیکن اباجی اور اماجی نے بہترین طریق پر دونوں کی دیکھ بھال کی کیونکہ انہیں اپنے والدین کے ساتھ بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ میرے دادا دادی اس خدمت پر میرے والدین سے بہت خوش تھے اور دیگر احباب سے اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔

1948ء میں میرے دادا جان انتقال فرما گئے جبکہ دادی جان 1958ء تک زندہ رہیں اور ہم نے ان کی خدمت کی خوب توفیق پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

بچوں کی پرورش

اپنی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اباجی نے ہماری والدہ اور بچوں کی نگہداشت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے والدین کو اپنے تمام بچوں سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ممکنہ حد تک قربانی کر کے بہترین طریق پر ہماری پرورش کی اور ہماری روزمرہ ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں زیورِ تعلیم سے بھی آراستہ کرنے پر بھرپور توجہ دی۔

میرے والدین ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے اور ہمیں بھی اس کی تلقین کرتے۔ اپنے محدود وسائل کے ساتھ انہوں نے اپنے سات بچوں کی بہترین پرورش کی۔ میری والدہ ہمیشہ ہماری ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ہماری اعلیٰ رنگ میں تعلیم و تربیت پر خاص نظر رکھتی تھیں۔ اماجی کی یہ خوبی تھی کہ وہ ہمیں اعلیٰ تعلیم کے لیے ہمیشہ ترغیب دلاتیں، ہمارا خیال رکھتیں اور گھر کے تمام کام کاج بھی اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ اباجی ہماری جملہ ضروریات اور تعلیمی اخراجات مہیا کرتے اور ہماری تعلیم کے ہر ایک مرحلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح سے راہنمائی لیتے۔

شخصیت

اباجی ایک عظیم انسان تھے۔ اباجی لمبے قد کے ایک بہت وجیہ اور بارُعب انسان تھے۔ نہایت ایمان دار، عالم اور صاحبِ فراست تھے۔ ایک مخلص اور اطاعت گزار احمدی تھے۔ ان کی زبان سے کبھی بھی خلافت احمدیہ یا نظام جماعت کے متعلق کوئی منفی کلمہ نہیں نکلا اور وہ اپنے بچوں نیز دیگر رشتہ داروں سے ان سب اخلاق کی پابندی کرواتے تھے۔

ہمارا پیارا گھر

میرے والدین ایک مثالی جوڑا ہونے کے ساتھ ساتھ ہم سب کے لیے مشعل راہ تھے۔ انہیں ہماری تربیت کی بہت فکر رہتی تھی سو ہم نے ان کے زیرِ سایہ روحانی بالیدگی پائی۔ ہم سب بہن بھائیوں نے اباجی سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا۔ میں بچپن ہی سے نماز باجماعت پڑھنے اباجی کے ساتھ مسجد جایا کرتا تھا وہ اطفال کی کلاسز اور دیگر جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر میری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

گھر پر وہ مختلف انبیاء علیہم السلام کی کہانیاں سنایا کرتے خصوصاً رات کو حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ہمیں بتایا کرتے تھے۔ یوں اباجی نے جماعت احمدیہ اور خلافت احمدیہ کی محبت کا بیج بچپن میں ہی ہمارے دلوں میں بو دیا۔

عبادت سے محبت اور نماز سنٹر

اباجی پنجگانہ نمازوں کا التزام کرتے اور اس بات پر نظر رکھتے کہ ہم نے نمازیں پڑھ لی ہیں یا نہیں۔ جب ہم سول کوارٹرز میں رہائش پذیر تھے تو مسجد ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی سو میں اباجی کے ساتھ باقاعدہ تمام نمازوں اور جمعہ کے لیے مسجد جایا کرتا تھا لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد جب ہم پشاور یونیورسٹی کے قریب شاہین ٹاؤن میں اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہو گئے جس میں اباجی نے ایک بڑا ہال بنا کر نماز سنٹر کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مقامی احمدی اور یونیورسٹی کے احمدی اس ہال میں بڑی تعداد میں نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے جمع ہوتے تھے۔ یہ نماز سنٹر احباب جماعت کے لیے ایک بہت اچھی

تربیت گاہ بن گیا تھا جہاں پنجگانہ نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ درس بھی ہوتا اور اہم جماعتی میٹنگز بھی باقاعدہ کی جاتی تھیں۔ رمضان المبارک میں تو یہ نماز سنٹر نمازیوں سے چھلک جایا کرتا تھا۔ اباجی یہ سب دیکھ کر بہت مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔ نماز سنٹر میں اباجی یا میرے چچا عبد القدوس خان صاحب امامت کرواتے تھے۔

اباجی جوانی سے ہی تہجد کی ادائیگی میں باقاعدہ تھے۔ اپنے تقویٰ و طہارت اور دیانت داری کے باعث سکول میں آپ کو سبھی مولوی کہا کرتے تھے اور جب آپ عملی زندگی میں آئے تو ہر کوئی آپ کو مولانا کہہ کر ادب کے ساتھ بلاتا تھا۔ ایک فارسی شعر اباجی کی اس کیفیت کو ٹھیک طور پر بیان کرتا ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

ترجمہ: جوانی میں عبادت کرنا انبیاء کا شیوہ ہے ورنہ بوڑھا ہو کر تو ظالم بھیڑیا بھی شرافت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کی تہجد کی نماز رہ گئی ہو۔ آپ دو گھنٹے کم از کم بارگاہِ الٰہی میں حاضر رہتے اور بڑی توجہ اور تضرع کے ساتھ تہجد ادا کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ گرمیوں میں ہم باہر صحن میں سویا کرتے تھے تو اباجی کے رونے کی آواز سن کر کئی بار میری آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔

جب اباجی ہمارے پاس یارکشائر میئر فیلڈ والے چار بیڈ روم والے گھر میں قیام پذیر تھے تو مجھے یاد ہے کہ ایک رات مجھے کسی بچے کے رونے اور چلانے کی آواز آئی تو میں نے اپنی اہلیہ مرحومہ سے کہا کہ جا کر دیکھیں ساتھ والے کمرے میں ہماری سب سے بڑی بیٹی سو رہی تھی جو اُس وقت چھوٹی ہی تھی، کہیں وہ نہ جاگ کر رو رہی ہو۔ میری اہلیہ گئیں اور دیکھا کہ وہ سکون سے سو رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے دوبارہ کسی بچے کے چلانے اور رونے کی آوازیں سنائی دیں تو میں خود اٹھ کر گیا اور دیکھا کہ میری بیٹی پُرسکون سو رہی ہے لیکن میں نے جب غور کیا تو دیکھا کہ اباجی تہجد میں اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود کسی بچے کی طرح چلا چلا کر رو رہے تھے۔

تہجد کے علاوہ اباجی اشراق اور چاشت کے نوافل بھی باقاعدہ پڑھا کرتے تھے۔ اباجی نے بتایا کہ وہ خلیفۂ وقت کی لمبی زندگی اور ان کے جملہ منصوبہ جات کی تکمیل، احمدیت کی ترقیات، جملہ صحابہ، مبلغین اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، درویشانِ قادیان اور فتح مندی کے ساتھ قادیان واپسی اور اپنے بچوں کے فرمانبردار اور خدمت گزار احمدی بن جانے کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

نمازوں کے ضمن میں واقعات اور نصائح

میرے برادرِ نسبتی صاحب زادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے بتایا کہ محترم عبدالسلام خان صاحب نمازوں کی سختی سے پابندی کرنے والے بزرگ تھے اور میرے والد صاحب کو بھی دعا کے لیے باقاعدہ لکھتے رہتے تھے اور خصوصاً آپ کے لیے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ بتایا کہ ایک بار جب مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ پشاور میں بطور مربی سلسلہ تعینات تھے تو آپ کے والد انہیں دعا کے لیے کہتے تو حضرت مولانا راجیکی صاحب نے فرمایا کہ اپنی سجدہ گاہ خود بھی گیلی کرو اور حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں دعا کے لیے لکھا کرو۔

اباجی کے کچھ خواب

اباجی صاحبِ کشوف ورؤیا بزرگ تھے۔ کئی بار ہم انہیں دعا کی درخواست کرتے اور ہمیں یقین ہوتا تھا کہ وہ ہمارے لیے ضرور دعا کریں گے۔ سارے خاندان کو یقین تھا کہ اباجی کی دعا لازماً قبول ہوتی ہے۔ میں گواہ ہوں کہ کئی مشکلات میں جب میں نے اباجی کو دعا کے لیے کہا تو ان کی دعا سے حالات تبدیل ہوگئے اور مشکلات حل ہو گئیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب انسان دعا کرتے کرتے مایوس نہیں ہوتا تو ایک دن اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول فرمالیتا ہے۔ قبولیت دعا کے چند واقعات درج ذیل ہیں:

1- بیٹیوں کی شادیاں

میری چھوٹی بہن نیرہ بیگم کی شادی میں کچھ رکاوٹیں تھیں۔ 19 اپریل 1974ء کو اباجی نے بتایا کہ انہوں نے نیرہ بیگم کے لیے استخارہ کیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی۔

''آج اتوار ہے: میں نے خواب میں دیکھا کہ میری دو بیٹیوں کی شادی میرے چھوٹے بھائی عبدالقدوس خان کے دو بیٹوں کے ساتھ ہو رہی ہے یعنی میری بیٹی صادقہ کی شادی عبدالودود ابن عبدالقدوس خان کے ساتھ ہو رہی ہے۔
میں نہا کر سفید لباس پہن لیتا ہوں جس کے بعد منظر تبدیل ہو جاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب پہلے عبدالقدوس خان کے گھر پر تشریف لاتے ہیں پھر میرے گھر پر تشریف لاتے ہیں۔ میں خشک میوہ جات اور چائے سے ان کی تواضع کرتا ہوں جس کے بعد چودھری صاحب مجھ سے فرماتے ہیں کہ آپ اب جائیں میں آرام کرنا چاہتا ہوں تو میں ان کے کمرے سے باہر آجاتا ہوں۔''

ابا جی نے بتایا:

''اِس خواب کی تعبیر لفظ ظفر اللہ سے یہ سمجھ میں آئی کہ میرے بھائی عبدالقدوس خان کی کوششیں رنگ لائیں گی اور نیرہ اپنے خاوند کے پاس پہنچ جائے گی۔ سو بالآخر نیرہ اپنے شوہر مبارک احمد کے پاس پہنچ گئی اور ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزاری۔''

2-ابا جی نے بتایا کہ

نیرہ کی شادی کے بعد بھی مبارک احمد نہ تو خود ہمیں ملنے آتا نہ نیرہ کو ہم سے ملنے کی اجازت دیتا۔ ابا جی ان کے لیے اس یقین کے ساتھ دعائیں کر رہے تھے کہ ان کی دعا ضرور قبول ہو گی۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر جب ہم صاحب زادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے اور محترم ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ مبارک احمد بھی وہیں آکر ہمارے ساتھ ہی ٹھہریں لیکن مبارک احمد نے معذرت کر دی۔

جیسا کہ میں نے بتایا کہ ابا جی بڑے تضرع کے ساتھ دعائیں کر رہے تھے کہ انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ جلسہ کے مبارک موقع پر مبارک احمد انہیں پیچھے سے بلا کر معافی مانگ رہا ہے۔

میری بہن نیرہ بتاتی ہیں کہ مبارک احمد جو میرے والد کے گھر جانے پر راضی نہ تھے ایک دن

اچانک کہنے لگے کہ میں آپ کے اباجی کے گھر جانا چاہتا۔ اباجی کئی سال سے مبارک احمد کے رویہ میں تبدیلی کے لیے مسلسل دعا کر رہے اور انہیں یقین کامل تھا کہ ان کی دعائیں ایک دن ضرور رنگ لائیں گی اور وہی ہوا۔

3: اباجی نے اپنی بیٹی میمونہ بیگم کی شادی کے لیے استخارہ کے متعلق بتایا کہ:

"اکتوبر 1974ء میں رمضان کے مہینہ میں پاکستان کے سابق صدر فیلڈ مارشل ایوب خان نے ایک دکان سے کچھ آم خریدے اور وہ آم سائز میں بھی بڑے تھے اور بڑے ذائقہ دار تھے۔ صدر ایوب خان نے دکان دار سے کہا کہ یہ آم ہندوستان سے آئے ہیں جس پر انڈیا کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیے کہ انہوں نے ایسے آم اُگائے۔ بعد ازاں میں نے بھی دکان دار سے اسی طرح کے آم مانگے لیکن دکان دار نے کہا کہ وہ تو ختم ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں سٹور میں دیکھتا ہوں اگر اس جیسے مزید آم ہوئے تو میں لا دیتا ہوں۔ چنانچہ دکان دار گیا اور آم لے آیا تو مجھے خیال گزرا کہ یہ آم بھی میٹھے، ذائقہ دار اور رسیلے ہوں گے۔

میں نے مولوی صاحب سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آموں کی تعبیر نرینہ اولاد سے کی جاتی ہے۔ لہٰذا آپ کے تین بیٹے ہوں گے اور بہت تونگر ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

4: میری بیٹی صادقہ بیگم کا کالج میں داخلہ

اباجی نے بتایا:

"ستمبر 1967ء میں میری بیٹی صادقہ بیگم نے مجھ سے ایم ایس سی کے لیے کالج میں داخلہ کے متعلق دعا کے لیے کہا۔ ایک دن مجھے تہجد کے بعد کشفاً دکھایا گیا کہ میں کہیں باہر سے اپنے گھر واپس جانا چاہتا ہوں لیکن رستہ بہت دشوار گزار اور پل بھی ٹوٹے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں متبادل رستہ اختیار کرتا ہوں لیکن اس رستے میں بھی پل ٹوٹا ہوا پاتا ہوں۔ میں پریشان ہو جاتا ہوں لیکن جوں توں کر کے میں ایک مکان پر پہنچتا ہوں لیکن وہ مکان پشاور میں واقع ہوتا ہے۔ نیز وہ گھر پکا نہیں بلکہ آدھا اینٹوں اور آدھا گارے سے بنا ہوا ہے جس کی کئی ایک

منزلیں ہیں۔ اچانک اس مکان کے ایک دروازے سے ایک آدمی باہر نکل کر مجھ سے پوچھتا ہے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ میں اسے بتاتا ہوں کہ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں جس کے لیے میں نے مختلف رستے اختیار کیے لیکن ہر رستہ دشوار گزار ہے اور پل بھی ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس نے مجھ سے میرے گھر کے متعلق پوچھا تو میں نے ایک اونچی سی عمارت کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اسی طرح ایک جوہڑ کے کنارے اُونچا سا مکان ہے۔ اس کے بعد میرے دفتر کا نسیم نامی ایک کلرک سامنے آیا اور اس نے بتایا کہ اس اونچی عمارت کے پیچھے والا تنگ راستہ لیں جو آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دے گا۔ پھر وہ بھی میرے ساتھ چل پڑا اور ہم بحفاظت اپنے گھر پہنچ گئے عین اسی وقت میری بیٹی طیبہ بیگم بھی تانگہ پر ہمارے گھر پہنچی۔

صبح ہوئی تو میں نے اپنی بیٹی صادقہ کو بتایا کہ وہ داخلہ لینے میں کامیاب ہو جائے گی لیکن مشکلات درپیش ہوں گی اور بعینہٖ یہی ہوا کہ میری بیٹی کو پشاور شہر کی رہنے والی ایک احمدی خاتون محترمہ طاہرہ نسرین صاحبہ کی کوششوں سے ایم ایس سی میں داخلہ مل گیا حالانکہ ایک بار اسے داخلہ سے انکار ہو چکا تھا۔ داخلہ کے چند دن بعد مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خط موصول ہوا جس میں حضور انور نے عزیزہ صادقہ کو ایم ایس سی میں داخلہ کی اجازت اس شرط پر مرحمت فرمائی تھی کہ وہ پردہ کی پابندی کرے گی۔ ایک مشکل یہ بھی درپیش تھی کہ میرے پاس داخلہ فیس کے لیے رقم نہیں تھی لیکن عین موقع پر مجھے میرے برادرِ نسبتی نے پانچ صد روپے بھجوا دیئے اور یہ مشکل بھی اللہ کے فضل سے حل ہو گئی۔ الحمدللہ“

5: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیدار

اباجی بتاتے ہیں:

”جنوری 1965ء کا واقعہ ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میرے گھر قدم رنجہ ہوئی ہیں۔ ان کی آمد کی خبر سن کر بھابھی یعنی میری ساس صاحبہ بھی تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھانے کی

دعوت دی جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازراہِ شفقت قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ بھابھی آپ سے بہت محبت رکھتی ہیں اس لیے میں یہ دعوت قبول کرتی ہوں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ دانے چاول کے چکھے تو ان کی طبیعت ناساز ہو گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے حجرے میں لے جائیں جہاں ان کی وفات ہو گئی اور ان کے لیے کفن لایا گیا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب میں انہیں قبر میں اتارتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میت بھابھی کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

جنوری 1965ء میں بھابھی نے حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں ان کی تدفین ہوئی۔"

6: حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ

اباجی نے بتایا کہ:

"17/07/1966 کی رات میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں اور میرے بھائی عبد القدوس خان کسی دفتر یا کسی کلاس روم میں بیٹھے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ وہاں جمع ہیں کہ حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ تشریف لاتے ہیں اور سب سے پہلے مجھے اور عبد القدوس خان کو بلاتے ہیں۔ چنانچہ ہم جاتے ہیں اور چودھری صاحب کافی دیر ہم دونوں سے محوِ گفتگو رہتے ہیں جبکہ دیگر سب لوگ حیران ہیں کہ حضرت چودھری صاحب بالخصوص ہم دونوں بھائیوں سے کیوں ملنے آئے ہیں؟ ہم نے دیکھا کہ باہر حضرت چودھری صاحب کا ہوائی جہاز انہیں لے کر جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ دراصل حضرت چودھری صاحب کسی ملک کے دورہ پر نکل رہے تھے لیکن رستے میں ہمیں ملنے کے لیے کچھ دیر رک گئے تھے۔ روانگی سے قبل حضرت چودھری صاحب نے دو رکعت نفل پڑھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت چودھری صاحب کے ساتھ کالے برقعہ میں ان کی اہلیہ بھی ہیں اور میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ وہ میری بیٹی صادقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب"

7:میرے بیٹے حامد اللہ خان کامیابی

اباجی نے بتایا:

”جولائی 1966ء کے پہلے ہفتے میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا بیٹا حامد اللہ خان ایم بی بی ایس کے امتحان میں کامیاب ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے دو ملازموں کے لیے سرمئی رنگ کا ایک شلوار قمیص خریدا ہے۔

حامد اللہ خاننے جولائی 1966ء کی ایک صبح مجھے بتایا کہ آج جب وہ جاگا تو اس کی زبان پر لفظ تھا: پاس ہو گیا!!

الحمدللہ آج مؤرخہ 29 جولائی 1966ء کو نتیجہ نکلا جس کے مطابق میرا بیٹا حامد اللہ خان ایم بی بی ایس کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔“

8: جنت کی سیر

اباجی بتاتے ہیں کہ:

”نو اور دس نومبر 1967ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات میں نے یہ خواب دیکھا:

میں نے دیکھا کہ احمدی مسجد میں کسی فرض نماز کے لیے صف آرا ہوئے ہیں۔ اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ محترم قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ اور امیر اللہ خان صاحب اور ایک اور معزز دوست جنت سے تشریف لائے ہیں جن کا نام مجھے معلوم نہیں۔ تمام لوگ ان کے اعزاز میں خوش ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں انہیں دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ یہ سب احباب تو وفات پا چکے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جو وفات پا جاتا ہے اس کا گوشت تو گل سڑ جاتا ہے اور پنجر باقی رہ جاتا ہے لیکن یہ تو بالکل صحیح سلامت ہیں۔ اسی اثنا میں اقامت کہی جاتی ہے اور نماز شروع ہو جاتی ہے، میں بھی نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ کچھ دیر بعد کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ نماز تو ختم ہو گئی ہے اب مجھے بھی نماز ختم کر لینی چاہیے۔ میں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ نماز اتنی جلدی ختم ہو گئی اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا!! تو بتانے والے نے بتایا

کہ دراصل وہ سفر میں ہیں اور جنت کو واپس جارہے ہیں۔ محترم قاضی صاحب نے امامت کروائی اور ایک رکعت نماز ادا کی جبکہ میں نے دو رکعت ادا کرنی تھی۔ میں نے نماز مکمل کی اور حضرت قاضی صاحب اور امیر اللہ خان صاحب کے ساتھ ہولیا تا کہ جنت کے نظارے کر سکوں۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے ساتھ جماعت سرحد (خیبر پختون خوا) کے بہت سے احباب ہیں اور سبھی پٹھان ہیں اور جنت کی سیر کے لیے جارہے ہیں۔ ان میں سے مجھے محترم عمر دین خان صاحب مرحوم اور میاں شہاب الدین صاحب مرحوم اچھی طرح یاد ہیں۔ ان کے علاوہ بھی میں نے کئی لوگوں کو دیکھا لیکن مجھے ان کے نام یاد نہیں رہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ہم جنت میں داخل ہوئے ہیں۔ میں نے وہاں ایک بہت بڑے ہال میں اپنی والدہ کو دیکھا جو بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ دیگر بہت سے مردو خواتین کو دیکھا جو بغیر پردے کے وہاں موجود تھے۔ میری والدہ ایک پشتو شعر گنگنا رہی تھیں جس کا مطلب ہے کہ ہم آپ سب کے لیے یہاں بیٹھے دعا کر رہے ہیں اللہ آپ سب کے گلے میں موتیوں سے جڑی ہوئی مالا پہنائے۔ ایسا لگتا ہے کہ میری والدہ ان خواتین کی سردار ہیں۔ ہم ایک کورس کی صورت میں گارہے ہیں کہ اللہ کی ہم سب پر بہت نوازشات ہیں۔

تمام مردوزن خوشی سے گارہے ہیں اور اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک سے میں نے اپنے والد صاحب کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ تو اوپر والی منزل پر ہیں کیونکہ یہاں مقام کے اعتبار سے منازل مقرر ہیں۔ اس پر میں بیدار ہو گیا۔"

9: سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے متعلق خواب

اباجی نے متعدد بار ایک خواب دیکھا۔ اباجی نے دیکھا کہ وہ محترم صاحب زادہ مرزا منور احمد صاحب کے گھر بیت الاحسان ربوہ میں قیام پذیر ہیں اور فجر کی نماز کے لیے قصرِ خلافت کے رستے سے مسجد مبارک ربوہ کی طرف جارہے ہیں تو انہوں نے کرکٹ گراؤنڈ میں گارے سے بنا ہوا چھوٹا سا کمرہ دیکھا جس کی چار دیواری ٹوٹی ہوئی تھی اور کوڑا کرکٹ ادھر ادھر بکھرا ہوا تھا۔ اس کے دروازے پر ایک چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا تو اباجی نے کسی سے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ تو خواب میں کسی نے بتایا کہ یہاں بھٹو

کی رہائش ہے۔ اس خواب کی تعبیر اباجی نے بھٹو کے بھیانک انجام سے کی۔

10: بھٹو کے بدانجام کے متعلق یقین کامل

حضرت مسیح موعودؑ کے الہام "کَلبٌ یَمُوتُ عَلٰی کَلبٍ" یعنی وہ کتا ہے اور کتے کی موت مرے گا، کے تناظر میں مجھے یاد ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ جماعت کا ایک دشمن جماعت پر ظلم و ستم کا بازار گرم کرے گا لیکن کامیاب نہ ہو سکے گا بلکہ کتے کی موت مارا جائے گا اور حروف ابجد کے مطابق اس کی عمر پورے باون سال ہو گی اس سے زیادہ نہ کم ہو گی۔ اسی پیش گوئی کے عین مطابق ذوالفقار علی بھٹو ٹھیک باون سال کی عمر میں پھانسی دے کر مارا گیا۔

اباجی کو یقین کامل تھا کہ بھٹو انتہائی بھیانک موت مرے گا اور یہ پیش گوئی بڑی شان کے ساتھ پوری ہو گی۔ مجھے یاد ہے کہ اباجی دورانِ تبلیغ یہ الہام بڑے وثوق کے ساتھ پیش فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ایک برادرِ نسبتی جو اس دور کے نوجوانوں کی طرح بھٹو اور اس کی پیپلز پارٹی کے بہت بڑے حامی تھے۔ جب ہائی کورٹ نے کسی سیاسی لیڈر کے قتل کے جرم میں بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کا فیصلہ سنایا اور اس نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تو بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ بھٹو کو چھوڑ دیا جائے گا لیکن اباجی نے بڑے وثوق کے ساتھ انہیں بتایا کہ بھٹو خدا کے غضب سے کبھی بچ نہ سکے گا۔

11: جنرل ضیاء الحق کے بھیانک انجام کے متعلق خواب

اباجی کو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے بھیانک انجام کے متعلق بھی خواب دکھایا گیا۔ ضیاء الحق نے جماعت احمدیہ کے متعلق ایک نہایت ظالمانہ آرڈیننس جاری کیا جس کی وجہ سے احمدیوں کے خلاف لوٹ مار، قتل و غارت گری اور ظلم و ستم کا بازار گرم ہو گیا اور کئی ایک احمدیوں کو اس بہیمانہ قانون کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

اباجی نے اسی تعلق میں 1982ء میں رؤیا میں دیکھا کہ ضیاء الحق اپنے دیگر جرنیلوں کے ساتھ ایک انتہائی اہم میٹنگ میں بیٹھا ہے۔ اباجی بھی وہاں موجود ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جنرل ضیا کے جسم پر لباس نہیں ہے جس پر ایک جنرل کھڑا ہوا اور یہ کہتے ہوئے کہ یہ دیکھو ہر وقت اسلام کی باتیں کرتا ہے لیکن خود ننگا

بیٹھا ہے، اپنا ریوالور نکالا اور ضیاء الحق کو گولی مار کر جان سے مار دیا۔ اباجی اس رؤیا کے بعد اکثر کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور انہیں ضیاء الحق کا بھیانک انجام دکھائے گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے مباہلہ کے چیلنج کے نتیجہ میں ضیاء الحق اپنے کئی جرنیلوں سمیت فضا میں ہی بھسم ہو گیا حتیٰ کہ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ایسا بکھرا کہ اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ سلامت نہ مل سکا۔ گویا وہی انجام ہوا جس کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے کچھ دن قبل اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَااُولُوا الْاَبْصَارِ

12: ضیاء الحق کے بھیانک انجام کے متعلق ایک اور رؤیا

اباجی نے بتایا کہ 30 اور 31 مارچ کی درمیانی شب انہوں نے فجر سے کچھ دیر پہلے رؤیا میں دیکھا کہ ان کی بیٹی نیرہ انہیں اطلاع دے رہی ہے کہ ضیاء الحق کو اس کے بھائی نے قتل کر دیا ہے۔ نیرہ مزید کہتی ہے کہ ہمیں اس خبر کی تصدیق کر لینی چاہیے تو اباجی نے کہا کہ ابھی تو آدھی رات کا وقت ہے ابھی اس خبر کی تصدیق ممکن نہیں جس پر نیرہ کہتی ہے کہ ہمیں پولیس سٹیشن سے پتہ کر لینا چاہیے جس پر اباجی اسے کہتے ہیں کہ پولیس ہم سے پوچھے گی کہ ہمارا اس بات سے کیا تعلق ہے؟ پھر وہ ڈرائنگ روم میں جاتے ہیں جہاں انٹرنیشنل ریڈیو پر موسیقی سنائی جا رہی تھی اچانک موسیقی روک کر یہ خبر دی جاتی ہے کہ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔

اباجی کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ گلی میں لوگوں کا جم غفیر ہے اور ایک تابوت میں جنرل ضیاء الحق کی لاش پڑی ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور میرے بچے بھی اسے دیکھنے کے لیے باہر نکل جاتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ میرے بچوں کو بھوک لگی ہے تو میں ان کے لیے نان لاتا ہوں لیکن وہاں میرے خاندان کا کوئی بھی فرد موجود نہیں ہوتا۔

اباجی نے بتایا کہ میں ضیاء الحق کی میت دیکھنے جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اب وہ اپنی بداعمالیاں لے کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو گا تو کوئی مجھ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ آپ کو اپنا سر اپنے کمبل سے ڈھانک لینا چاہیے تو میں جواب دیتا ہوں کہ میں نے تو ٹوپی پہن رکھی ہے لیکن اس نے اپنی بات کو دہرایا کہ کمبل سے اپنا سر ڈھانپ لو۔ شاید اس سے یہ مقصد ہو کہ اس طرح میں پہچانا نہ جاسکوں گا۔

میں بے چینی سے نان ہاتھ میں پکڑے اپنے اہل وعیال کو تلاش کر رہا ہوتا ہوں یہاں تک کہ میں تھک جاتا ہوں اور چائے یا کافی کی دکان تلاش کرتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ٹیلی ویژن آن ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے بعینہٖ ٹی وی پر جنرل ضیاء الحق کی موت کی خبر نشر ہو رہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ضیاء الحق اپنی فوجی وردی میں کسی جلسہ کی صدارت کے لیے آرہا ہے اور کچھ غیر فوجی افسر اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ اچانک ایک فوجی افسر تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے ضیاء الحق کو پر گولی چلائی اور اسے قتل کر دیا جس کے بعد دونوں طرف سے فائرنگ کا تبادلہ ہوا اور بہت سارے لوگ مارے گئے۔ ٹی وی پر یہ اعلان بھی کیا گیا کہ غلام اسحاق خان نے صدر پاکستان کے طور پر حلف اٹھالیا ہے۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ کس قانون کے تحت؟ جس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

مندرجہ بالا خواب شاہد ناطق ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور متقی بندوں کے ساتھ ہم کلام ہوتا اور انہیں غیب کی خبروں سے نوازتا ہے۔

جلسہ سالانہ

اباجی خلافت احمدیہ اور مرکز کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔ اباجی ہر جلسہ سالانہ پر مرکز حاضر ہوتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تقسیم ہند سے قبل قادیان کے جلسہ ہائے سالانہ کی روداد، خصوصاً وہاں کے روحانی ماحول کے متعلق بتایا کرتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد بھی دو تین بار جلسہ سالانہ قادیان دارالامان میں قافلے کے ہمراہ شامل ہوئے۔ انہیں قادیان سے بہت محبت تھی اور ہمیشہ قادیان کی واپسی کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جلسہ سالانہ ربوہ میں بھی ہمیشہ شامل ہوتے تھے۔ ہم سب بے چینی سے جلسہ سالانہ کا انتظار کیا کرتے اور شامل ہونے کے لیے باقاعدہ تیاری کیا کرتے تھے اور اپنے بستر بھی لے کر جایا کرتے تھے۔ اباجی ٹرین کی ایڈوانس بکنگ کروالیا کرتے تھے۔ پشاور سے تمام احمدی ریل گاڑی کے ایک ہی ڈبے میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے جس کا ماحول بہت ہی روحانی ہوا کرتا تھا۔ ہم سب اپنا اپنا کھانا لے کر جاتے تھے لیکن سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھاتے۔ مجھے وہ فرض نمازیں بھی یاد ہیں جو ہم ریل گاڑی میں

باجماعت پڑھا کرتے تھے۔

پشاور جماعت عموماً انصاراللہ کے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا کرتی تھی۔ وہاں بڑے بڑے کمرے ہوتے تھے جہاں ہم اپنے بستر زمین پر بچھالیا کرتے تھے۔ اباجی کی کوشش ہوتی کہ تہجد کے لیے مسجد مبارک پہنچیں اور پہلی صف میں جگہ حاصل کریں۔ ہر کوئی تضرع اور الحاح کے ساتھ بہت دعائیں کرتا تھا۔ نماز فجر کے بعد علماءِ کرام درس دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا ابوالعطا صاحب، حضرت مرزا ناصر احمد صاحب، حضرت مرزا طاہر احمد صاحب، حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب اور حضرت قاضی نذیر احمد صاحب لائل پوری خاص طور پر مجھے یاد ہیں۔

نماز فجر کے بعد اباجی دعا کی غرض سے بہشتی مقبرہ جاتے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ سب سے پہلے قطعۂ خاص میں جاتے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مزار پر لمبی دعا کرتے۔ اس کے بعد ہم واپس آکر خدام کی طرف سے پیش کیا جانے والا ناشتہ کرتے اور ہاتھ دھو کر سیدھا جلسہ گاہ پہنچتے اور آگے جا کر زمین پر جگہ حاصل کر لیتے۔ بیٹھنے کے لیے ہم اپنی چادریں ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اباجی حضرت خلیفۃ المسیح کا افتتاحی خطاب اور دیگر خطابات بڑی توجہ، انہماک اور خاص جوش کے ساتھ سنتے اور جلسہ کے اختتام تک جلسہ گاہ سے باہر نہ نکلتے تھے۔ شام کو اباجی کے ساتھ میں بھی شبینہ اجلاس میں شامل ہوتا تھا جہاں غیر ملکی مبلغین کی بہت دلچسپ اور ایمان افروز تقاریر ہوا کرتی تھیں۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں اباجی خاندان اقدس کے بڑے اور معزز افراداور صحابہ کرام سے ملاقات بھی کیا کرتے تھے۔ مجھے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت مولانا غلام رسول راجیکی رضی اللہ عنہ سے ملاقات آج بھی یاد ہے۔ اباجی مجھے نصیحت کیا کرتے کہ ان ملاقاتوں میں مَیں اپنا سر ڈھانپ کے رکھوں اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کروں اور دعا کی درخواست کروں۔

1972ء میں میری شادی کے بعد ہم ہمیشہ حضرت صاحب زادہ مرزا منور احمد صاحب کے گھر پر قیام کیا کرتے تھے۔ یہاں نسبتاً آرام دہ قیام ہوتا تھا لیکن اباجی کا طریق نہ بدلا اور میں اباجی کے ساتھ پیدل جلسہ گاہ جایا کرتا تھا۔

عشقِ خلافت

اباجی کو خلافت احمدیہ سے والہانہ عشق تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح کے ساتھ ان کا ذاتی تعلق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خاندان کے ہر فرد سے انہیں بہت عقیدت اور محبت تھی۔ اباجی ہمیشہ حضور کی خدمت میں دعائیہ خط لکھتے اور ہمیں بھی تاکید کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار اباجی نے بتایا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کہ خدمت میں مسلسل نذرانہ بھجوایا کرتے تھے۔ جب میں لندن میں مقیم تھا تو اباجی مجھے ہمیشہ تلقین کیا کرتے کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے ذاتی تعلق رکھوں اور چندہ کی ادائیگی میں باقاعدگی اختیار کروں۔ مرکز کی طرف سے ہونے والی ہر ایک تحریک پر اباجی ہمیشہ لبیک کہتے۔

اباجی ہر ذاتی معاملہ میں حضرت خلیفۃ المسیح سے راہنمائی لیتے۔ مجھے یاد ہے کہ 1959ء میں اباجی نے میرے مضامین کے متعلق حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے سے رہنمائی کے لیے درخواست کی اور پھر آپ کی رہنمائی کے مطابق ہی میں نے مضامین رکھے۔ اسی طرح میری بہن طیبہ کا رشتہ کوہاٹ کے مکرم ظفر احمد بنگش صاحب کے ساتھ انہی کے مشورہ پر اباجی نے طے کیا تھا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد اباجی نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں لکھا کہ وہ مرکز میں منتقل ہو کر جماعت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان سے فرمایا کہ آپ کی زیادہ ضرورت پشاور میں ہی ہے اس لیے آپ وہیں رہیں مرکز میں منتقل نہ ہوں اور یہ بات حقیقت تھی کہ اباجی خصوصاً 1974ء اور 1984ء کے حالات میں پشاور جماعت کے ایک اہم ستون تھے۔

1989ء میں اباجی لندن میں ہمارے پاس مقیم تھے۔ وہاں بلا کی سردی پڑ رہی تھی اور اباجی کو انجائنا کے پے در پے حملے ہو رہے تھے۔ میں نے ان کی صحت کے پیش نظر ان سے درخواست کی کہ سردی بھی بہت زیادہ ہے اور آپ کی طبیعت بھی ناساز ہے اس لیے آپ جلسہ یوم مصلح موعود پر نہ جائیں۔ اباجی کو میری بات ناگوار گزری اور آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر پر عزم لہجے میں گویا ہوئے کہ کیا آپ لوگوں کو اس صد سالہ جشن کی اہمیت کا احساس ہے؟ میں تو ضرور جاؤں گا۔ پھر اپنے سامنے بیٹھے

میرے بیٹے حماد کو دیکھ کر بولے:

"اگلی صدی کا جشن حماد کے بچوں کے بچے دیکھیں گے۔"

پھر ہم سب اکٹھے اسلام آباد ٹلفورڈ لندن گئے اور اباجی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جلسہ کے اختتام پر حضور انور اباجی کے پاس ٹھہرے اور اباجی کو مخاطب کر کے فرمایا: خان صاحب آپ بھی آئے ہیں؟ پھر اباجی کے ساتھ لمبی گفتگو فرمائی۔

یہاں ایک اور واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایک بار جب حضورؓ ہمارے گھر واقع یارک شائر تشریف لائے تو نماز عصر ادا کرنے کے بعد حضور ہمارے بیڈروم میں اباجی کے ساتھ محوِ گفتگو تھے تو اچانک اباجی نے حضور انور سے درخواست کی کہ حضور کیا آپ حضرت مسیح موعودؑ کی اَلَیسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبدَہٗ والی انگوٹھی تھوڑی دیر کے لیے عنایت فرمائیں گے؟ تو حضور انورؓ نے بلا جھجک وہ انگوٹھی اتار کر اباجی کو دے دی جو اباجی نے کافی دیر پہنے رکھی اور پھر حضور انورؓ کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دی۔ اس واقعہ سے اباجی کی حضور انورؓ کے ساتھ محبت اور حضور انورؓ کی شفقت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اباجی کے ساتھ تھی۔

میری مرحومہ اہلیہ کے ساتھ محبت اور عقیدت کا تعلق

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کا فرد یعنی صاحب زادہ مرزا منور احمد صاحب کی بیٹی ہونے کی وجہ سے اباجی کو میری اہلیہ مرحومہ کے ساتھ ایک خاص محبت اور عقیدت تھی۔ اباجی اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ میری دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ میری اہلیہ بھی ان سے بہت محبت رکھتی تھیں اور میرے والدین کی آخری بیماری میں دونوں کی خدمت کی بھرپور توفیق پائی۔

اباجی میرے بچوں کے ساتھ بہت محبت کرتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ حضرت مولوی محمد الیاس صاحب کے خون میں حضرت مسیح موعودؑ کا خون شامل ہو گیا ہے۔ پس یہ انہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج میری سارے بچے جماعت کے خادم ہیں۔

اباجی ایک کامیاب داعی الی اللہ

اباجی قرآن کریم کا غیر معمولی درک رکھتے تھے نیز کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر

جماعتی لٹریچر کا بھی خوب مطالعہ تھا اور مجھے یاد ہے کہ وہ اپنی ڈائری پر نوٹس بھی لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اباجی کو تبلیغ کے ایسے اعلیٰ انداز سے آراستہ کر رکھا تھا کہ آپ دشمنوں کو بھی بڑی آسانی سے قائل کر لیا کرتے تھے۔ اباجی کا انداز تبلیغ نہایت نپا تلا، مدلل، مہذبانہ اور ماحول کے ایسا مطابق ہوتا تھا کہ کوئی بھی بوریت محسوس نہ کرتا۔ وہ مخالفین کی دشنام طرازی پر سیخ پا نہ ہوا کرتے تھے بلکہ بہت متحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ آپ فنِ چہرہ شناسی کے ماہر تھے اور موقع کی مناسبت سے بات کا رخ تبدیل کرنا بھی خوب جانتے تھے۔ اباجی غیر از جماعت مہمانوں کی دعوت کرتے اور انہیں تسلی بخش جواب دے کر ان کے اشکال دور کیا کرتے تھے۔ یوں ان کے ذریعہ بہت سے لوگوں نے احمدیت قبول کی لیکن جن میں قبول کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا وہ کم از کم احمدیت کی صداقت کے قائل ضرور ہو جاتے تھے۔ یونیورسٹی کے بہت سے طلبا ہمارے گھر آتے اور اباجی انہیں بہت آسان طریق پر تبلیغ کرتے ان میں سے کئی ایک نے احمدیت قبول کی جیسے محترم ڈاکٹر محمد علی صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ پشاور۔

حقیقت یہی ہے کہ اباجی ایک کامیاب داعی الی اللہ تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اباجی نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں لکھا کہ وہ مرکز میں رہائش اختیار کرنا چاہتے ہیں لیکن حضور انور نے فرمایا کہ ٹھیک ہے لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ آپ پشاور میں ہی قیام پذیر رہیں کیونکہ پشاور میں آپ کی خدمات کی زیادہ ضرورت ہے۔

جنگ کے بعد افغانستان سے کئی پناہ گزیں پشاور میں آ کر آباد ہوئے جنہیں اباجی نے بڑی کامیابی کے ساتھ فارسی میں احمدیت کا پیغام پہنچایا اور ان میں سے کئی ایک احمدیت کے نور سے منور بھی ہوئے۔ اباجی ان کی مدد کیا کرتے تھے اور وہ لوگ اباجی کے اعلیٰ اخلاق سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ اباجی اپنے گھر کا بڑا صحن ان افغان پناہ گزینوں کو ان کے بچوں کی شادیوں اور دیگر تقریبات کے لیے بھی دے دیا کرتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ

اباجی نے بتایا کہ 75-1974ء میں جب قومی اسمبلی نے کچھ عرصہ پہلے ہی احمدیوں کو غیر مسلم

اقلیت قرار دیا تھا انہی ایام میں ان کی تعیناتی بنوں خیبر پختون خوا میں ہوئی۔ جہاں ان کی ملاقات ایک مقامی ممبر قومی اسمبلی سے ہوئی جو اس وقت اپنے بہت سے غیر احمدی رفقا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اباجی نے ان سے پوچھا کہ سنا ہے کہ مولویوں نے قومی اسمبلی میں خوب بحث مباحثہ کیا اور احمدیہ جماعت کے امام ان کے سامنے بول نہ سکے۔ اس پر اس ممبر قومی اسمبلی نے اباجی کو مخاطب کر کے پشتو میں کہا:

''سچ پوچھیں تو ہمارے مولوی بری طرح سے شکست کھا گئے اور امام جماعت احمدیہ کے مقابل پر گنگ ہو گئے تھے۔''

اس طرح ایک ممبر قومی اسمبلی کے منہ سے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر سچ نکلوا دیا۔

جماعت کے لیے والہانہ محبت

اباجی کو جماعت سے دلی محبت تھی اور وہ اسے اپنا خاندان سمجھتے تھے۔ وہ جماعت کے نوجوانوں کو ہمیشہ محبت اور شفقت کے ساتھ سمجھایا کرتے تھے۔ اباجی کہا کرتے تھے کہ ہر ایک احمدی ایک موتی ہے اور کبھی کبھی موتیوں پر گرد پڑ جاتی ہے اس لیے ہم سب کا فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے کے اوپر پڑی اس گرد کو جھاڑنے کا کام بڑی نرمی اور محبت سے انجام دیں۔ چنانچہ جب بھی ممکن ہوتا اباجی نوجوان احمدیوں کے لیے نوکری کے معاملہ میں بہت مدد کرتے تھے خصوصاً نئے بجلی گھروں میں جہاں ملازمین کی ضرورت ہوتی احمدی نوجوانوں کو نوکری دلواتے۔ ان میں سے کئی اب بھی اباجی کی اس مدد کا ذکر کرتے ہیں۔ اباجی کی یہ بھی کوشش ہوتی کہ احمدی نوجوان چندے میں باقاعدگی اختیار کریں۔ ایک بار ایسٹ لندن میں مکرم مرزا مجیب احمد صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ کس طرح اباجی نوکریوں کے معاملہ میں احمدی نوجوانوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ محترم شیخ مبارک احمد مرحوم جو سوئس ائرلائن میں رہے انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک بار ملازمت کے معاملہ میں ان پر بڑا کڑا وقت آ گیا تھا تو اباجی نے اس مشکل سے نکلنے میں ان کی بہت مدد فرمائی۔

بچوں کو نصائح

آپ بچوں کو ہمیشہ یہ نصائح فرمایا کرتے تھے:

☆پنجگانہ نماز کی پابندی کریں۔
☆حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں خصوصاً کشتیٔ نوح کا مطالعہ کرتے رہیں۔
☆اباجی نے مجھے یہ خصوصی نصیحت فرمائی کہ چندہ میں باقاعدگی اختیار کروں اوراگر ہمیشہ شرح کے مطابق چندہ ادا کروں گا تو اللہ تعالیٰ مختلف ذرائع سے مجھے نوازے گا۔ اباجی نے بتایا کہ ان کا لمبا تجربہ ہے کہ جو شخص چندہ جات میں سستی دکھاتا ہے وہ ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔
☆خلیفۃ المسیح کی طرف سے جاری کردہ ہر ایک تحریک میں فورًا حصہ لینا چاہیے کیونکہ موجودہ دور کا جہاد یہی ہے۔ مزید برآں وہ اپنے والد محترم کی بات کا حوالہ دیا کرتے تھے کہ یہ تمام تحریکات جنت میں کھلنے والے مختلف دروازے ہیں اور ہمیں علم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہو جائے۔
☆اباجی نے نظام وصیت سے منسلک ہونے کی سختی سے تاکید کی۔
☆اباجی نے مجھے نصیحت فرمائی کہ اپنے آباواجداد کی قربانیاں ہمیشہ یادرکھوں کہ کس طرح انہوں نے مشکل حالات میں احمدیت قبول کی اس لیے اس کے شکرانے کے طور پر ان مرحومین کی طرف سے ہمیشہ تحریک جدید اور وقف جدید کی مد میں چندہ ادا کرتا رہوں۔
☆اباجی نے مجھے نصیحت فرمائی کہ خلیفۂ وقت کے ساتھ ہمیشہ ذاتی زندہ تعلق رکھوں اور ہمیشہ انہیں دعا کے لیے خط لکھتا رہوں اور ہر ایک معاملہ میں خلیفۂ وقت سے راہنمائی حاصل کروں کیونکہ خلیفۂ وقت روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سچا نمائندہ ہے۔
☆اباجی یہ نصیحت بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہر دوسری چیز سے جماعتی وقار کو مقدّم رکھوں۔ اباجی کہا کرتے تھے کہ بدقسمتی سے کچھ پٹھان احمدی اپنی پختون روایات کو جماعتی روایات پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ احمدیت قبول کرکے گویا انہوں نے جماعت پر کوئی احسان کیا ہے۔

جماعتی وقار اور عقائد کے لیے غیرت

ابا جی جماعتی وقار اور عقائد کے لیے گویا ایک ننگی سونتی ہوئی تلوار تھے۔ وہ کسی بھی موقع پر اسلام احمدیت کا پیغام دوسروں تک پہنچانے میں نہ ہچکچاتے اور نہ ہی ڈرتے تھے۔ اس سلسلہ میں تین واقعات قابل ذکر ہیں:

مجھے یاد ہے کہ جب 1984ء میں جنرل ضیاء الحق نے آرڈیننس جاری کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اسے اور دیگر مسلم اکابرین کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ اور ان دنوں جبکہ احمدیوں پر مظالم کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا، گھر جلائے جا رہے تھے، جائدادیں لوٹی جارہی تھیں، نہتے بے گناہ احمدیوں کو قتل کیا جا رہا تھا تو ابا جی نے جنرل ضیاء الحق کو مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کے لیے ایک خط تحریر کیا جس میں جماعتی عقائد بھی کھل کر تحریر کیے۔ ہمارے ایک کزن میجر قاضی اکبر نے ابا جی کو روکا کہ ایسا کام نہ کریں کیونکہ اس طرح خفیہ ادارے آپ کو پکڑ کر بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنائیں گے لیکن ابا جی نے بے خوف و خطر یہ جواب دیا کہ انہیں نتائج کی کوئی پروا نہیں۔

ابا جی چاہتے تھے کہ ان کی اولاد اسلام کی سچی تعلیمات پر پوری طرح سے عمل پیرا ہو اور جماعت کے خلاف کسی کی بھی کوئی بات نہ سنیں نہ اسے اہمیت دیں خواہ کسی قریبی رشتہ دار کی طرف سے بھی کوئی اعتراض اٹھایا جارہا ہو۔ درحقیقت رشتہ داروں کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کو ابا جی فوری طور پر رد کرتے اور سخت ردِّ عمل کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

1974ء میں جب ہمیں اسمبلی کی طرف سے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو ہمارے دُور پار کے ایک رشتہ دار نے ابا جی سے پوچھا کہ اس میں کیا حرج ہے کہ ہم خود کو غیر مسلم کہہ لیں؟ ابا جی نے فوری سختی کے ساتھ رَدِّ عمل کا اظہار کیا اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ”میں تو آپ کو بہت عقل مند انسان سمجھتا تھا اور ایسا احمق ہرگز نہیں سمجھتا تھا۔“ پھر ان کا نام لے کر کہا کہ: ”کل کلاں اگر اسمبلی آپ کو ایک بد دیانت شخص اور مجرم قرار دے دے تو کیا آپ خود کو بد دیانت اور مجرم تسلیم کر لیں گے؟“ اس پر وہ صاحب ساکت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

ایک اور واقعہ یاد آیا کہ ایک بار لندن میں اباجی کے ایک بہت قریبی دوست ان سے ملے۔ دورانِ گفتگو اس دوست نے جماعت کے سینئر ممبران کے متعلق شکایت کے رنگ میں کوئی بات کی۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکے تو اباجی نے بڑی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے ناراضگی والے لہجہ میں ان سے کہا:

"اگر جماعت بہت بری ہے جیسا کہ آپ بیان کر رہے ہیں تو آپ کو جماعت سے الگ ہو جانا چاہیے کیونکہ آپ پر کوئی جبر نہیں۔"

اباجی کی اس ناراضگی کو بھانپتے ہوئے انہوں نے معافی مانگی۔

میرے ایک کزن کرنل عبدالحمید بیان کرتے ہیں کہ:

"1974 میں جب جماعت کے خلاف پشاور میں بازارِ بدتمیزی گرم تھا اور ہنگامہ آرائی عروج پر تھی تو ماموں عبدالسلام خان صاحب اس یقین، توکل اور عقیدے کے ساتھ اپنے گھر پر موجود رہے کہ انہیں اور ان کے گھر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جبکہ ماموں عبدالقدوس خان صاحب کی تجویز پر خاندان کے دیگر افراد کنٹونمنٹ یا دیگر محفوظ علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ حتیٰ کہ پشاور میں جب ہمیں ڈرایا دھمکایا جارہا تھا تو ماموں عبدالسلام صاحبنے ہمیں گھر کے لان میں جمع کیا اور بہت زور دے کر کشتیٔ نوح کے حوالہ جات پڑھتے ہوئے فرمایا کہ کسی صورت میں ارتداد اختیار نہیں کرنا خواہ جان بھی دینی پڑے۔ انہوں نے اپنے ایک خواب کی بنیاد پر یہ پیش گوئی کر دی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ہمیں نہیں چھوڑے گا جب تک ہمارا یقین اس پر متزلزل نہیں ہوتا اپنے اسی عقیدے کی بنیاد پر انہوں نے اپنا گھر نہ چھوڑا تھا اور نہ ہی اس خیال سے اپنے گھر پر تالا لگایا۔"

مجھے اچھی طرح یاد ہے اباجی نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ میری اور میرے خاندان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ کہ میں ہر اس شخص کی حفاظت کروں گا جو اس گھر کے اندر رہے۔

ایک اور واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک بار ہمارے ایک رشتہ دار جن کی شادی کو 18 سال ہو چکے تھے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھے جب وہ پاکستان آئے تو انہوں نے کسی کے کہنے پر ایک غیر احمدی

پیر سے رابطہ کیا۔ اُس پیر نے اُنہیں کہا کہ اگر وہ اُس کی بتائی ہوئی کچھ غیر اسلامی حرکات کریں گے تو وہ گارنٹی دیتا ہے کہ انہیں اولاد ہو جائے گی۔ مثلاً چائے کی پتی کے پتے استعمال سے پہلے اپنے گھر میں دبائیں اور کچھ عرصہ یہ عمل جاری رکھیں۔ جب اُس خاتون نے اباجی کو یہ سب بتایا تو اباجی نے فرمایا کہ یہ کام کرنے سے بچہ تو کیا ایک مرا ہوا چوہا بھی ان کے گھر پیدا نہیں ہو گا۔ پھر بڑے وثوق سے فرمایا کہ اس قسم کے شیطانی اعمال اللہ کے حضور ہر گز قابل قبول نہیں بلکہ یہ اللہ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔

اس کے بعد اس جوڑے کے گھر کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

غیر احمدی رشتہ داروں اور بہن بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

اباجی اپنے بہن بھائیوں کا احترام کرتے اور ان سے محبت کا سلوک کرتے تھے۔ حتیٰ کہ غیر احمدی رشتہ داروں کے ساتھ بھی بہت شفقت سے پیش آتے۔

اپنی وفات کے متعلق رؤیا

اپنی وفات سے چند دن قبل اباجی نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ نے انہیں ملاقات کے لیے بلایا ہے اور حضرت چودھری صاحب ربوہ کے کسی گیسٹ ہاؤس کے آخری کمرے میں رہائش پذیر ہیں۔ پھر اسی رؤیا میں اباجی نے دیکھا کہ وہ حضرت چودھری صاحب سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔

اگلے دن اباجی نے یہ رؤیا ناشتہ کے دوران ہم سے بیان کی۔ اماجی نے فرمایا کہ یہ خواب بہت بابرکت ہے کیونکہ اس میں چودھری محمد ظفر اللہ صاحب کو دیکھا ہے جن کے نام کا مطلب ہے کامیابی! لیکن اباجی نے فرمایا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت چودھری صاحب وفات پا چکے ہیں اور انہوں نے مجھ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے جس کا عمومی مطلب تو وفات ہی ہے۔ اس کے ایک ہفتے بعد اباجی کا وصال ہو گیا۔

اباجی حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں باقاعدہ دعائیہ خط لکھا کرتے اور اپنے تمام محسوسات حضور کی خدمت میں تحریر کر دیا کرتے تھے یوں اباجی کا حضور انور کے ساتھ دوستی کا ایک تعلق پروان چڑھا۔

چنانچہ 1989ء میں اباجی کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

''ڈاکٹر صاحب! خان صاحب کا بہت افسوس ہوا۔ بہت افسوس ہوا!! خان صاحب کا ایک دور تھا۔ ان کے جذبات کا اظہار ان کے خطوط سے ہوتا تھا۔''

یعنی حضور انور کو اباجی کی وفات کا بہت رنج تھا اور حضور کو یاد تھا کہ وہ جماعت سے کس قدر تعلق مؤدت رکھتے تھے اور اپنے ان محسوسات کا اظہار اپنے خطوط میں کھل کر کیا کرتے تھے۔

احمدیت کی نئی صدی کے آغاز کی پہلی نماز جنازہ

اباجی بڑی محبت کے ساتھ 23مارچ 1989ء کو اسلام آباد سرے میں منعقد ہونے والے صد سالہ جشنِ تشکر کا انتظار کر رہے تھے کہ 19 مارچ 1989ء کو اباجی کو بڑا سخت دل کا دورہ پڑا۔ اباجی کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں اگلے دن آپ اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ حضور انور نے اباجی کے نماز جنازہ اگلے دن اسلام آباد سرے میں پڑھانے کا ارشاد فرمایا۔ اللہ کے فضل سے تمام انتظامات بخوبی انجام پاگئے اور ہم اس قابل ہوئے کہ میت اسلام آباد پہنچا سکیں۔ حضور انور نے اباجی کا جنازہ پڑھایا اور پھر خطبہ جمعہ میں ان کی بہت تعریف فرمائی۔

حضور انور نے اباجی کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک متقی اور دعا گو انسان تھے۔ نیز صاحب کشوف ورؤیا والہام بزرگ تھے۔ حضور نے مزید فرمایا کہ خان صاحب کا جنازہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ اس لحاظ سے بھی ایک اعزاز ہے کہ احمدیت کی نئی صدی کا پہلا جنازہ ہے۔ خان صاحب کا نام عبد السلام ہے اس اعتبار سے ان کی پیدائش بھی ایک سلامتی کا پیغام تھی اور ان کی وفات بھی ایک سلامتی کا پیغام لے کر آئی ہے۔

نماز جنازہ کے بعد محترم چودھری محمد انور کاہلوں صاحب سابق امیر جماعت یوکے میرے پاس تشریف لائے، تعزیت کی اور کہنے لگے کہ مجھے آپ کے والد محترم پر بہت رشک آرہا ہے۔ کاش! آج یہ جنازہ آپ کے اباجی کی بجائے میرا ہوتا۔

اباجی کی وفات کے بعد اباجی کے متعلق احباب جماعت کو دکھائے جانے والے رؤیا

1: حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کا رؤیا

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ایک نیک اور متقی بزرگ تھے اور اباجی کے بھائیوں جیسے تھے اور دونوں ایک دوسرے کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔ جب اباجی کی میت لندن سے پاکستان لائی گئی تو سیدھی ان کے گھر بیت السلام ربوہ میں رکھی گئی۔ ملک کے کونے کونے سے ہمارے بہت سے رشتہ دار تدفین میں شامل ہونے کے لیے ربوہ پہنچے اور ڈاکٹر صاحب محترم نے ہر ایک کے لیے اپنے گھر کے دروازے یہ فرماتے ہوئے کھول دیئے کہ خان صاحب میرے بھائی جیسے ہیں اور مجھے ان کی وفات کا بہت صدمہ ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انہوں نے 14 ستمبر 1989ء کی رات اباجی کو خواب میں دیکھا کہ وہ بہت خوش ہیں اور چہرے پر تبسم کھیل رہا ہے۔ اباجی ایک چھوٹے سے دریا کے کنارے پر چل رہے ہیں جو سطحِ زمین سے کافی اونچائی پر ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ اباجی کا گھر بہت ہی خوب صورت ہے اور سرسبز درختوں میں گھرا ہوا ہے جہاں وہ میرے بیٹے حماد خان کے ساتھ ڈھلوان کو ہموار کرنے میں مصروف ہیں تاکہ اباجی کو نیچے اترنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اباجی انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دونوں خوشی سے بغل گیر ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے یہ بھی بتایا کہ اباجی بہت خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

2- محترم بشیر احمد رفیق صاحب مرحوم کی رؤیا

محترم بشیر احمد رفیق صاحب نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے جہاز میں پائلٹ کے قریب بیٹھے سفر کر رہے ہیں۔ جہاز نے معمول سے کچھ زیادہ اونچی اڑان بھری تو وہ ڈر گئے۔ اسی اثنا میں جہاز ایک بہت ہی خوب صورت سفید مکان کے قریب رک گیا جہاں ان کی ملاقات ان کی خالہ اور میری پھوپھو صالحہ صاحبہ سے ہوئی اور ان کے ساتھ ایک لمبی گفتگو ہوئی۔ محترم بشیر رفیق صاحب بیان کرتے ہیں کہ

انہوں نے اباجی کے متعلق پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ آپ جتنا اُونچا اُڑ کر آئے ہیں اس سے دو گنا مزید اونچائی پر جائیں تو ان سے مل سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ اباجی سے حسن سلوک فرماتے ہوئے اپنی خاص رضا سے نوازے۔ آمین

2019ء میں قادیان میں میری ملاقات محترم ڈاکٹر جاوید پیرزادہ صاحب سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے استفسار کیا کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہوں؟ میں نے بتایا کہ دارالمسیح میں۔ وہ کہنے لگے کہ خان صاحب کی دعاؤں کی بدولت اللہتعالیٰ نے آپ کو یہ عزت اور مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ آپ دارالمسیح میں قیام پذیر ہیں۔ پھر پشتو میں کہنے لگے: کاکا یعنی آپ کے والد گرامی نے آپ کا مستقل انتظام کر دیا ہے۔

میں اباجی کو بہت یاد کرتا ہوں اور ان کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں۔ یقیناً میرے والدین کی دعائیں ہی ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عزت و مرتبہ سے نوازا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

کیونکہ یہ مرتبہ کسی کی ذاتی لیاقت سے حاصل نہیں ہو سکتا محض اللہ کے فضل سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہے۔

حصہ سوم

خان خواص خان صاحب کا ذکر

تحریر: خلیل احمد خان

سوانح مکرم محمد خان خواص خان صاحب

مکرم بزرگوارم والد صاحب محمد خواص خان صاحب (1896ء۔1973ء) مکرم بزرگوارم ملک بلند خان صاحب کے گھر کے چشم و چراغ تھے۔ محترم بزرگوارم بلند خان صاحب ولد ملک پائیو خان صاحب ولد شمشیر خان صاحب موضع غلّہ ڈھیر ضلع مردان میں بود و باش رکھتے تھے۔ دراصل یہ چھوٹا لاہور اور تحصیل و ضلع صوابی کے رہنے والے تھے۔ اپنی کثیر جائداد سیاسی وجوہات کی بنا پر چھوڑ کر اپنے کل خاندان و قبیلہ کے ساتھ مردان کے موضع غلّہ ڈھیر میں آباد ہو گئے۔ حکومت کی طرف سے ان کو مَلکُ یعنی سرداری کا خطاب ملا۔

شادیاں اور اولاد

مکرم بزرگوارم ملک بلند خان صاحب کی دو اہلیہ صاحبہ تھیں۔ پہلی اہلیہ صاحبہ کے بطن سے تین بیٹے محمد فیروز خان صاحب، محمد خواص خان صاحب، محمد اکبر خان صاحب اور چار بیٹیاں تھیں جبکہ دوسری اہلیہ صاحبہ سے ملک محمد عمر خان صاحب، محمد شہباز خان صاحب، محمد نواز خان صاحب، محمد شمروز خان صاحب، محمد وارث خان صاحب اور محمد اشرف خان صاحب تھے اور دو بیٹیاں تھیں۔ مکرم بزرگوارم ملک بلند خان صاحب کی تمام اولاد خوش شکل، سرخ و سفید اور نیلی آنکھیں اور اچھا قد رکھتے تھے۔

تعلیم

مکرم بزرگوارم دادا صاحب کی یہ خواہش تھی کہ ان کے سارے لڑکے تعلیم یافتہ ہوں لیکن صرف بزرگوارم محمد خواص خان صاحب میٹرک کر سکے۔ اعلیٰ ملازمت پائی اور بہت ترقی کی۔ جب بزرگوارم والد صاحب کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو ان کی والدہ صاحبہ فوت ہو گئیں۔ فوت ہوتے وقت انہوں نے اپنی بیٹیوں کو نصیحت کی کہ محمد خواص خان صاحب کو ضرور میٹرک پاس کروانا ہے۔ تعلیم ادھوری نہ چھوڑے۔ مکرم بزرگوارم والد صاحب کو غلّہ ڈھیر سے کھیتوں میں سے پیدل مردان گورنمنٹ ہائی سکول

آنا جانا پڑتا۔ ہر روز تقریباً تین میل جانا اور تین میل واپس آنا۔ علی الصبح گھر سے روانہ ہوتے اور شام مغرب کے وقت گھر واپس پہنچتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے سنایا کہ گرمیوں کے ایام میں واپسی پر ستانے کے لئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ جاتا۔ والدہ صاحبہ کی یاد ستاتی۔ خوب روتا۔ جب والدہ صاحبہ کی وصیت یاد آتی تو آنسو پونچھ کر گھر روانہ ہوتا۔

قبول احمدیت

جب میٹرک کے آخری سال میں ہوئے تو اپنے قربت داروں (میر احمد صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعودؑ) کے ہاں مردان میں رہائش شروع کی تاکہ تعلیم کا وقت ضائع نہ ہو۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ پڑھائی کے لئے وقت ملا۔ وہاں پر مکرم بزرگوارم میر احمد صاحبؓ کے بھتیجے محمد سعید احمد خان صاحب جنہوں نے علی گڑھ سے اس وقت ایم اے۔ ایل ایل بی کیا تھا، کے زیر نگرانی رہے۔ وقتاً فوقتاً وہ بزرگوارم محمد خواص خان صاحب کو تبلیغ کرتے۔ پہلے پہل تو مکرم والد صاحب نے مخالفت کی اور ان کو تبلیغ احمدیت کرنے سے منع کر دیا لیکن بعد ازاں جوں جوں وقت گزرتا گیا مکرم والد صاحب نے کچھ کتب احمدیت پڑھیں جس سے مکرم بزرگوارم والد صاحب کو کچھ سمجھ آنے لگی اور بالآخر 1914ء میں احمدیت قبول کر لی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

محمد سعید احمد خان صاحب کی وفات

بعد ازاں محمد سعید احمد خان صاحب بعارضہ فلو بیمار ہوئے بعد میں ڈبل نمونیہ ہو گیا اور اس عارضہ سے جوانی میں فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ محمد سعید احمد خان صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرتا رہے۔ آمین۔ محمد سعید احمد خان صاحب کے مضامین الحکم اخبار میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ محمد سعید احمد خان صاحب کے علاج کے لئے خان عبد الغفار خان (سرحدی گاندھی) کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ ان کے ذریعہ سے ہمارے ابا جی کو احمدیت قبول کرنے کی سرفرازی نصیب ہوئی۔ الحمدللہ۔ مکرم محمد سعید احمد خان صاحب کی اہلیہ غلام قادر خان صاحب آف مردان کی صاحبزادی تھیں جو جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ انہوں نے آخر تک دوسری شادی نہ کی۔

ملازمت اور مخالفت

بزرگوارم والد صاحب کے میٹرک پاس کرنے پر محکمہ انہار / پی ڈبلیو ڈی میں ملازمت حاصل کرلی۔ احمدیت قبول کرنے پر مکرم بزرگوارم اباجی کے خاندان میں ایک شور برپا ہوگیا کہ محمد خواص خان قادیانی ہوگیا ہے۔ ان کے سب رشتہ داروں نے بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ واپس ہمارے ساتھ مل جاؤ لیکن بزرگوارم والد صاحب نے اُن کے ہر اعتراض کا جواب دیا۔ اس پر ان کے والد صاحب اور چچا صاحب نے کابل سے کوئی بڑا مُلّا بلایا جن کا دعویٰ تھا کہ وہ محمد خواص خان صاحب کو دو باتوں میں ہرا لیں گے اور واپس ان کی طرح مسلمان بنادیں گے۔

کابلی مُلّا کے ساتھ کامیاب مباحثہ

گاؤں بھر اور ملحقہ موضع جات میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ فلاں دن موضع غلہ ڈھیر میں حجرہ ملک بلند خان میں محمد خواص خان صاحب کو قادیانیت سے تائب کریں گے جس کے لئے ایک بڑا مُلّا کابل افغانستان سے آئے گا۔ جب وہ دن آیا تو حجرہ ملک بلند خان صاحب موضع غلّہ ڈھیر دیہاتیوں سے بھرا ہوا تھا۔

مکرم بزرگوارم والد صاحب، محمد خواص خان صاحب، بزرگوارم حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ، میاں محمد یوسف صاحبؓ (مدمباحثہ والے) اور دیگر احمدی احباب بھی تاریخ مقررہ پر غلّہ ڈھیر پہنچ گئے۔ مکرم بزرگوارم محمد خواص خان صاحب نے حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ سے کہا کہ اگر میں اس کابلی مُلّا کا جواب نہ دے سکا تو پھر آپ میری مدد کریں گے۔

کابلی مُلّا نے کچھ سوالات کیے جن کے بزرگوار والد صاحب نے منہ توڑ جواب دیئے۔ اس پر کابلی مُلّا طیش میں آیا اور کہنے لگا کہ کفر محمد خواص خان صاحب کے خون میں رچ گیا ہے ان کو قتل کیا جائے۔ اِس پر بزرگوارم ملک بلند خان صاحب نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ خبردار کوئی محمد خواص خان صاحب کے قریب نہ آئے۔ اگر مقابلہ کرنا ہے تو علم کے میدان میں اس نوجوان کے ساتھ کرو۔ افسوس مُلّا صاحب! آپ کو میں بہت عالم خیال کرتا تھا لیکن آپ نے تو اس نوجوان کی باتوں کا جواب تک نہ دیا اور شرارت پر اُتر آئے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ بہر حال یہ مباحثہ احمدیت کی کامیابی پر اختتام کو پہنچا۔

احمدی مہمانوں کی خاطر تواضع کی گئی۔ وہ اور بزرگوارم والد صاحب مردان واپس چلے آئے لیکن پھر بھی بزرگوارم والد صاحب کے خاندان کے افراد ان کے پیچھے لگے رہے کہ کسی طرح ان کو واپس اپنے ساتھ ملا لیں۔ بزرگوارم والد صاحب کے چچا نے یہ تجویز پیش کی کہ مکرم محمد خواص صاحب کی شادی کر دی جائے۔ اس طرح ان کے خیالات میں تبدیلی آنے کا امکان ہے۔

عربوں کو تبلیغ

ان دنوں میں جنگ عظیم اوّل ہو رہی تھی۔ والد صاحب نے اپنی خدمات جنگ میں پیش کر دیں۔ وہ عراق، بغداد، کرکوک اور Mesopotamia کے علاقوں میں رہے۔ موقع ملتا تو وہاں پر بھی عربوں کو تبلیغ کرتے۔ بغداد میں ایک عرب تاجر کو خطبہ الہامیہ دیا۔ اس پر اس عرب صاحب نے کہا کہ "وَاللهِ مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ" جنگ عظیم اختتام کو پہنچ گئی اور مکرم بزرگوارم محمد خواص خان صاحب ملک واپس لوٹے۔ بعد میں بریگیڈیر ڈاکٹر ضیاء الحسن صاحب بھی بغداد گئے تو اس تاجر سے ملاقات ہوئی۔ اس تاجر نے ان کو کہا کہ وہ مکرم محمد خواص خان صاحب کو جانتے تھے۔

شادی

مکرم بزرگوارم محمد خواص خان صاحب کے گھر جانے پر معلوم ہوا کہ ان کے والد صاحب ملک بلند خان صاحب فوت ہو گئے اور ملک کا خطاب ان کے بڑے بیٹے محمد عمر خان صاحب کو منتقل ہو گیا ہے۔ بزرگوارم محمد خواص خان صاحب کے ان کی والدہ صاحبہ سے جو بڑے بیٹے محمد فیروز خان صاحب تھے، نے بزرگوارم میر احمد صاحبؓ کی بڑی بیٹی مریم بیگم صاحبہ سے شادی کی تھی۔ کچھ عرصہ بعد مکرم بزرگوارم محمد خواص خان صاحب نے بزرگوارم میر احمد صاحبؓ کی دوسری بیٹی مکرمہ خدیجہ بیگم صاحبہ سے غالباً 1920ء میں شادی کر لی۔ اس طرح ایک نیک اور مخلص احمدی گھرانے کے ساتھ تعلق قائم ہو گیا۔

قرآن کریم کی تعلیم و تفسیر

بزرگوارم محمد خواص خان صاحب نے رواں قرآن کریم شادی سے قبل سیکھ لیا تھا۔ باترجمہ مکرم

محمد الطاف خان صاحب موضع ترناب ضلع چارسدہ جو مکرم ہدایت اللہ خان صاحب آف ترنگ زئی مرحوم کے خسر تھے، سے سیکھا اور تفسیر کی خود بھی کوشش کرتے رہے نیز حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ، حضرت میاں محمد یوسفؓ (مباحثہ مُدّ والے) اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے درس قرآن شریف سے وقتاً فوقتاً بہرہ ور ہوتے رہے۔

گھر پر درس کا اہتمام

گھر میں بھی بچوں کو درس قرآن شریف دیتے رہتے۔ رات کو سونے سے قبل کتب حضرت مسیح موعودؑ کا درس بھی دیا کرتے۔ سب بچوں کو دُرِّ ثمین اور کلام محمود کی نظمیں یاد کروائی تھیں۔ بچوں کو باقاعدگی کے ساتھ مسجد لے جایا کرتے اور جیب خرچ سے چندہ ادا کرنے کا کہا کرتے۔

نماز باجماعت کا قیام

باجماعت نماز ادا کرنے کو فوقیت دیتے۔ 1939ء تا 1947ء سول کوارٹرز میں رہائش کے دوران جبکہ ابھی مسجد موجود نہ تھی گھر کے سامنے ہی صفیں بچھا کر باجماعت نماز ادا کرتے۔ جہاں سول کوارٹرز میں موجود احباب حضرت مولانا محمد الیاس خان صاحب، مکرم عبدالسلام خان صاحب، ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب ابھی بچے تھے، شامل ہوئے۔ آفتاب احمد صاحب، نصیر احمد صاحب، مکرم مرزا عبدالحفیظ صاحب، مرزا عبدالرحمٰن صاحب، حکیم مرغوب اللہ صاحب، عبدالقدوس خان صاحب بنگش، محمد صدیق خان صاحب بنگش، مکرم عمر دین صاحب، مکرم وحید الزمان خان صاحب، مکرم عبدالرحمٰن خان صاحب، مکرم محمود احمد خان صاحب خانزادہ، مکرم ارباب محمد عجب خان صاحب، مکرم ارباب میجر عبدالاکبر خان صاحب، مکرم ڈاکٹر سید ضیاء الحسن صاحب، مکرم سید سعید الحسن صاحب (جنہوں نے بعد میں اپنا نام تبدیل کرکے سید سعید احمد رکھ لیا، جن کی بعد میں حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے ہاں شادی ہوئی) اور طالب علموں اور بچوں میں خاکسار اور برادرم بشیر احمد خان صاحب، عزیزی سعید احمد خان صاحب، عزیزم ارباب سردار علی خان صاحب، عزیزان میر سید مسعود الحسن صاحب و سید میر محمد حسن صاحب و دیگر بچے شامل ہوتے۔ اگر حضرت مولانا محمد الیاس خان صاحبؓ موجود نہ ہوتے تو پھر

مکرم حضرت والد صاحب نماز پڑھاتے۔ اگر بارش ہوتی تو پھر ہمارے گھر کا ایک کمرہ نماز کے لئے بزرگوارم اباجی نے مختص کیا ہوا تھا وہاں نماز باجماعت ہوتی۔ نماز مغرب کے بعد درس قرآن کریم ہوتا اور کتب حضرت مسیح موعودؑ بھی سنائی جاتیں۔ اگر حضرت مولانا محمد الیاس خان صاحبؓ اور مکرم اباجی موجود نہ ہوتے تو مکرم ارباب محمد عجب خان صاحب نماز باجماعت پڑھاتے۔

دعوت الی اللہ کا شوق

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت بزرگوارم محمد خواص خان صاحب کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ فرداً فرداً بھی بہت تبلیغ کیا کرتے اور احباب جماعت کے ساتھ مل کر بھی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اکثر ایام تعطیلات میں حضرت قاضی محمد یوسفؓ، مولوی عبد الکریم صاحب، مکرم ارباب محمد عجب خان صاحب کے ہمراہ پشاور کے ارد گرد موضع جات سفید ڈھیری، اچینی پایاں، تہکال بالا، اسلامیہ کالج، شیخ محمدی اور بازید خیل وغیرہ جاتے اور تبلیغ حق بجالاتے جہاں سے بہت پھل حاصل ہوئے۔ فالحمدللہ علی ذٰلک

بزرگوارم والد صاحب نے اپنے اقربا بھائیوں کے ساتھ بہت محنت کی لیکن افسوس ان میں سے کوئی پھل حاصل نہ ہو سکا۔ احمدیوں کے اعلیٰ اخلاق کے سب ہی قائل رہے لیکن خود اس سے محروم رہے۔ خاکسار نے ان سے باقاعدہ رابطہ رکھا ہے اب باقی چچوں کی اولاد ہی ہے جن کو دعوت حق ہو رہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو احمدیت کی نعمت عطا کرے۔ آمین ثم آمین

مسجد سول کوارٹرز کے لئے زمین کا حصول

مسجد احمدیہ سول کوارٹرز کی زمین حاصل کرنے اور پھر اس پر تعمیر کا سہرا بھی بزرگوارم محمد خواص خان صاحب کے سر پر ہے جس کی تفصیل کتاب ”عبد السلام خان صاحب آف پشاور کے خود نوشت حالات زندگی“ صفحہ 42 تا 48 میں موجود ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

”سول کوارٹرز میں ایک کھلی جگہ پر غیر احمدی قناتیں لگا کر نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ بعد میں ان کو خیال آیا کہ قناتوں کی جگہ ایک مستقل مسجد ہونی چاہیے۔ اس کے لئے P.W.D کی اجازت ضروری تھی کیونکہ سول کوارٹرز گورنمنٹ پراپرٹی تھی جو P.W.D کی تحویل میں تھی۔ سول کوارٹرز کے

ہندوؤں کو جب علم ہوا کہ مسلمان مسجد کے لئے P.W.D کی زمین کے لئے درخواست دے رہے ہیں تو انہوں نے درخواست دے دی کہ ہم ہندو آبادی کو کوئی قطعہ دھرم سالہ بنانے کے لئے دیا جائے۔ جب یہ دونوں درخواستیں منسٹر کے پاس پہنچیں جو مسٹر اجیت سنگھ ایک سکھ تھے انہوں نے ریمارک دیا کہ سکھ ایک علیحدہ مذہب ہے سکھوں کو بھی زمین برائے گوردوارہ مہیا کی جائے۔ یہ مثل جب واپس چیف انجینئر P.W.D کے پاس آئی تو ان دنوں دفتر چیف انجینئر میں خان محمد خواص خان صاحب بطور اسسٹنٹ سیکرٹری کے کام کرتے تھے انہوں نے فائل پر لکھ دیا کہ احمدی ایک علیحدہ فرقہ ہے ان کی علیحدہ مساجد ہیں غیر احمدی ان کو اپنی مسجدوں میں نمازیں نہیں پڑھنے دیتے اس لئے احمدیوں کے لئے علیحدہ زمین کی گنجائش کی جائے البتہ احمدیوں کی طرف سے یہ گزارش ہے کہ ہم کو مفت زمین نہ دی جائے بلکہ قیمتاً دی جائے۔ چیف انجینئر مسٹر ہنس ورتھ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا۔ احمدیوں کو کہا کہ وہ اپنے لئے موزوں زمین پسند کرلیں۔ سول کوارٹرز کے جنوبی جانب ایک ڈھیری تھی چونکہ اس کا رقبہ زیادہ تھا اس لئے احمدیوں نے لکھا کہ ہمیں یہ ڈھیری فراہم کی جائے۔ اس قطعہ کا رقبہ ڈیڑھ کنال ہے۔ محکمہ P.W.D نے ایک اشتہار حسب قواعد شائع کیا کہ یہ زمین احمدیوں کو مسجد بنانے کے لئے سرکار دینا چاہتی ہے جس کسی کو اعتراض ہو وہ اپنا اعتراض پیش کرے۔ اس پر غیر احمدیوں نے اعتراض کیا کہ اس ڈھیری سے ملحق مسلمانوں کا قبرستان ہے احمدی اذان دیں گے جس سے ہمارے مردوں کو تکلیف ہوگی اس لئے یہ مسجد یہاں پر بننے نہ دی جائے۔ حکومت نے یہ مسئلہ ایڈووکیٹ جنرل کو رائے کے لئے بھیجا۔ ایڈووکیٹ جنرل ملک خدابخش صاحب تھے انہوں نے ریمارک دیا کہ قبرستان میں مردے کچھ نہیں سن سکتے۔ دوسرا یہ کہ احمدیوں کی اذان کو خود ایک احمدی کو بلا کر اس سے سنا ہے ان کی اذان اور مسلمانوں کی اذان میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ خدا ذوالجلال کی وحدانیت کی آواز ہے۔ یہ اعتراض فضول ہے۔ اس عرصہ میں محکمہ P.W.D نے دوسرا نوٹیفکیشن جاری کر کے یہ زمین احمدیوں کے حوالہ کر دی۔ ایک عرصہ تک یہ زمین ایسے ہی پڑی رہی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس ڈھیری پر کیسے عمارت تعمیر کی جائے۔ پاکستان بننے کے بعد مرزا عبدالمجید صاحب D.S.P ریٹائر ہوئے وہ دراصل اوورسیئر پاس تھے مگر

P.W.D میں رشوت کی وجہ سے وہ ملازمت چھوڑ کر پولیس میں بطور کلرک ملازم ہوئے اور بعد میں ریگولر پولیس میں آکر بطور ڈی ایس پی ریٹائرڈ ہوئے۔ تمام عمر مرزا صاحب موصوف تھانوں کی بجائے دفتروں میں کام کرتے رہے۔ وہ آئی جی کے دفتر میں ڈی ایس پی تھے اور ان کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔

تعمیر مسجد سول کوارٹرز

”مرزا عبدالمجید صاحب (ریٹائرڈ ڈی۔ایس۔پی) جب ریٹائرڈ ہوئے تو ہم نے ان سے درخواست کی کہ اس ڈھیری پر ہمیں ایک مسجد بنادیں۔ پاکستان بننے کے بعد سکھ اور ہندو چلے گئے تھے۔ سکھوں کا گوردوارہ خالی پڑا تھا۔ ہم میں سے بعض احمدیوں کا یہ خیال ہوا کہ کیوں نہ اس گوردوارہ پر قبضہ کیا جائے مگر میرے والد صاحب حضرت مولوی محمد الیاس صاحب مرحوم نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور فرمایا: ہماری اپنی مسجد ہونی چاہیے۔ مرزا صاحب فرمانے لگے مسجد تو میں بنادوں مگر پہلے میرے ہاتھ میں 500روپیہ رکھیں۔ مکرم بریگیڈیئر ضیاء الحسن صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیں گے۔ ان دنوں ضیاء الحسن صاحب فوج میں میجر تھے۔ ان سے جب مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے دو ہزار روپیہ دیا اور کہا کہ باقی بندوبست میں کردوں گا۔ جب مرزا صاحب نے بلڈوزر منگوا کر زمین ہموار کرنے کی بات کی تو غیر احمدیوں نے بڑا شور کیا کہ ہم احمدیوں کی مسجد نہیں بننے دیں گے اور ساتھ ہی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ احمدی غیر مسلم ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہمارے مردوں کو تکلیف ہوگی۔ مجسٹریٹ قلندر خان صاحب تھے۔ جب شورش نے زور پکڑا تو چیف سیکرٹری مسٹر احمد نے چیف انجینئر کو ایک خط لکھا جس میں لکھا کہ رپورٹ ملی ہے کہ احمدی سرکار کالونی میں مسجد بنا رہے ہیں جس سے بہت بڑا فتنہ اٹھنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا مسجد کی تعمیر کو حکماً روک دیا جائے۔ مسجد کی تعمیر کے لئے پیش ازیں پی۔ڈبلیو۔ڈی سے نقشہ منظور کرالیا تھا۔ اس خط کے ملنے پر مسٹر ہنس ورتھ چیف انجینئر نے خان خواص خان صاحب سے دریافت کیا کہ مسجد کی کیا پوزیشن ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابھی تعمیر کی ابتدا ہے۔ چیف انجینئر نے کہا مسجد کو جلد تعمیر کرلو۔ اس پر احمدیوں نے فوری طور پر چندہ جمع کر کے کوئی تیس ہزار کے قریب رقم جمع کی اور مکرم مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر محترم قاضی محمد یوسف صاحب

نے دوسری اینٹ رکھی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ علاقہ کا تھانیدار خان خواص خان صاحب کا دوست تھا۔ انہوں نے تھوڑی سی نفری بھیج دی جو کہ پہرہ دیتے تھے تاکہ کوئی شرارت نہ کرے۔ مسٹر قلندر خان ہر پیشی پر ہمارے وکیل مرزا غلام حیدر خان صاحب سے علیحدہ پوچھتے کہ مسجد کی تعمیر میں کتنی دیر ہے اور پیشی دے جاتے۔ مسجد کا ایک کمرہ ایک ماہ میں بفضل اللہ تعالیٰ مکمل ہوا۔ خدام و دیگر احباب نے بطور وقارِ عمل اس میں خوب کام کیا۔ خاکسار مرزا عبد المجید صاحب کے ساتھ بطور معاون کام کرتا رہا۔

چیف انجینئر کی حکمت علمی

مسجد کی تکمیل پر خواص خان صاحب نے چیف انجینئر کو اطلاع دی کہ مسجد مکمل ہوگئی ہے۔ اب چیف انجینئر نے چیف سیکرٹری کو اس کے خط کا جواب دیا کہ:

مسجد مکمل ہو چکی ہے اس کی تعمیر کے بند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ زمین گورنمنٹ نے احمدیوں کو خرید کر دی ہے اور احمدیوں نے پی۔ ڈبلیو۔ ڈی سے باقاعدہ اس کا نقشہ منظور کرایا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ خط آپ نے غلط دفتر کو لکھا ہے۔ تعمیر کو روکنا یا تعمیر شدہ کو مسمار کرنا پولیس کا کام ہے اس لئے اگر مسجد کو مسمار کرنا ہے تو بذریعہ پولیس کریں۔

قلندر خان کی حکمت عملی اور مقدمہ خارج

ادھر قلندر خان کو بتلایا گیا کہ مسجد مکمل ہوگئی ہے انہوں نے مقدمہ میں ایک تاریخ دی اور چونکہ حسن اتفاق سے مخالف فریق حاضر نہیں ہوئے اس لیے مقدمہ خارج کر دیا گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک عظیم الشان مسجد ایک اونچی پہاڑی پر دی۔

مزید حالات

عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب نے جب میٹرک پاس کیا تو انہوں نے ایف ایس سی میں انجینئرنگ مضامین لئے خاکسار نے برادرم مکرم عبد السلام صاحب سے کہا کہ مجھے تو میڈیکل لائن پسند ہے

اس پر انہوں نے میری خواہش کے احترام میں ان کو میڈیکل لائن میں داخلہ دلوایا اگرچہ اس تبدیلی سے کچھ مالی قربانی بھی کرنی پڑی۔ سو الحمدللہ ثم الحمدللہ عزیزم حامد اللہ خان صاحب ایک کامیاب ڈاکٹر ہیں اور انگلستان میں رہائش رکھتے ہیں۔

جب عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کی شادی حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے ہاں ہوئی تو بزرگوارم والد صاحب حضرت محمد خواص خان صاحب کو خاکسار نے اکثر بار بار مکرم برادرم خان عبد السلام خان سے کہتے ہوئے سنا کہ

تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

یہ تواتر کے ساتھ خاکسار نے بزرگوارم والد صاحب سے یہ فرماتے سنا۔ جب میں ان سے وجہ دریافت کرتا تو کچھ نہ بتاتے اور خاموش ہو جاتے۔ بعد ازاں خاکسار نے بھی دریافت کرنا چھوڑ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوارم والد صاحب کو کچھ رؤیا میں بتادیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ورنہ ان کی زندگی میں تو حتیٰ کہ ستمبر 1973ء تک تو برادرم مظفر احمد خان صاحب کا رشتہ حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد کی صاحبزادی مکرمہ امۃ الودود صاحبہ سے طے نہ ہوا تھا۔ شادی بھی ان کی وفات کے بعد ہوئی۔ خدا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے بزرگ والدین کو اس جہاں میں بھی یہ خوشیوں کی خبریں دے۔

عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کی شادی حضرت مصلح موعودؓ کی پوتی امۃ الحی صاحبہ کے ساتھ ہوئی اور عزیزم مکرم حبیب اللہ خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نواسی عزیزہ ماہم صاحبہ کے ساتھ ہوئی (پسر ان ہمشیر عائشہ بی بی صاحبہ و برادرم مکرم عبد السلام خان)، عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کی شادی میری والدہ صاحبہ کی وفات 1965ء کے بعد ہوئی تھی اور برادرم مظفر احمد خان صاحب کی شادی حضرت مرزا ظفر احمد ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ خلف حضرت مسیح موعودؑ کے ہاں ہوئی اور برادرم عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے بیٹے عزیزی کریم اسد احمد خان صاحب کی شادی صاحبزادی مونا رحمٰن صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ہوئی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

تربیت اولاد

مکرم بزرگوارم محمد خواص خان صاحب تربیت اولاد پر بہت زور دیتے۔ نمازوں میں باقاعدگی پر

بہت نصائح کرتے۔ جماعت احمدیہ کے اجتماعات میں اپنے ساتھ رکھتے۔ جلسہ سالانہ قادیان و ربوہ پر ضرور لے جاتے۔

ساری اولاد کے ساتھ بہت عزت سے پیش آتے

بزرگوارم والد صاحب حضرت محمد خواص خان صاحب اور بزرگوارم والدہ مکرمہ خدیجہ بیگم صاحبہ دونوں بفضلہٖ تعالیٰ نیک، مخلص اور باعمل احمدی تھے۔ دونوں میاں بیوی وصیت کے نظام سے منسلک تھے۔ رؤیا و کشوف سے وافر حصہ پایا۔ دونوں بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ بزرگوارم والد صاحب محمد خواص خان صاحب کی دو اہلیہ تھیں۔ خاکسار کی والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ پہلی بیوی تھیں ان کے بطن سے چار بیٹیاں اور چار بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بچپن میں فوت ہوئے جبکہ ان کی وفات تک تین بیٹیاں اور تین بیٹے زندہ تھے۔ خواہرم بی بی عائشہ صاحبہ زوجہ مکرم خان صاحب عبدالسلام خان صاحب، خواہرم بی بی فاطمہ صاحبہ زوجہ مکرمہ خان عبدالقدوس خان صاحب۔ دونوں مکرم برادرم عبدالسلام خان صاحب و مکرم عبدالقدوس خان صاحب جو حضرت مولانا محمد الیاس خان صاحب کے صاحبزادے تھے جن کا تفصیلی ذکر حیات الیاس میں موجود ہے، کے ساتھ شادیاں ہوئیں۔ ہماری تیسری بہن سعیدہ بیگم صاحبہ زوجہ برادرم مکرم رشید احمد خان صاحب سوری پسر بزرگوارم محمد اقبال احمد خان صاحب سوری اسم بامسمیٰ ہیں۔ بہت خدمت خلق کرتی ہیں بلکہ خدمت خلق میں خوشی محسوس کرتی ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ ان کو اور ان کے میاں مکرم رشید احمد خان صاحب جو میرے قادیان کے وقتوں کے کالج کے دوستوں میں سے ہیں، کو عمر و صحت سے نوازے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین ثم آمین

میری پیاری بہنیں

میری پیاری بڑی ہمشیر بی بی عائشہ بیگم صاحبہ جو عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات سے دوسرے ہی ماہ فوت ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور اپنا قرب عطا کرے۔ بہت پیار کا سلوک ہم بھائیوں سے کرتیں۔ مکرمہ بی بی فاطمہ بیگم صاحبہ بھی بہت پیار سے پیش آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ

ان کو لمبی عمر، اچھی صحت کے ساتھ عطا کرے۔ آمین ثم آمین

والد صاحب کی نرینہ اولاد

لڑکوں میں سے راقم الحروف خاکسار نے سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی ہے۔ خاکسار کی اہلیہ صاحبہ رضیہ بیگم صاحبہ بنت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ ہیں۔ عزیزم برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب ایم بی بی ایس اور ٹی بی و چائلڈ اسپیشلسٹ۔ ان کی شادی زبیدہ ناہید صاحبہ بنت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ سے ہوئی۔ ہمارے تیسرے بہت ہی پیارے بھائی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے سکن سپیشیلائزیشن (skin Sepecialist) انگلستان سے کی اور یارک شائر کنسلٹنٹ (Consultant) بنے۔ تینوں بھائیوں نے حضرت بزرگوار والدین صاحبان کی زندگیوں میں یہ اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

ڈاکٹر سعید احمد خان کی انگریز دلہن

عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے 1965ء کے آخر میں ایک انگریز خاتون سے شادی کی جس کو عزیزم نے احمدی مسلمان بنانے کے بعد شادی کی جو نیک، مخلص اور احمدیت کی خادم ہیں۔ اس خاتون ’’سلمیٰ مبارکہ‘‘ کا نام مبارکہ بزرگوارم والد صاحب نے تجویز کیا اور سلمیٰ کا نام خاکسار کی اہلیہ رضیہ خلیل صاحبہ نے تجویز کیا جو عزیزم برادرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور عزیزہ موصوفہ اہلیہ عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے منظور کیا۔ اس شادی کی منظوری بزرگوارم والدین صاحبان نے دے رکھی تھی۔

والد صاحب کی دوسری اہلیہ اور اولاد

دوسری اہلیہ صاحبہ بزرگوارم والد صاحب کا نام مہر سعیدہ ہے اور والدہ مظفر احمد خان سے موسومہ ہیں۔ ان کے بطن سے (زندہ اولاد) اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور تین لڑکیاں عطا کیں۔

لڑکیوں میں سے مکرمہ حمیدہ بیگم صاحبہ زوجہ شیخ بشیر الدین صاحب پسر شیخ مظفر دین صاحب۔

دوسری مکرمہ محمودہ بیگم صاحبہ زوجہ شیخ نور الدین صاحب پسر شیخ مظفر دین صاحب ہے۔

تیسری بیٹی مکرمہ مجیدہ بیگم صاحبہ زوجہ میجر قاضی بشیر احمد ابن حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ تھے۔ ستمبر 1965ء میں ہندوپاکستان کی جنگ میں چھمب جوڑیاں سیکٹر میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔

برادرم مظفر احمد خان صاحب نے بھی سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی اور بزرگوارم اباجی کی وفات کے بعد حضرت صاحب صاحبزادہ میاں ظفر احمد صاحب کی صاحبزادی سے شادی کی۔

عزیزم برادرم رضا احمد خان صاحب تجارت کی طرف رجحان رکھتے ہیں اور اپنی بوڑھی والدہ صاحبہ کی خدمت میں پشاور میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

وفات

بزرگوارم والد صاحب کی وفات 30۔ ستمبر 1973ء کو ماہ رمضان میں ہوئی۔ اپنوں اور غیروں نے بہت تعزیت کی۔ مکرم محترم مرزا مقصود احمد صاحب ریٹائرڈ انجینئر (S.E) نے کہا کہ خان صاحب نے بہت غریبوں کے ساتھ مدد کی، حاجت مندوں کو روزگار دلایا۔ بہت فیض رساں شخصیت تھے۔ میاں محمد رفیق صاحب پسر میاں بہادر صاحب آف چمکنی حال پشاور شہر نے اپنی وفات سے صرف چند دن قبل خاکسار کو لکھا کہ ”خان صاحب بہت متوکّل انسان تھے، دعا گو تھے، مستجاب الدعوات تھے، اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے، ہر مشکل میں ہر ایک کو صائب مشورہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا رہے اور غریق رحمت کرے اور اولاد کو ان کے نیک نمونہ پر چلائے۔ آمین ثم آمین“

خاکسار کے چچا محمد وارث

تمام چچوں کے ساتھ خاکسار کے تعلقات بالعموم اچھے ہی تھے لیکن چچا محمد وارث خان صاحب کے ساتھ بالخصوص اچھے تھے۔ ان کے نام خطبہ جمعہ نمبر جاری کروایا تھا اور وہ بھی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ہمارے بہنوئی بھائی عبدالقدوس خان صاحب بھی بہت اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اکثر تعطیلات میں چچا صاحب سے روابط رکھتے لیکن 1974ء کے بعد انہوں نے ہمارے ساتھ ملنے جلنے میں کمی کردی۔ شاید مخالفین کے خوف کی وجہ تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1995ء میں چچا محمد وارث خان صاحب نے خاکسار کو ایک مرتبہ کہا کہ میں بیمار رہتا ہوں اور ایسا لگتا ہے کہ میرے دن پورے ہو رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ بتاؤ لالہ مرحوم کو وہاں جاکر کیا کہوں؟ خاکسار نے کہا کہ مکرم بزرگوارم اباجی کو پیغام دیں۔ بہت بہت سلام کے بعد کہیں کہ ہم آپ کے درجات کی بلندی کے لئے بہت دعائیں کر رہے ہیں۔ نیز یہ کہیں کہ ہم آپ کے بے حد ممنون ہیں کہ آپ نے ہمارے لئے احمدیت بطور وراثت چھوڑی ہے اور ان کے لئے بھی بہت دعائیں کر رہے ہیں جن کے ذریعہ سے آپ (بزرگوارم والد صاحب) کو احمدیت کا انعام ملا۔ مزید خاکسار نے چچا صاحب کو کہا کہ بقول آپ کے اب آپ جانے والے ہیں اب بھی وقت ہے اپنی عاقبت سنوار لیں اور احمدیت قبول کر لیں۔ جواباً انہوں نے میری درخواست کو رد کر دیا۔ مکرم چچا محمد وارث خان صاحب کا تعلق عوامی نیشنل پارٹی کے ساتھ تھا طبیعت بہت غصیلی اور ضدی تھی۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی کے متعلق بزبان پشتو آخری عمر میں ایک کتاب بھی لکھی جس میں مختصراً مکرم بزرگوارم اباجی اور ان کے بیٹوں کے متعلق بھی تحریر کیا ہے کہ ان سے ناراضگی کی وجہ احمدیت تھی اور ان کے لڑکوں کی طرف سے بحث مباحثہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تربیت اولاد اور دعائیں

بزرگوارم والد صاحب اپنی تمام اولاد کی تربیت کا بہت خیال رکھتے۔ اولاد کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے اور ہمیشہ باعمل احمدی ہونے پر زور دیتے۔ ہم سب بھائی بہنوں کے احمدیت سے وابستگی پر اظہار خوشنودی کرتے۔

میری پیاری والدہ

مکرمہ بزرگوارم والدہ خدیجہ بیگم صاحبہ پیدائشی احمدی تھیں اور غالباً 1906ء میں بمقام ہوتی مردان پیدا ہوئیں۔ چار سال کی عمر میں ان کی والدہ صاحبہ لڑکے کی پیدائش کے دوران زچگی فوت ہوئیں بعد ازاں بچہ بھی وفات پا گیا۔ بزرگوارم نانا جان میر احمد صاحبؓ نے بہت لاڈ اور پیار کے ساتھ پالا پوسا اور بہت اچھی تربیت کی کوشش کرتے رہے۔ جلسہ سالانہ قادیان اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بعمر پانچ، چھ سال قادیان جلسہ پر گئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے مکرمہ بزرگوارم خدیجہ بیگم

صاحبہ کو بہت پیار کیا اور سیب کھانے کو دیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

جب بزرگوارم والدہ صاحبہ آٹھ سال کی ہوئیں تو ہمارے نانا میر احمد صاحبؓ مرض نمونیہ فوت ہوگئے تو والدہ صاحبہ کے چچا میر اکبر صاحبؓ نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا جن کی اہلیہ مکرمہ قابلہ صاحبہ جن کو سبھی کاکی کہتے (کاکی پشتو میں چچی کو کہتے ہیں) کے زیر تربیت رہیں۔ مکرمہ والدہ صاحبہ بچپن ہی سے نیکی کی طرف مائل رہیں۔ پنجگانہ نماز بروقت ادا کرتیں۔ قرآن کریم بھی رواں پڑھ لیتی تھیں۔ تحت اللّفظ اُردو ترجمہ پڑھ سکتی تھیں۔ کتبِ سلسلہ عموماً ان کے زیر مطالعہ رہتیں۔ سکول کی کوئی تعلیم نہ تھی۔ مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ جن کو سب بڑے چھوٹے بھابھی یا بابی کہا کرتے بہت دعاگو تھیں۔ خود بھی دعائیں کرتیں اور بزرگوں سے بھی دیوانہ وار دعائیں کرواتیں۔ جب بزرگوارم والد صاحب نے دوسری شادی کا قصد کیا تو رؤیا میں بزرگوارم والدہ صاحبہ کو بہت اچھی حالت میں دیکھا۔ بزرگوارم والدہ صاحبہ کو بھی رؤیا میں تسلسل کے ساتھ تین مرتبہ کسی بزرگ نے کہا کہ تیس دن نفلی روزے رکھے اور یہ کہ یہ روزے اس کے اور اس کی اولاد کے لئے بہتر ہیں۔ مکرمہ والدہ صاحبہ نے وہ تیس نفلی روزے رکھے۔ اگر مکرم بزرگوارم والد صاحب بدوران ملازمت مردان سے باہر کسی دوسرے شہر میں ہوتے تو مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ بچوں کی تربیت کا بہت خیال رکھتیں۔ نمازوں کی پابندی کرواتیں۔ تلاوت قرآن شریف باقاعدہ کرواتیں۔

نگرانی کا انداز

والدہ صاحبہ ہمیں بچپن میں ہوتی (مردان) میں قیام کے دوران برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب اور خاکسار کو مسجد احمدیہ بکٹ گنج میں باقاعدہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے بھجواتیں۔ ہم دونوں بھائی ایک راستہ سے جاتے تو مکرمہ والدہ صاحبہ بہنوں کو لے کر دوسرے راستہ سے مسجد کے خواتین والے حصہ میں جاتیں۔ مسجد سے واپسی پر دریافت کرتیں کہ آج خطبہ کس نے دیا تھا اور کیا باتیں خطبہ میں بیان ہوئی تھیں؟ ہمیں معلوم نہ تھا کہ والدہ صاحبہ دوسرے راستہ سے مسجد جاکر واپس گھر آتی ہیں۔ یہ اس طرح معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ گرمیوں میں خاکسار اور برادرم بشیر احمد خان صاحب نے نماز جمعہ ادا کرنے کے

لئے مسجد شمسی روڈ کے راستے مسجد جانے کا قصد کیا۔ راستہ میں ایک نہر پڑتی تھی اس میں ہم دونوں نہانے لگ گئے اور مسجد جانے میں دیر ہو گئی اور نماز ختم ہو چکی تھی وہیں سے گھر واپس چل پڑے۔ حسب سابق والدہ صاحبہ نے سوالات دریافت کرنے شروع کر دیئے۔ میں نے اپنی طرف سے باتیں بنائیں۔ ان کو فوراً ہی پتہ چل گیا کہ میں دروغ گوئی سے کام لے رہا ہوں۔ چونکہ میں عمر میں بڑا تھا اس لئے میری خوب پٹائی ہوئی۔ بعد ازاں خاکسار نے وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی دروغ گوئی اور نمازوں میں غفلت نہیں کروں گا۔

والدہ محترمہ کے اوصافِ حمیدہ

مکرمہ والدہ صاحبہ صدقات بہت دیا کرتیں، کثرت سے نوافل ادا کرتیں، غریبوں اور یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتیں۔ اپنے آرام کی اشیا دوسروں کو دے کر کہتیں کہ یہ حاجت مند ہیں ان کو زیادہ ضرورت ہے۔

ناناجان محترم

ہمارے ناناجان حضرت میر احمد صاحبؓ اور ان کے بھائی حضرت میر اکبر صاحبؓ ولد محمد شریف اللہ خان صاحب ساکن ہوتی کے آباواجداد بھی چھوٹے لاہور ضلع صوابی سے نقل مکانی کر کے ہوتی (مردان) میں آکر رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ بزرگوارم والد صاحب کے آبا سے تعلق رشتہ داری رکھتے تھے۔

حضرت ناناجان کا قبول احمدیت

حضرت میر احمد صاحبؓ اور ان کے بھائی حضرت میر اکبر صاحبؓ غالباً 1900ء میں احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔ جب حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے 1902ء میں دستی بیعت کی تو جیسا کہ ان کی کتاب ظہوراحمد موعود میں مذکور ہے کہ ان دنوں مہمان خانہ قادیان میں صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ فروکش تھے جبکہ دوسرے کمرہ میں پہلے ہی سے حضرت میر احمد صاحبؓ رہائش رکھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ جناب بزرگوارم حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ بھی جا ٹھہرے۔ جب ہماری والدہ صاحبہ کی چچی صاحبہ احمدیت کا ذکر کرتیں تو ایسا لگتا کہ یہ بہت ابتدائی زمانہ کے احمدی تھے۔ اسی طرح

ہمارے نانا جان کی والدہ صاحبہ جن کو سب بڑے چھوٹے بابے کہتے تھے بہت پیار اور عقیدت سے ابتدائی دنوں کی باتیں کرتیں لیکن افسوس ان کی کوئی تحریری تاریخ موجود نہیں۔

نانا جان کی نرینہ اولاد

حضرت میر احمد صاحبؓ کی اولاد نرینہ زندہ نہیں تھی اس لئے ان کی ساری جائداد پر حضرت میر اکبر صاحبؓ کے بیٹے نے قبضہ کرلیا۔ کچھ محدود جائداد لڑکیوں کو ملی۔ ساتھ ہی والدہ صاحبہ کے چچازاد بھائی نے احمدیت میں بھی کمزوری دکھائی اور احمدیت کی نعمت سے محروم ہو گئے۔

والدہ محترمہ کا زیرک پن

بزرگوارم والدہ صاحبہ نے اپنے خرچہ سے مردان کے حضرت میاں محمد یوسف صاحبؓ (مباحثہ مُدّ والے) کو عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے ہمراہ حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعودؓ کی ملاقات کے لئے ربوہ بھجوایا جنہوں نے ہم سب کے لئے بالخصوص عزیزم حامد اللہ خان صاحب کے لئے بہت دعائیں کیں اور آخری وقت تک کرتے رہے اور مکرمہ والدہ صاحبہ کی عاقبت بخیر ہونے کی بھی دعائیں کیں۔ بزرگوارم والدہ صاحبہ نے حضرت مصلح موعودؓ سے عمامہ کا کپڑا تبرکاً حاصل کیا تھا جسے انہوں نے کچھ حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک گز میری اہلیہ رضیہ خلیل بیگم صاحبہ کو دیا اور ایک گز مکرمہ زبیدہ ناہید صاحبہ زوجہ ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب کو دیا جبکہ بقایا کپڑے کے متعلق وصیت کی کہ اسے ان کی وفات پر دوپٹہ کے طور پر اوڑھا دیا جائے جس پر لواحقین نے عمل کیا۔

لندن کی مسجد کی تعمیر میں والدہ محترمہ کا حصہ

مسجد لندن کی تعمیر کے وقت مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ نے اپنے تمام زیورات چندہ میں ادا کر دیئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاں رہائش

مکرمہ والدہ صاحبہ مجھ سے اکثر بیان کیا کرتی تھیں کہ جب تم ایک سال کے تھے تو قادیان جلسہ پر

تمہارے والد صاحب کے ساتھ گئی۔ رہائش حضرت مصلح موعودؓ کے ہاں نچلی منزل پر تھی۔ تمہیں نہلانے لگی تو حمام میں پانی ٹھنڈا تھا۔ تمہارے رونے کی آواز سن کر اوپر کی منزل پر تشریف لا کر حضرت مصلح موعودؓ نے بنفس نفیس آواز دی اور اشارہ کیا کہ فلاں حمام میں گرم پانی موجود ہے وہاں سے لے لو اس طرح صلہ رحمی کا مظاہرہ فرمایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک

اولاد در اولاد کی تربیت

ہمارے بھانجے بھانجیوں کی تربیت میں بھی محترمہ والدہ صاحبہ کا حصہ رہا۔ ہماری پیاری بڑی بہن عائشہ بی بی صاحبہ زوجہ عبدالسلام خان صاحب اور والدہ ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب تو پہلے ہی پشاور میں بزرگوارم والدہ صاحبہ کے قریب ہی رہیں۔ ان کی بیٹیاں عزیزان نصیرہ اور میمونہ تو وقتاً فوقتاً چھ سات سال کی عمروں تک ساتھ رہتی رہیں۔ عزیزہ میمونہ تو والدہ صاحبہ کی وفات کے وقت بھی موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ نیز ہمارے پیاری بہن فاطمہ بیگم صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ زوجہ مکرم عبدالقدوس خان صاحب گوادر میں رہائش پذیر تھے۔ مکرم عبدالقدوس خان صاحب اس وقت گوادر میں ملازم تھے جبکہ گوادر ابھی سلطان مسقط کے زیرِ نگیں تھا۔ چونکہ وہاں بچوں کی تعلیم کی سہولت نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے بچے نانی صاحبہ کے ساتھ پشاور بھیجے جن میں سے عزیزان کرنل عبدالودود خان صاحب، عبدالحمید خان صاحب ایگزیکٹو ڈائریکٹر سیف گروپ پاکستان اور ڈاکٹر عبدالوحید خان صاحب حال امریکہ داماد بشیر احمد خان صاحب رفیق اکثر ساتھ رہے۔ ان کی بہترین تربیت کی کوشش کی گئی۔ یہ سب باعمل مخلص احمدی ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

حضرت والدہ صاحبہ کی وفات

بزرگوارم والدہ صاحبہ جنوری 1965ء میں بیمار ہوئیں۔ انہوں نے ایک دو ماہ لنڈی کوتل میں عزیزم برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب ایجنسی سول سرجن کے ہاں قیام رکھا۔ عزیزہ زبیدہ ناہید صاحبہ زوجہ بشیر احمد خان صاحب نے کماحقہ بہت خدمت کی لیکن چونکہ وہاں سردی زیادہ تھی اس لئے خاکسار ان کو ڈیرہ اسماعیل خان جہاں خاکسار تعینات تھا اور سردی بھی نسبتاً کم اور موسم خوشگوار تھا، لے آیا۔

مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ نے مجھے انہی دنوں اپنی ایک رؤیا کا ذکر کیا کہ "ان کی گاڑی پہاڑی پر سے گر رہی تھی کہ تم (خاکسار) نے اس کو رسیوں کے سہارے گرنے سے بچایا" ڈیرہ اسماعیل خان میں ان کی صحت بہت اچھی ہوگئی۔ روزانہ صبح دریا کے کنارے رضیہ کے ساتھ سیر کو نکلتیں۔ میری اہلیہ رضیہ صاحبہ نے والدہ صاحبہ کی بہت خدمت کی۔ روزانہ جسم کی مالش اور دبانا اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ چونکہ ڈیرہ اسماعیل خان کا موسم وسط اپریل سے گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے اس لئے مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ نے اصرار شروع کر دیا کہ ان کو پشاور بزگوارم والد صاحب کے پاس پہنچا دوں۔ لہٰذا مکرمہ والدہ صاحبہ کی خواہش پر ان کو پشاور پہنچا دیا۔ مکرمہ بزگوارم والدہ صاحب نے مئی 1965ء میں سب عزیز و اقربا کا پشاور، رشکئی اور مردان کا دورہ کیا۔ آخر جون 1965ء میں ان کی طبیعت کمزور ہونے لگی۔ اچانک 28 جون 1965ء کی صبح کو ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ عزیزہ میمونہ دختر بزرگوارم عبدالسلام خان صاحب والدہ صاحبہ کے پاس تھیں۔ فوری طور پر دوسرے کمرہ سے بزرگوارم والد صاحب کو بلایا۔ مکرمہ والدہ صاحبہ نے بزرگوارم اباجی سے کہا کہ کاغذ پنسل لے آئیں اور میری وصیت لکھ لیں۔ بزگوارم اباجی کچھ ناراض اور پریشان ہوگئے اور کہا کہ بالکل صحت مند ہو فکر نہ کرو لیکن مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ نے کہا کہ میرا وقت جانے کا قریب لگتا ہے اور کچھ بھی ہو سکتا ہے آپ لکھیں جو میں کہتی ہوں۔

لوگوں کی امانتیں میں نے واپس کر دی ہیں،

مجھ پر کوئی چندہ بقایا نہیں،

کسی کا مجھ پر کوئی قرضہ نہیں،

میں کسی سے ناراض نہیں۔ اگر کوئی مجھ سے ناراض ہو تو مجھے معاف کر دے،

فلاں فلاں پر اتنا اتنا قرضہ ہے میرے وُرثا چاہیں تو لے لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں،

زیورات پر میں نے چندہ ادا کر دیا ہے، زیورات میرے وُرثا کو دے دیئے جائیں،

گھر کا سارا سامان جوں کا توں پڑا ہے جب آپ کے بیٹے بیٹیاں آپ کو ملنے آئیں تو میرے کمروں میں رہائش رکھ سکتی ہیں۔

عزیزی سعید احمد خان صاحب جہاں چاہیں شادی کر لیں۔

مکرمہ والدہ صاحبہ نے عصر کی نماز ادا کی اس کے بعد ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور لیٹ گئیں۔ وہ دل کا حملہ تھا۔ قبل از نماز مغرب 28۔ جون 1965ء کو ان کو مولا کریم نے اپنے پاس بلا لیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مکرمہ والدہ صاحبہ یہی دعائیں کرتیں کہ اللہ تعالیٰ محتاجی کی زندگی سے بچائے جس طرح حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کی وفات اچانک ہوئی تھی اسی طرح کی وفات کی تمنا میں دعائیں کرتیں جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیں۔

حضرت والدہ صاحبہ کی ایک رؤیا

محترمہ والدہ صاحبہ کی وفات پر بزرگوارم والد صاحب نے مجھ سے مکرمہ والدہ صاحبہ کی ایک رؤیا کا ذکر کیا کہ وہ پل صراط پر بہت تیزی کے ساتھ گزر گئی ہیں اور میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ مکرم والد صاحب نے بتایا کہ میں اُسی وقت سمجھ گیا کہ یہ ان کی وفات کی طرف اشارہ تھا کہ یہ مجھ سے پہلے فوت ہوں گی اور میری وفات ان کے بعد ہو گی۔ سو وہی ہوا۔ بزرگوارم والدہ صاحبہ کی وفات کے آٹھ سال بعد ماہ رمضان ستمبر 1973ء کو بزرگوارم والد صاحب کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جماعت احمدیہ پشاور کے ستون

مارچ 1994ء میں عزیزہ ڈاکٹر رضوانہ بشریٰ اور محترم ارشاد احمد خان صاحب کا نکاح پڑھاتے ہوئے امیر جماعت احمدیہ سرحد نے ہمارے خاندان کے تعارف کے ضمن میں بتایا کہ حضرت محمد خواص خان صاحبؓ جماعت احمدیہ پشاور کے ستونوں میں سے تھے اور والدہ صاحبہ کے متعلق ذکر کیا کہ بیت الذکر ھٰذا اسول کوارٹرز میں نماز جمعہ کے دوران ان پر کشفی حالت طاری ہو گئی دیکھا کہ نماز کے بعد وہ گھر جا رہی ہیں۔ راستہ میں (عقب عجائب گھر پشاور) ریلوے لائن میں ان کو ٹھوکر لگی اور ریلوے لائن کے درمیان گر پڑیں۔ دیکھا کہ دوسری جانب سے ٹرین آ رہی ہے۔ سخت گھبراہٹ ہوئی۔ نماز ختم کرتے ہی جیب میں جتنی بھی رقم تھی وہ ساری صدقہ میں دے دی۔ نماز سے فارغ ہونے پر جب گھر جانے لگیں تو یہی واقعہ

پیش آیا لیکن صدقہ دینے کی وجہ سے بلا ٹل گئی۔ لائن کے درمیان جب گریں تو دوسری جانب سے ٹرین نہیں آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا اور کوئی حادثہ رونما نہ ہوا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

دعاؤں پر یقین

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ محترمہ والدہ صاحبہ تربیت اولاد کے لئے بزرگوں کو دعا کا کہا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے جبکہ عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایم بی بی ایس فائنل میں تھے حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کو ان کی کامیابی کے لئے دعا کے لئے کہا اور وعدہ کیا کہ عزیزی سعید احمد خان کی کامیابی پر شہر کی مسجد احمدیہ کی محراب کے لئے قالین والی جائے نماز بطور عطیہ دیں گی تو حضرت قاضی صاحبؓ نے کہا کہ اچھا میں دعا کروں گا اور دوسرے دن ہی مکرمہ والدہ صاحبہ نے مسجد کے محراب کے لئے اعلیٰ قالین والی جائے نماز دے دی۔

ربوہ میں موجود جن بزرگان سلسلہ کو اولاد کی نسبت اکثر دعا کے لئے لکھتیں ان میں حضور انورؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ، حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ سرِ فہرست ہیں۔ نیز مربیان سلسلہ کو بالعموم اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کو بالخصوص دعاؤں کے لئے کہا کرتی تھیں۔

باغ بانی کا شوق

مکرمہ بزرگوارم والدہ صاحبہ کو پھل دار درخت اور پھول لگانے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ عزیزہ فوزیہ بشیر صاحبہ (فوزیہ شاہ صاحبہ) بعمر تین برس والدین کے ساتھ پشاور آئیں تو محترمہ والدہ صاحبہ نے رات کے اندھیرے میں لیمپ کی روشنی میں عزیزہ کو انگور کے خوشے دکھانے لگ گئیں۔ انگور کی یہ بیل مکرمہ والدہ صاحبہ نے اپنے ہاتھ سے لگائی تھی۔ انہی سے ہم سب بھائی بہنوں کو پھول اور پھلدار پودے لگانے کا شوق ورثہ میں ملا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے والدین کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقامات عطا کرتا رہے اور اپنی رضا سے نوازتا رہے۔ نیز پسماندگان کو ان کی نیک راہوں پر چلائے اور اپنی رضا سے نوازے۔ آمین ثم آمین

ہمارے دونوں بزرگ بہنوئی

ہمارے دونوں بہنوئی مکرم بزگوارم عبد السلام خان صاحب و بزرگوارم عبد القدوس خان صاحب نے کمال شفقت اور تندہی کے ساتھ مکرم بزرگوارم والدہ صاحبہ کی ہر جائز خدمت کی۔ دونوں بہت ہی احترام سے پیش آتے۔ ان کی اہلیہ صاحبان اور اولادیں وقتاً فوقتاً خدمت کرنے میں فخر کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سب اولادوں کو اپنے فضلوں سے نوازتا رہے بالخصوص اللہ تعالیٰ عزیزہ میمونہ صاحبہ کو بہت ہی اجر دے۔ آمین۔ کہ آخری وقت میں بزرگوارم والدہ صاحبہ کی خدمت کا سہرا اس کے سر ہے۔

حضرت قاضی محمد یوسف صاحب کی نصائح

غالباً 1935-36ء کے دوران جبکہ بزرگوارم والد صاحب ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقہ چشمہ بیراج میں تعینات تھے ہم سب بھائی بہن مع مکرمہ والدہ صاحبہ ہوتی ضلع مردان میں رہائش رکھتے تھے تو ہماری والدہ صاحبہ بیمار ہوئیں اور دن بدن کمزور ہوتی گئیں۔ قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت سرحد تھے ان کا طریقہ کار تھا کہ سب احمدی گھرانوں میں جاکر خیر وعافیت دریافت کرتے۔ محترم قاضی صاحبؓ حسب دستور خیریت پوچھنے آئے تو جب ان کو محترمہ والدہ صاحبہ کی بیماری کا علم ہوا تو احوال سن کر متفکر ہوئے اور خاکسار سے ناراض ہونے لگے کہ خود آجاتے یا کسی کے ذریعہ اطلاع بھجوا دیتے۔ سو حضرت قاضی صاحبؓ خود ڈاکٹر کے پاس جاکر دوائیاں لے آئے۔

حضرت قاضی صاحبؓ نے نصیحتاً فرمایا کہ جب بچوں والی مرغی نہ رہے تو اس کے بچے تتر بتر ہو جایا کرتے ہیں اور چیل و دیگر پرندے وغیرہ اٹھالے جاتے ہیں۔ بہت نصائح کیں کہ والدہ صاحبہ کا بہت خیال رکھا کرو۔ جونہی کوئی تکلیف ہو تو فوراً اطلاع دے دیا کرو۔ حضرت قاضی صاحبؓ کا یہ طریقہ خیر وعافیت دریافت کرنے کا آخیر تک رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور جزائے خیر دے۔ آمین ثم آمین

حضرت والدہ صاحبہ کا عرف بھابھی

قادیان اور ربوہ جلسہ سالانہ پر سرحد کی سب جماعتوں کا بے حد خیال رکھتے تا ان کو قیام وطعام کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ والدہ صاحبہ محترمہ سے ہم سب بہن بھائی و بہنوئی صاحبان اور بھابھی یا بابی کر کے

مخاطب ہوتے۔ مکرمہ والدہ صاحبہ نے بتایا کہ جب ہماری پیاری بڑی بہن عائشہ بیگم صاحبہ (زوجہ محترم بزرگوارم عبدالسلام خان صاحب ووالدہ صاحبہ ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب) ایک سال کی تھیں تو گھر میں کام کرنے والی ایک خادمہ مکرمہ والدہ صاحبہ کو بھابھی کہہ کر پکارتی تھی جس وجہ سے مکرمہ بہن صاحبہ نے بھی مکرمہ والدہ صاحبہ کو بھابھی کہنا شروع کر دیا۔ پھر ہم سب بھائی بہنوں نے مکرمہ والدہ صاحبہ کو بھابھی کہنا شروع کر دیا اور یہ نام اتنا مقبول ہوا کہ ہمارے خالہ زاد بھائی بہن بھی اپنی اپنی والدہ صاحبان کو بھابھی کہنے لگ گئے اور اس طرح ہماری دوسری والدہ صاحبہ بھی سب کی بھابھی بنیں۔ ہماری پیاری والدہ محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ کی وفات 59 سال کی عمر میں 28 جون 1965ء کو پشاور میں ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ہماری دوسری والدہ صاحبہ (والدہ مظفر احمد خان صاحب) جب بھی ان کا ذکر کرتی ہیں تو ان پر رِقّت طاری ہو جاتی ہے اور کہتی ہیں کہ واقعی وہ ایک فرشتہ سیرت خاتون تھیں۔ سوکن ہوتے ہوئے بھی مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ دی اور ہمیشہ مکرمہ والدہ صاحبہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو رہتیں۔

ہماری دیگر خالائیں

میری دوسری خالائیں بھی بفضلِ خدا مخلص احمدی تھیں۔ جماعت کے ساتھ خلوص سے رابطہ رکھا جس وجہ سے ان کی اولادیں بھی مخلص احمدی ہیں۔ ہماری ایک خالہ زبیدہ بیگم صاحبہ زوجہ خان محمد الطاف خان صاحب تھیں جن کی ساری اولاد امریکہ میں آباد ہے۔

دوسری خالہ ہاجرہ بیگم صاحبہ زوجہ عبدالرحمٰن خان صاحب تھیں۔ ان کی ساری اولاد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں۔

بڑی خالہ مریم بیگم صاحبہ کے خاوند چچا محمد فیروز خان صاحب تھے جو کہ بزرگوارم حضرت والد صاحب کے بڑے بھائی اور محکمہ انہار میں ملازم تھے۔ موضع کاٹلنگ ضلع مردان ڈیوٹی کے دوران بندوق کے فائر سے زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔ ان کی رہائش آبائی گاؤں غلّہ ڈھیر ورشکئی میں تھی۔ خالہ صاحبہ وفات تک خود کو احمدی ہی کہتی رہیں۔ جب ہماری والدہ صاحبہ سے ملنے آتیں تو نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کرتیں۔ مکرمہ خالہ صاحبہ کی وفات پر رشکئی میں چونکہ کوئی احمدی نہیں تھا اس لئے ان کی

نمازِ جنازہ غائب امیر جماعت مردان مکرم مولانا آدم خان صاحب نے پڑھائی۔ افسوس ان کی اولاد میں کوئی بھی احمدی نہ رہا۔

عزیزم سعید احمد خان

عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور عزیزہ سعیدہ بیگم صاحبہ ہم بہن بھائیوں میں چونکہ چھوٹے تھے اس لیے مکرمہ والدہ صاحبہ کے لاڈلے تھے۔ باقی عزیزان بھی عزیزم برادرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے بہت اُلفت سے پیش آتے۔ مکرمہ والدہ صاحبہ کی چچی اور رشتہ میں ہماری نانی المعروف کاکی صاحبہ عزیزی سعید احمد خان صاحب کو ان کی خوش طبعی کی وجہ سے خوشحال خان کہا کرتیں اور اس کی جھولی گندم سے بھر کر فرماتیں کہ بازار جاکر اس کے بدلہ ریوڑیاں لے لو۔ عزیزم برادرم سعید احمد خان صاحب کو ریوڑیاں بہت پسند تھیں۔ لہٰذا خوشی خوشی بازار جاکر گندم کے بدلے ریوڑیاں لے لیتا اور واپس آکر بزرگوارم کاکی صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا۔

ایک حادثے کا خوف

ایک مرتبہ خاکسار، برادرم بشیر احمد خان صاحب اور سعید احمد خان صاحب بعمر چار سال ہوتی میں ایک چھوٹے سے دریا کلپانی پر نہانے گئے۔ عزیزی سعید احمد خان صاحب کو کپڑوں کی خبر گیری کے لئے بٹھا دیا اور ہم دونوں بھائی گہرے پانی میں نہانے لگ گئے۔ اچانک خاکسار نے پلٹ کر دیکھا تو عزیزی سعید احمد خان صاحب کپڑوں کے پاس نہ پایا، میں بہت گھبرایا اور تیزی کے ساتھ کنارے کی طرف لپکا۔ جب پانی گھٹنے تک پہنچا تو میرے پاؤں کے ساتھ کچھ ٹکرایا، دیکھا تو عزیزم سعید احمد خان صاحب ہنس کر اُٹھا۔ میں نے سرزنش کی تو جواباً کہا کہ میں بھی نہا رہا تھا۔ ہم نے کپڑے لئے اور واپس گھر کو روانہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا کہ کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ اب بھی وہ منظر سامنے آتا ہے تو وحشت ہونے لگتی ہے۔

والد صاحب کی سعید احمد سے محبت

بزرگوارم والد صاحب بھی عزیزم برادرم سعید احمد خان صاحب سے بہت پیار کے ساتھ پیش آتے۔ ایک دفعہ سول کوارٹرز پشاور میں کچھ احمدی بچوں کے ساتھ ہم فٹ بال کھیل رہے تھے مکرم

والد صاحب اور عزیزی سعید احمد خان صاحب ہمیں دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں عزیزم سعید احمد خان صاحب آئے اور فٹ بال اپنے قبضہ میں کر لیا اور کہنے لگا کہ میں بھی کھیلوں گا۔ ہمارا کھیل رک گیا اور بزرگوارم والد صاحب نے بھی فرمایا کہ فٹ بال اس کے پاس رہنے دو اور تم نماز مغرب کی تیاری کرو۔

مطالعہ کا شوق

ایک مرتبہ عزیزی برادرم سعید احمد خان صاحب نے بزرگوارم ابا جی کو شکایت کی کہ میں اس سکول نہیں جایا کروں گا۔ وجہ پوچھی تو عزیزی نے کہا کہ اس سکول کی لائبریری میں سے کتابیں نہیں ملتیں۔ دوسرے دن والد صاحب سکول گئے کہ وجہ دریافت کی جائے۔ لائبریرین نے کہا کہ تمام اچھی کتب تو بچہ پڑھ چکا ہے مزید کتب ہمارے پاس نہیں ہیں۔ جب بھی نصف چھٹی ہوتی تو عزیزم لائبریری میں جا بیٹھتا اور سٹڈی کرتا رہتا۔ فرصت کے اوقات میں بھی علم حاصل کرتا رہتا اور کوئی وقت ضائع نہ کرتا۔ بچپن ہی سے بہت دلیر تھا۔ بات سوچ سمجھ کر بامحاورہ کرتا۔ جو بات دل میں ہوتی زبان پر بے دھڑک لاتا۔ دوغلا پن نہ تھا۔ دوستوں میں مقبول تھا۔ صاف گو لوگوں کو پسند کرتا۔ خود نیک تھا اور نیک دوستوں کو پسند کرتا۔ بڑوں اور بزرگوں کی بے انتہا عزت کرتا۔

عزیزم سعید احمد کا قادیان میں قیام

1945ء میں مکرمہ والدہ صاحبہ نے عزیزم سعید احمد خان صاحب کو جلسہ سالانہ کے بعد کچھ عرصہ کے لئے قادیان میں ہماری خالہ ہاجرہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب مینیجر مکتبہ تحریک جدید (برادر مولانا چراغ دین صاحب مربی سلسلہ) کے ہاں رہنے دیا تا کہ وہ دواخانہ نورالدین سے جلد کا علاج کرا سکیں۔ خاکسار ان دنوں تعلیم الاسلام کالج قادیان کا متعلم تھا۔ مکرم خالو عبدالرحمٰن خان صاحب کا گھر حضرت مولانا محمد صادق صاحبؓ کے گھر سے بھی آگے جنوباً گلی میں تھا۔ عزیزم سعید احمد خان صاحب ریتی چھلہ میں سے ہوتے ہوئے پیدل کالج آتے پھر میں عزیزم کو ہاسٹل لے جا کر کھانا کھلاتا۔ ہم دونوں بھائیوں کو تڑکے والی ماش کی دال بے حد پسند تھی وہ ہم کھاتے جس کے بعد مجلس عرفان میں شامل ہونے کے لیے ہم اکثر مسجد مبارک چلے جاتے۔ عزیزم سعید احمد حضرت مصلح موعودؓ

کی طرف انتہائی انہماک سے دیکھتا رہتا اور حضور اقدس خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی باتیں غور سے سنتا۔ اس وقت سے ہی دین کی طرف راغب تھا حالانکہ ان کی عمر غالباً چار یا پانچ سال ہی تھی۔ عزیزم سعید احمد خان صاحب کے مشاغل میں کتابیں پڑھنا، مرغیاں پالنا اور پھلوں پھولوں والے پودے لگانے کا شوق تھا۔

اعلیٰ تعلیم کا حصول اور جماعت سے تعلق

عزیزم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پشاور اسلامیہ کالج سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ ڈوّ میڈیکل کالج کراچی سے ایم بی بی ایس پاس کرنے کے بعد 1962ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ جلد جلد ترقی کی۔ انگلستان میں بھی نیکوں کی صحبت میسر آئی۔ حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب سے بہت اچھے تعلقات رہے۔ لندن میں دوران قیام مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق کے ہاں قیام کرتے۔ ان کو "لالہ جی" کہہ کر مخاطب ہوتے جبکہ بہن سلیمہ صاحبہ کو بی بی کہہ کر مخاطب ہوتے۔ ہمیشہ جہاں بھی رہتے جماعت کے ساتھ رابطہ رکھتے اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔

اوصاف کریمانہ

مکرمہ بہن سلیمہ صاحبہ بیگم بشیر احمد خان صاحب رفیق نے کئی بار میری اہلیہ رضیہ خلیل صاحبہ سے ذکر کیا کہ عزیزم سعید احمد خان صاحب بڑوں کی عزت کرتے اور چھوٹوں کے ساتھ پیار اور حسن سلوک سے پیش آتے۔

عزیزم سعید احمد سب عزیز و اقارب کے ساتھ ہمیشہ احسان کا سلوک کرتے۔ حاجت مندوں کی خفیہ مدد کرتے۔ جماعتی تحریکات اور چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ پاکستان میں دورانِ تعلیم ہم دونوں بھائیوں کے پاس آتے اور خاکسار و اہلیہ رضیہ بیگم صاحبہ و برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب و اہلیہ مکرمہ زبیدہ ناہید کے ساتھ موسم گرما کی تعطیلات گزارتے۔ ہمیشہ احترام سے پیش آتے۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا اس لیے ان کے آنے سے گھر میں بہت رونق ہوتی اور ہنسی خوشی وقت گزرتا۔ ہر زبان میں بامحاورہ گفتگو کرنے پر دسترس حاصل تھی۔ سب حاضرین کے ساتھ پیار، ادب اور پُر وقار طریق سے بات کرتے اور سب کو محظوظ بھی کرتے۔ سب بھائی بہن کے ساتھ ان کا سلوک حد درجہ عزت و احترام

کا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

عزیزم سعید احمد خان صاحب کی تبلیغی مساعی

وقف عارضی پر کئی مرتبہ گیمبیا گئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ سلمیٰ مبارکہ صاحبہ ساتھ رہتیں بہت سے پھل حاصل کئے۔ اسی طرح بیلا روس بھی گئے اور وہاں پر جماعت قائم کی۔ ان کی اہلیہ سلمیٰ مبارکہ صاحبہ انگریز نو مسلم احمدی خاتون ہیں۔ بہت اچھی داعی الی اللہ ہیں اور پیدائشی احمدی خواتین کے لئے قابل تقلید ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزہ سلمیٰ مبارکہ کو عمر و صحت سے نوازے۔ آمین

وفات سعید احمد خان

عزیزم برادرم سعید احمد خان صاحب کو اوائل 1994ء میں ایک جان لیوا بیماری نے آلیا۔ بے حد علاج کیا۔ کئی مرتبہ علاج کے لئے امریکہ کا سفر کیا لیکن مرض بڑھتا ہی گیا۔ ان کی صحت کے لئے ہر جگہ بہت دعائیں کی گئیں لیکن عزیزی جانبر نہ ہو سکے۔ بروز جمعۃ المبارک 6۔ دسمبر 1996ء کو بعد از نماز جمعہ وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پسماندگان

اللہ تعالیٰ نے عزیزم سعید احمد خان صاحب کو نیک و صالح اولاد دی۔ دینی و دنیاوی ترقیات اور نعماء سے نوازا۔ عزیزم سعید احمد خان صاحب مرحوم نے پس ماندگان میں مکرمہ سلمیٰ مبارکہ صاحبہ و عزیزان طاہرہ صاحبہ، خالد احمد خان صاحب، کریم اسد احمد خان صاحب اور عمران احمد خان صاحب کو غمزدہ چھوڑا۔ نیز ہم سب عزیز و اقارب اور بہت سارے دوستوں کو سوگوار چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ بلند ترین درجات جنت الفردوس میں عطا فرماتا رہے اور اپنی رضائے خاص سے نوازتا رہے۔ پس ماندگان کا حافظ و ناصر ہو اور عزیزم سعید احمد خان صاحب کے نیک نمونہ پر چلائے اور نیکیاں بجالانے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین ثم آمین

نمازِ جنازہ

نماز جنازہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ادا فرمائی اور بہت شاندار الفاظ میں مرحوم کو یاد کیا اور نماز جنازہ تمام عالم میں ایم ٹی اے کے ذریعہ نشر ہوا جو ہم سب غمزدگان کے لئے تسکین کا موجب ہوا۔

اپنی اولاد کو آخری نصائح

عزیزم سعید احمد خان آخری دنوں میں بچوں کو نصیحتیں کرتے رہے کہ احمدیت کے ساتھ مضبوط رابطہ اُستوار رکھیں۔ یہ ساری نعمتیں ہمیں احمدیت ہی کی وجہ سے نصیب ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھیں اور میں اس بات پر بہت خوش ہوں کہ تم سب نیک ہو۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ دوران بیماری اللہ تعالیٰ کے افضال و برکات پر کثرت سے شکر ادا کرتے رہتے۔ دوران بیماری عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب اور ان کی اہلیہ عزیزہ امۃ الحی صاحبہ و عزیزہ سعیدہ بیگم صاحبہ نے بھی خوب خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین

عزیزم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب

عزیزم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب بچپن سے اپنے فرائض کی طرف مائل تھے۔ ابھی آٹھویں جماعت کے طالب علم ہی تھے کہ پروگرام کے مطابق کام کرتے۔ وقت ضائع نہ کرتے۔ ہر مضمون اور کام کے لئے وقت مقرر کیا تھا۔ نمازیں انتہائی پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کرتے اور یہی عادت ان کو ابھی بھی ہے۔ بچپن سے ہی ان کو نیک سوسائٹی پسند تھی اور بری صحبت سے اجتناب کرتے۔ یہ تمام خوبیاں بزرگوارم والدین صاحبان کی نیک تربیت کا نتیجہ تھیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

ایم بی بی ایس

عزیزم برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب میٹرک کرنے کے بعد 1945ء میں تعلیم الاسلام کالج قادیان میں داخل ہوئے ہی تھے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مشورہ دیا کہ میڈیکل مضامین لے لو۔ چونکہ ٹی آئی کالج میں میڈیکل مضامین نہیں تھے اس لئے برادرم واپس پشاور چلے گئے تاکہ وہاں پر میڈیکل

مضامین لے سکیں۔ لہٰذا پشاور اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایف ایس سی میڈیکل کر لی۔

فرقان فورس

1947ء میں فرقان فورس میں تین ماہ بھمبر فرنٹ پر ڈیوٹی بجالائے۔ بعد ازاں عزیزم کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ ملا اور وہاں سے انہوں نے ایم بی بی ایس کیا۔ ہاسٹل کے قریب ہی رتن باغ میں باقاعدگی کے ساتھ نمازوں میں شامل ہوتے۔ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور بزرگان سلسلہ کی دعاؤں کی بدولت مزید نیک تربیت میں ترقی کی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

ملازمت

برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب کو ایم بی بی ایس کرنے کے بعد فوج میں بآسانی ملازمت مل رہی تھی لیکن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مشورہ پر سول سروس جاب لے لی۔ انہوں نے مزید تعلیم بھی پاکستان سے حاصل کی اور ٹی بی اور چائلڈ سپیشلسٹ بھی بنے اور ترقی کرتے کرتے سول سرجن کے عہدہ تک جا پہنچے۔ بہت کامیاب ڈاکٹر رہے۔

ایک خاتون کو معجزانہ شفا

برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب نے 72-1970ء لیپ فارورڈ پروگرام کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر غانا افریقہ میں خدمات سرانجام دیں۔ یہ وہاں ٹچی مان غانا افریقہ احمدیہ مشن ہسپتال کے انچارج تھے ایک عیسائی خاتون ان کے پاس clutches میں آئیں اور کہا کہ عیسائی ڈاکٹر یہ پاؤں کاٹنے کو کہہ رہے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ پاؤں بے کار اور لاعلاج ہے۔ آپ کے پاس کوئی علاج ہے جو یہ پاؤں کاٹنا نہ پڑے؟ ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب نے کہا کہ ہاں میں علاج بھی کروں گا اور دعا بھی کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا پاؤں نہیں کٹے گا۔ پس ڈاکٹر صاحب نے علاج شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا اس عورت کا پاؤں تندرست ہو گیا اور کٹنے سے بچ گیا۔ الحمد للہ۔ اس پر وہ خاتون بغیر سہارے جگہ جگہ جاتی اور کہتی پھرتی کہ یہ ہے احمدیہ مشن ہسپتال کا کارنامہ ورنہ عیسائی مشن ہسپتال والے تو ان کا

پاؤں کاٹ ہی رہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اس واقعہ پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک عزیزم برادرم بشیر احمد خان صاحب بہت کامیاب ڈاکٹر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے بہتوں کو شفادی۔ الحمدللہ

خاکسار کا قادیان میں قیام

دوران قیام قادیان بطور متعلم تعلیم الاسلام کالج خاکسار کو پہلی کلاس کے اجرا میں داخل ہونے کا شرف حاصل تھا۔ پہلے ہاسٹل کا انتظام مجلس خدام الاحمدیہ کے مرکزی دفتر دارالانوار میں تھا بعد ازاں حضورانور المصلح الموعودؓ کی کوٹھی دارالحمد محلہ دارالانوار میں کچھ عرصہ رہائش رہی پھر مسجد نور قادیان کے عقب میں نیا کالج ہاسٹل تعمیر ہونے پر سب بیرونی طلبا وہاں شفٹ ہوگئے۔ خاکسار کے ساتھ کمرے میں چودھری عبد الصمد آف گجرات اور محمود احمد صاحب ولد عبدالحق ہوائی آف پشاور رہتے رہے۔ باجماعت نمازیں اور تہجد ادا کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ پروفیسر چودھری محمد علی صاحب ہمارے سپرنٹنڈنٹ تھے اور صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے ہمارے دینیات کے پروفیسر ہونے کے علاوہ ہاسٹل ٹیوٹر بھی تھے۔ یہ دونوں طلبا کی تعلیم وتربیت کا بہت خیال رکھتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اس وقت کالج کے پرنسپل تھے۔ سب طلبا کا بے حد خیال رکھتے اور ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتے۔

بزرگانِ سلسلہ سے ملاقاتیں

ہاسٹل میں اکثر اوقات بزرگان سلسلہ کو مدعو کیا جاتا جن میں حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کئی مرتبہ تشریف لائے اور اپنی قیمتی نصائح سے طلبا کو مستفیذ فرماتے۔ حضرت عبد الرحمٰن صاحب قادیانیؓ بھی اکثر تشریف لاتے اور حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے کے ایمان افروز حالات سناتے۔ سب طلبا آپس میں بہت پیار اور محبت سے رہتے۔ علمی مجالس بھی سجتیں جن میں طالب علم شعرا اپنا کلام سناتے۔ ان میں سے مکرم فضل الٰہی صاحب انوری (حالیہ مربی سلسلہ) اور مکرم رشید احمد صاحب قیصرانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

قادیان کی برکات

خاکسار مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کرتا۔ مکرم میاں حسام الدین صاحب آف مردان (حال ایڈووکیٹ پشاور ہائی کورٹ)، خاکسار اور مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق (سابق امام مسجد لندن) بالخصوص مجلس عرفان مسجد مبارک قادیان میں شامل ہوتے۔ برادرم میاں حسام الدین صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ کی پنڈلیاں دبانے کا موقع وافر ملتا رہا۔ اس بابرکت خدمت پر وہ اللہ کے بے حد شکر گزار ہیں۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت ہائے صوبہ سرحد جب جلسہ پر قادیان آتے تو سرحد کے تمام طلبا کو مدعو کرتے اور سب بزرگان سلسلہ سے ان طلبا کا تعارف کرتے اور بہت نصائح کرتے کہ اس بابرکت مقام سے بہت فائدہ اٹھائیں اور کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہ دیں۔

حضرت سیدہ مہر آپا کے متعلق رؤیا

عزیزم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے والد مکرم عبد السلام خان صاحب جب اپنے بھانجے مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق کو قادیان میں داخل کروانے تشریف لائے تو جس مجلس عرفان میں حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت سیدہ مہر آپا کے متعلق رؤیا سنائی تھی اس میں خاکسار اور مکرم عبد السلام خان صاحب بھی موجود تھے اور مکرم عبد السلام خان صاحب کو حضور اقدس المصلح الموعودؓ کے پنڈلیاں دبانے اور حضور کے ساتھ شہ نشین پر بیٹھنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

حضرت مصلح موعودؓ کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کی سعادت

خاکسار، برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب اور عزیزی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو دوران قیام قادیان مسجد مبارک میں حضرت المصلح الموعودؓ کی اقتدا میں نمازوں کا خوب موقع ملتا رہا۔ وہ رقت اور سوز و گداز سے مزیّن نمازیں، دعاؤں میں گریہ وزاری سے مسجد مبارک کا گونج اُٹھنا اور ہمارا روحانی لطف اُٹھانا سب یاد ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

محترم عبدالسلام خان صاحب کا ذکرِ خیر

مکرم عبدالسلام خان صاحب ہمارے بہنوئی تھے لیکن خاکسار سے بہت محبت رکھتے اور میرے محسن دوست تھے۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ ہماری پیاری والدہ صاحبہ کی کماحقہ خدمات بجالائے۔ نمازوں میں گریہ وزاری کرتے۔ جوانی سے ہی نماز تہجد کی ادائیگی میں باقاعدہ تھے یہاں تک کہ جب کوئٹہ شہر زلزلہ سے زیروزبر ہورہا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود تھے۔ صاحب رؤیا و کشوف تھے۔ کچھ خواب خاکسار کو بھی سنائے جو پورے ہوئے تھے۔ 1989ء میں یارک شائر انگلستان میں فوت ہوئے۔ احمدیت کی دوسری صدی کی پہلی نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے انہی کی ادا فرمائی۔ بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔

محترم عبدالقدوس خان صاحب

مکرم عبدالقدوس خان صاحب جو خاکسار کے چھوٹے بہنوئی اور مکرم عبدالسلام خان صاحب کے برادر اصغر تھے، بہت پُر خلوص انسان تھے۔ ہمیشہ خدمت پر کمربستہ رہتے۔ نیک اور صالح تھے۔ ان کی آواز میں بہت مٹھاس تھی۔ تلاوت قرآن کریم اور نظمیں بہت خوش الحانی سے پڑھا کرتے۔ جماعت احمدیہ پشاور کے امیر رہے اور بہت خدمات سرانجام دیں۔ ہمارے اباجی محترم کے بھائیوں کے ساتھ مخلصانہ روابط رکھتے۔ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا عزیزم ڈاکٹر محمود احمد خان صاحب حال امریکہ کی شادی ڈاکٹر سعید احمد خان کی بیٹی طاہرہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ مکرم برادرم عبدالقدوس خان صاحب 1980ء میں فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین ہوئی۔

جلسہ سالانہ قادیان پر معاون خاص

اکثر جلسہ سالانہ قادیان پر جب حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ افسر جلسہ سالانہ ہوتے تھے تو خاکسار کو ان کے ہمراہ بطور معاون خاص خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ قادیان میں دوران قیام سبھی صاحبزادگان صاحبان سے ملاقات رہتی لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سے بہت اچھے مراسم تھے اور ابھی تک برقرار ہیں۔ انہوں نے 1946ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے وجود مبارک کے

قمیص کا ایک ٹکڑا بطور تبرک خاکسار کو عنایت کیا۔ اللہ تعالیٰ مکرم مرزا وسیم احمد صاحب جزائے خیر سے نوازے۔ آمین ثم آمین

صحبت صالحین

قادیان میں قیام کے دوران مسجد مبارک میں حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ کی اقتدا میں بھی نمازیں ادا کرنے کا موقع ملتا رہا۔ حضرت مولانا محمد صادق صاحبؓ، حضرت غلام مصطفی صاحبؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت عبد الرحمٰن صاحب قادیانیؓ، حضرت عبد الرحمٰن صاحب جٹؓ، حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ، حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ، حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب دردؓ، حضرت فتح محمد سیال صاحبؓ حضرت غلام حسین صاحبؓ سابق مبلغ روس و بخارا سے ملاقاتیں ہوتی رہتیں اور ان سے تربیت حاصل ہوتی رہتی۔ مہمان خانہ قادیان میں مکرم بزرگوارم عبد الاحد خان صاحب افغانی جو حضرت مصلح موعودؓ کے سیکورٹی میں سے تھے، فرصت کے اوقات میں ان سے طویل ملاقات ہوتی۔ خان عبد الاحد صاحب حضرت مصلح موعودؓ کو پیار سے قربان (آپ پر فدا ہو جاؤں) کہہ کر مخاطب ہوتے۔ ان کی باتیں ایمان افروز ہوتیں اور بہت خوش گوار وقت گزرتا۔ تقسیم ملک کے بعد بزرگوارم عبد الاحد خان صاحب قادیان ہی میں بطور درویش رہ گئے۔

قادیان کے دوست

دوران قیام قادیان طلبا میں سے مکرم برادرم رشید احمد خان صاحب سوری آف جالندھر، مکرم اطہر ظہور بٹ صاحب آف اجنالہ ضلع امرتسر، مکرم میاں حسام الدین صاحب آف مردان، مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق آف پشاور اور مکرم منور احمد صاحب قیصرانی آف ڈیرہ غازی خان خاکسار کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ ان میں سے میجر حیات خان صاحب کے برادر اصغر مکرم منور احمد صاحب قیصرانی پاکستان آرمی میں بھرتی ہوئے اور 1947-48ء میں بطور کیپٹن وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

برادرم رشید احمد خان صاحب

جب ہم کوٹھی دارالحمد میں مقیم تھے تو کالج آتے جاتے مکرم برادرم رشید احمد خان صاحب اور مکرم برادرم اطہر ظہور بٹ صاحب میں سے ایک دوست ضرور ساتھ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت خوب صورت آوازیں عطا کی تھیں۔ راستہ بھر درثمین، کلام محمود و دیگر اشعار نہایت خوش الحانی سے سناتے اور خوب محظوظ کرتے۔ جب عزیزہ خواہرم سعیدہ بیگم صاحبہ کے لئے مکرم برادرم رشید احمد خان صاحب کا رشتہ آیا تو ان کی نیکی، اخلاص، احمدیت سے وابستگی اور سابقہ دوستی کی وجہ سے خاکسار نے اس رشتہ کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو عمر و صحت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

تجارتی سمندری جہازوں کی نوکری سے بطور چیف انجینئر ریٹائرڈ ہوئے اور آج کل یارک شائر انگلستان میں مقیم ہیں۔

مکرم اطہر ظہور بٹ صاحب

جب مکرم اطہر ظہور بٹ صاحب کا رشتہ برائے بی بی عائشہ صاحبہ دختر حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی وساطت سے آیا تو خاکسار نے بھی حامی بھری کیونکہ یہ میرے قادیان کے طالب علمی کے زمانہ کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ اللہ ان کو عمر و صحت سے نوازے۔ ایل۔ ایل۔ بی کرنے کے بعد محکمہ پولیس میں بھرتی ہوئے۔ قانونی مشیر رہے۔ ڈی ایس پی کے عہدہ سے پینشن پائی اور لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

چولہ بابانانک کا دیدار

مکرم چودھری رشید احمد صاحب اور خاکسار نے 1945ء میں بعض خاص جگہیں دیکھیں جن میں گورداسپور کلانور جہاں اکبر بادشاہ تخت نشین ہوئے تھے اور چولہ بابانانکؒ بمقام ڈیرہ بابانانک شامل ہیں۔ چولہ بابانانک کے سامنے والا وہ حصہ دیکھا جو سورۃ فاتحہ، کلمات طیبات اور دیگر قرآنی آیات سے مزیّن ہے۔ یہ تبرک کابلی مل صاحب کی اولاد کے پاس ان کے گُردوارہ میں محفوظ ہے۔

حضرت مرزا غلام رسول صاحب

خاکسار کے دوست اور استاد انجینئر مرزا مقصود احمد صاحب کے والد بزرگوار حضرت مرزا غلام رسول صاحبؓ آف پشاور بہت دعا گو، صاحب رؤیا و کشوف انسان تھے۔ خاکسار اکثر انہیں دعا کی درخواست کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے قبل از وقت خاکسار کو بتادیا تھا کہ تم نے انجینئر بن جانا ہے۔ انہوں نے بہت جلالی طبیعت پائی تھی۔ خاکسار نے ان کو ایک دفعہ کہا کہ مجھے فلاں انجینئرنگ کالج میں داخلہ نہیں ملا تو جواباً فرمایا کہ "میرا خدا سچ بولتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا ہے کہ خلیل احمد خان انجینئر بن جائے گا۔" الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ جناب بزرگوارم مرزا غلام رسول صاحبؓ کو ان کی حیات تک خاکسار دعاؤں کی درخواست کرتا رہا۔ حضرت ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب جب صوبہ سرحد کی سیر پر تشریف لاتے تو مکرم مرزا مقصود احمد صاحب کے ہاں بھی قیام فرماتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے ان کے گھر کے بیرونی دیوار پر ایک یادگاری سنگ مرمر کا تختہ بھی نصب فرمایا ہے جس کے لئے مکرم مرزا مقصود احمد صاحب سابق امیر جماعت سرحد نے درخواست کی تھی۔

تبرک

سیدنا مصلح موعودؓ جب 1960ء میں ایبٹ آباد تشریف لائے تو حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ نوراللہ مرقدھا نے خاص نظر عنایت اور شفقت سے میری اہلیہ رضیہ خلیل صاحبہ کو حضور اقدسؓ کی اوڑھی ہوئی دھلائی (لحاف) بطور تبرک عنایت کر دی۔ اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ کو جزائے خیر دے اور اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین۔ یہ تبرک تاحال ہمارے پاس پشاور میں محفوظ ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ ملاقات کے دوران حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ خاکسار کی اہلیہ رضیہ خلیل صاحبہ اور عزیزہ زبیدہ ناہید صاحبہ اہلیہ برادرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب کا تعارف حضور انورؓ سے کروایا کہ یہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کی بیٹیاں ہیں۔ جب بھی ہمارا ربوہ سے گزر ہوتا تو حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ نے باصرار ہم دونوں میاں بیوی کو اپنے ہاں ٹھہراتیں اور بہت پیار و خلوص سے پیش آتیں۔ الحمدللہ

حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب

جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر ہمارا قیام عموماً حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ہاں ہوتا۔ حضرت میاں صاحب ہمیں باصرار اپنے ہاں ٹھہراتے۔ بے حد پُرخلوص اور محبت کرنے والے انسان اور بہت مہمان نواز تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور بے انتہا افضال سے ان کو اور ان کی اولاد دراولاد کو نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

نواب مسعود احمد خان صاحب

نواب زادہ مسعود احمد خان صاحب بھی بہت پیار سے اپنے ہاں ٹھہراتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے اہل خانہ کو جزائے خیر دے اور اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب

بزرگوارم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے ہاں بھی چند مرتبہ ٹھہرنے کا موقع ملا۔ ان سے بھی بے حد پیار اور خلوص ملتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی اولادوں کو لاانتہا برکات سے نوازتا رہے۔ آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑے کا تبرک

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ، حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ، حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، نواب زادہ مسعود احمد خان صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا پشاور سے جب بھی گزر ہوتا تو ہمیں خدمت کا موقع ضرور دیتے اور ہمارے غریب خانہ کو برکت بخشتے۔ سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے ازراہ شفقت خاکسار کی اہلیہ رضیہ خلیل کو حضرت مسیح موعودؑ کے بابرکت لباس کا ایک ٹکڑا 1972ء میں عنایت فرمایا اور بنفس نفیس تکلیف فرما کر ایک کپڑے میں اسے سی کر دیا اور اپنے تصدیقی دستخط بھی ثبت کیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے درجات بلند فرماتا رہے اور ان کی اولاد در اولاد کو اپنی عنایات سے نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین

تاریخ احمدیت سرحد مؤلفہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ میں ذکرِ خیر

موضع رشکئی رسالپور سے چار میل دور شمال کو ہے اور یہاں سے پانچ میل اور آگے "مردان"

ہے۔ یہاں ضلع پشاور اور ضلع مردان کی حد بندی ہے۔ رشکئی کے ساتھ موضع غلّہ ڈھیر وہے۔ یہاں کے نمبر دار ملک بلند خان صاحب تھے جن کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اولیٰ سے تین فرزند تھے جن میں سے محمد خواص خان صاحب سب سے چھوٹا تھا اور دوسری بیوی سے قریباً چھ فرزند تھے۔ محمد خواص خان صاحب گورنمنٹ ہائی سکول مردان میں تعلیم پاتے تھے اور وہیں سے میٹرک پاس کیا اور 1916ء میں مرزا میر احمد صاحبؓ اپیل نویس ہوتی کے ذریعہ احمدی ہوئے۔ پشاور میں 1916ء میں دفتر فوائد عامہ سرحد میں کلرک مقرر ہوئے اور بالاخانہ انجمن احمدیہ پشاور میں قیام رہا۔ 1918ء میں بسلسلہ جنگ عظیم عراق گئے اور کرکوک بغداد اور گردونواح میں قیام رہا۔ دو سال کے بعد جنگ کے ختم ہونے پر پشاور واپس آئے۔ اپنے دفتر میں رفتہ رفتہ ترقی کی اور اسسٹنٹ سیکرٹری ہو گئے اور اسی عہدہ سے 1953ء میں پنشن ہوئی۔ آپ ایک فہیم، خوش مذاق، خندہ رو اور بردبار طبیعت کے مالک ہیں۔ البتہ طبیعت میں تلوّن زیادہ ہے۔ نماز کے پابند ہیں۔ کتب سلسلہ کا مطالعہ کرتے رہے ہیں اور عرصہ دراز تک خاکسار کا درس سنتے رہے اور تبلیغ کا بھی شوق ہے۔ گفتگو سوچ کر اور مدلّل کرتے ہیں۔ آپ نے دو شادیاں کیں اور دونوں قصبہ ہوتی کی ہیں۔ پہلی بیوی مرزا میر احمد صاحب ہوتی کی لڑکی ہے جس سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ خلیل احمد خان بی ایس سی انجینئرنگ ایس ڈی او اور ڈاکٹر بشیر احمد خان ایم بی بی ایس سرحد۔ یہ دونوں خاکسار کے داماد ہیں اور سعید احمد خان جو کراچی میں میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہے۔ دوسری بیوی سے دو نرینہ فرزند ہیں۔ مظفر احمد خان جو زیر تعلیم ہے اور رضا احمد خان یہ ابھی پانچ سالہ بچہ ہے۔ آپ کے چھ داماد ہیں۔ 1۔ عبدالسلام خان سینئر کلرک محکمہ برق سرحد۔ 2۔ عبدالقدوس خان پوسٹ ماسٹر محکمہ ڈاک سرحد۔ 3۔ شیخ نور الدین 4۔ شیخ بشیر الدین امپیریل الیکٹرک سٹور پشاور۔ 5۔ میجر قاضی بشیر احمد 6۔ رشید احمد خان بحری انجینئر مقیم سکاٹ لینڈ۔

محمد خواص خان صاحب پنشن کے بعد پشاور میں سکونت رکھتے ہیں اور کابلی دروازہ کے باہر رضا میڈیکل سٹور انگریزی ادویات کی فروخت کی دوکان چلاتے ہیں۔"

(تاریخ احمدیت سرحد۔ مؤلفہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ)

ہمارے نانا حضرت مرزا میر احمد صاحبؓ اور چچا حضرت میر اکبر صاحبؓ

ماہ اگست 1904ء کے اخیر میں لاہور سے ایک اشتہار آیا کہ حضرت احمدؑ گورداسپور سے لاہور تشریف لائے ہیں اور 3 ستمبر 1904ء ہفتہ کے دن ایک تھیٹر کے منڈوہ میں جو احاطہ حضرت داتا گنج بخش میں واقع ہے اور کرایہ پر لیا گیا ہے، ملک کے موجودہ مذاہب اور اسلام کے عنوان پر پبلک تقریر فرماویں گے۔ یہ تقریر ایک رسالہ کی صورت میں طبع شدہ تھی اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے سنائی تھی۔ جماعت احمدیہ پشاور کے کچھ افراد پہلے لاہور حضرت احمدؑ کے در پر پہونچ چکے تھے اور کوئی بیس افراد جمعہ کی نماز پڑھ کر میل ٹرین میں عصر کے قریب پشاور سے روانہ ہوئے اور 3 ستمبر کی صبح کو لاہور 6 بجے پہونچ گئے۔ مولوی عبداللہ جان صاحب سٹیشن پر استقبال کو موجود تھے۔ ریلوے سٹیشن سے سیدھے نولکھا کے قریب روضہ حضرت شاہ محمد غوث جا اُترے اور سامان حضرت میاں چراغ دین رئیس لاہور کے مکان پر رکھا اور ہم سب بھاٹی دروازے کے رستے لیکچر گاہ میں گئے۔ 3 ستمبر کو پشاور سے حضرت مولانا غلام حسنؓ، خاکسار، مرزا محمد شریف خان، مرزا محمد سلطان، مولوی عبدالحنان، بابو محمد دلاور خان، عبدالاکبر خان، حاجی ڈاکٹر محمد الدین ساکن کھاریاں، صاحبزادہ چراغ دین ساکن موچی پورہ پشاور، محمد حسین خلف منشی کریم بخش صاحب احمدی ساکن گوجرانوالہ اور مستری میاں محمد صاحب ملکی لاہور آئے اور دوستوں کے نام یاد نہیں۔ سید لعل شاہ برق نوشہروی، مرزا میر اکبر صاحب ساکن ہوتی وغیرہ ہم سے پہلے آئے تھے۔ جب ہم شاہ محمد غوث صاحب کی زیارت کے پاس سے گزرے تو وہاں مسجد میں ملّاؤں کا جلسہ تھا اور شمس العلما مولوی عبداللہ ٹونکی پرنسپل اوریئنٹل کالج صدر جلسہ تھے۔ جب ہم بھاٹی دروازے سے گزر کر لیکچر گاہ میں پہونچے تو وہاں شیشم (ٹاہلی) کے درخت تھے۔ ایک درخت پر ایک مولوی صاحب چڑھ کر نعرے لگا رہے تھے کہ جو شخص یہ لیکچر سنے گا تو اس پر عورت طلاق ہو جائے گی۔ بالآخر خود بھی شریک جلسہ ہو گئے کیونکہ لوگوں نے ان کے فتویٰ پر عمل نہ کیا۔ جلسہ گاہ میں بقول اخبار پنجہ فولاد لاہور بیس ہزار سامعین تھے۔ جلسہ گاہ کی سٹیج پر گول نصف دائرہ میں کرسیاں تھیں جن پر جماعت کے معززین تشریف فرما تھے۔ ان میں خود حضرت احمدؑ بالکل حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ

کے پیچھے تشریف فرما تھے۔ دو گھنٹے کامل میں یہ سارا لیکچر سنا گیا۔ ہم قریباً نصف لیکچر ہونے پر پہونچے۔ سٹیج پر کرسیوں کے پیچھے قنات تھی اور قنات کے پیچھے پولیس اور جماعت پشاور کا پہرہ تھا۔ خاکسار دائیں سرے پر قنات کے ساتھ کھڑا تھا۔ میرے پاس ایک عیسائی سب انسپکٹر پولیس تھا جو جہاں سنگھ کے باغ لاہور کا باشندہ اینگلو انڈین تھا اور ٹھیٹھ پنجابی بولتا تھا، ڈیوٹی پر کھڑا۔ جب لیکچر ختم ہوا تو لوگ منتشر ہونے لگے اور غوغا مچنے لگا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت احمدؑ سے عرض کی کہ حضور زبانی بھی کچھ تقریر فرمادیں تا کہ لوگ حضور کے منہ سے آپ کا مبارک کلام سنیں۔ حضرت صاحب کھڑے ہوئے مگر لوگوں کو کون خاموش کرے۔ اتنے میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ نے قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے اب ٹھیک یاد نہیں کہ وہ سورۃ دہر کا حصہ تھا یا سورۃ ق کا مگر حضرت مولوی صاحب نے جونہی قرآن کریم کی تلاوت کی تو اس عیسائی پولیس افسر نے کہا: دیکھو مرزے دا بِین باجا بولیا جے ہن لوگ خود چُپ ہو جاوَن گے۔ یعنی حضرت مولوی صاحب حضرت احمد کا بین باجا ہیں جونہی لوگ ان کی سریلی آواز سن لیں گے وہ فوراً چپ ہو جاویں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جونہی آدھا رکوع حضرت مولوی صاحب نے تلاوت فرمایا لوگ دم بخود ہو گئے۔ تب حضرت مولوی صاحب نے حضرت احمد سے عرض کی کہ حضور تقریر فرمائیں۔ حضرت صاحب جب کھڑے ہوئے تو ان کے دائیں ہاتھ میں بید کی سوٹی تھی۔ بایاں ہاتھ پگڑی کے پلہ کے ساتھ ناک پر تھا۔ آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ آواز بلند ہوتی گئی اور منہ سے پلّو اُٹھا دیا۔ ایک گھنٹہ تک ضرورت مصلح پر زبانی تقریر فرمائی اور آخری فقرہ جس پر تقریر ختم کی یہ تھا: ”اگر در خانہ کس است ہمیں قدر بس است۔“

یعنی اگر کوئی سمجھ والا انسان اس گھر میں موجود ہے تو اس قدر کہنا کافی ہے۔

جلسہ ختم ہوا اور لوگ منتشر ہو گئے اور احباب نے حضرت احمدؑ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور سٹیج سے فٹن تک پہونچایا۔ حضرت صاحب سوار ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحبؓ گڑیانوی گاڑی کے پیچھے کھڑے تھے۔ آگے ڈرائیور اور ایک احمدی جا بیٹھے اور چار پولیس کے سوار آپ کے پیچھے، دائیں اور بائیں ہو گئے اور سواری روانہ ہوئی۔ خاکسار اور مرزا میر اکبر مرحوم فٹن کے تعاقب میں بھاٹی دروازے سے دوڑتے

ہوئے حضرت شاہ محمد غوث تک آئے۔

جب ملّاؤں کو علم ہوا کہ حضرت صاحب کی سواری آرہی ہے تو سب جلسہ چھوڑ کر سڑک کی دیوار کے پاس آکھڑے ہوئے اور ہائے ہائے مرزا کہتے ہوئے دل کا غبار نکالا۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے پنجابی کا ایک فقرہ ان کو کہا کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ میدان تو ہم فتح کر آئے اب تم پڑے سر پیٹتے رہو۔ حضرت صاحب اپنی فرود گاہ پر اتر گئے جو کہ کوچہ مسجد احمدیہ نو لکھا کے سرے پر بائیں جانب حضرت میاں معراج الدین صاحب کا مکان تھا۔ احباب پشاور نے حضرت احمدؑ کی ملاقات اسی مکان میں کی۔‘‘

(ظہور احمد موعودؑ مصنفہ قاضی محمد یوسفؓ)

حصہ چہارم
ڈاکٹر حامداللہ خان
(خودنوشت حالات زندگی)

خودنوشت حالات زندگی

ڈاکٹر حامد اللہ خان

پیدائش

خاکسار اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد ہے۔ میری پیدائش 19 مارچ 1943 کو ہوئی۔

والدین

میرے والد صاحب محترم عبدالسلام خان مرحوم آف پشاور جو حضرت مولوی محمد الیاس خان مرحوم اور والدہ محترمہ بی بی عائشہ خواص خان صاحب پشاور کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ والد صاحب واپڈا میں ملازم تھے اور سول کوارٹرز پشاور میں ہماری رہائش تھی۔ یہ ایک گورنمنٹ کالونی تھی جہاں آج کل ہماری پشاور کی مسجد بھی ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

خاکسار کی تعلیم اور پرورش پشاور میں ہوئی۔ سول کوارٹرز میں پرائمری میں داخلہ ہوا۔ یہ سکول پہلے ایک مندر تھا لیکن 1947ء میں پارٹیشن کے بعد اس کو سکول میں تبدیل کر دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے سکول میں ایک بہت مضبوط بت بھی تھا جسے بڑی مشکل سے توڑا گیا۔

میٹرک اور ایف ایس سی

خاکسار نے میٹرک پشاور کینٹ سکول سے اور ایف ایس سی کا امتحان ایڈورڈ کالج پشاور سے 1961ء میں پاس کیا۔ پشاور کے سیف اللہ فیملی کے ہمایوں سیف اللہ اور پیپلز پارٹی کے فرحت اللہ خان بابر ہمارے کلاس فیلو تھے۔ فرحت اللہ خان کے والد کرامت اللہ بابر احمدی تھے لیکن بدقسمتی سے بچوں میں کوئی احمدی نہیں رہا سوائے بڑے لڑکے ارشاد اللہ خان بابر کے۔

خاندان میں نفوذِ احمدیت

خاکسار کے دادا چارسدہ صوبہ سرحد کے پہلے احمدی تھے آپ نے 1909ء میں بیعت کی لیکن احمدیت کی مخالفت کی وجہ سے حکومت نے نقل مکانی پر مجبور کیا اور آپ پشین بلوچستان تشریف لے گئے جہاں اُن کے بھائی رہتے تھے۔ آپ نے ساری عمر بلوچستان میں گزاری اور میرے والد صاحب کی پیدائش بھی بلوچستان میں ہوئی۔

داداجان کی پشاور منتقلی

1946ء میں میرے داداجان والد صاحب کے اصرار پر پشاور منتقل ہو گئے کیونکہ داداجان کے بڑے بیٹے جوانی میں فوت ہو گئے تھے اور بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اس لئے آپ بلوچستان میں اکیلے رہ گئے تھے۔ پشاور میں داداجان کا قیام ہمارے گھر پر تھا۔ میرے داداجان بہت خوش شکل اور نورانی بزرگ تھے۔ سرخ و سپید رنگت اس پر سفید براق داڑھی آپ کی بارُعب شخصیت کو چار چاند لگاتی تھی۔ آپ کا ملبوس ہمیشہ سفید شلوار قمیص، سر پر پشاوری پگڑی اور ہاتھ میں خوبصورت چھڑی ہوتی۔

داداجان اور قرآن کریم

خاکسار کو یسرنا القرآن کے ابتدائی اسباق میرے داداجان نے بہت پیار محبت سے پڑھائے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ داداجان ہمارے سول کوارٹرز کے گھر کے برآمدہ میں درس قرآن دیا کرتے تھے جس میں کافی مقامی احمدی احباب جمع ہوتے۔ داداجان کے پاس ایک بڑا قرآن شریف ہوتا تھا جس کے حاشیہ پر نوٹس لکھے ہوتے تھے۔ داداجان کا تفصیلی ذکر میرے والد صاحب کی کتاب حیات الیاس میں آچکا ہے۔

داداجان کی وفات اور نماز جنازہ

داداجان کی وفات 1948ء میں پشاور میں ہوئی اُس وقت میں 5 سال کا تھا اور مجھے داداجان کے جنازہ کا نظارہ ابھی تک یاد ہے۔ داداجان کا جنازہ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ نے پڑھایا جس میں احمدی احباب کی ایک کثیر تعداد شامل ہوئی تھی۔

قادیان کا پہلا سفر

1946ء میں خاکسار والدین کے ساتھ قادیان گیا تھا گو میں اس وقت تین سال کا تھا لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ ہم اپنے رشتہ دار مولوی عبدالرحمان صاحب کتب فروش کے ہاں ٹھہرے تھے اور اس دن بارش ہو رہی تھی۔

تقسیم ہند

1947ء میں تقسیم ہند کے ایام مجھے کافی حد تک یاد ہیں چونکہ فسادات شروع ہو گئے تھے اور انڈیا میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی خبریں آ رہی تھیں اس لئے اس کے ردّ عمل کے طور پر پشاور میں بھی کچھ واقعات ہوئے لیکن اکثر ہندوؤں اور سکھوں کو بحفاظت قلعہ بالا حصار لے جایا گیا اور وہاں سے بحفاظت بارڈر پار انڈیا منتقل کر دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارا گھر چونکہ ایک کنارہ پر تھا اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ میری پھوپھی بیگم عبدالرحمان خان آف اسماعیلہ کے گھر جو قریب تھا وہاں منتقل ہو جایا جائے کیونکہ ان کا گھر نسبتاً محفوظ جگہ پر واقع تھا۔ پھر ہم پیدل ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ والد صاحب بچوں کو لے کر آگے جا رہے تھے اور میری والدہ چند قدم پیچھے رہ گئیں اتنے میں چند مسلمان فسادیوں نے میری والدہ کو روک لیا کہ یہ بھی ہندو ہے اور برقع میں ملبوس ہے۔ میری والدہ نے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اتنے میں میرے والد صاحب کی توجہ ہوئی تو فوراً پلٹ کر واپس ہوئے اور والدہ کو چھڑا لیا۔ الحمد للہ! اللہ نے فضل کیا۔ خاکسار کو ہندوؤں کی تین چار لاشیں بھی پڑی نظر آئیں جو میرے لئے بہت خوفناک نظارہ تھا لیکن جلد ہی مقامی خوانین نے یہ فسادات رکوا لئے اور مزید نقصان نہیں ہوا۔

نماز سنٹر

سول کوارٹرز پشاور میں احمدیوں کے تقریباً پندرہ گھرانے تھے اور ابھی مسجد بھی نہیں بنی تھی اس لیے بڑا گھر ہونے کی وجہ سے میرے نانا محمد خواص خان صاحب مرحوم کے ہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت پڑھی جاتیں جن میں کافی تعداد میں احمدی احباب شامل ہوتے۔

مسجد سول کوارٹرز کی تعمیر

سول کوارٹرز کی مسجد کی تعمیر میں ہمارے نانا مرحوم کا بہت ہاتھ تھا جس کا تفصیلی ذکر والد صاحب نے اپنی کتاب عبد السلام میں کیا ہے۔ یہ مسجد 1952ء یا 1953ء میں تعمیر ہوئی۔

مجھے یاد ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے وقت غیر احمدیوں کی طرف سے شدید مخالفت تھی۔ مولوی لوگ کافی تعداد میں ٹانگوں میں آتے اور ساتھ میں بھاری بھاری کتابیں بھی لاتے۔

خاکسار کو یاد ہے مسجد کی تعمیر کے دوران ہمارے خدام کی ڈیوٹی ہوتی۔ قدوس خان بنگش اور صدیق خان بنگش اسلحہ کے ساتھ ڈیوٹی پر ہوتے اور مسجد کی حفاظت کرتے۔

خاکسار کو اس مسجد کی تقریب سنگ بنیاد کا نظارہ یاد ہے، بنیادی اینٹ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ نے رکھی اس کے بعد میں حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت صوبہ سرحد نے رکھی۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم میرے پھوپھا تھے۔

1953ء کے فسادات

1953ء کے حالات بھی خاکسار کو یاد ہیں۔ پورے ملک میں جماعت کی مخالفت کا بازار گرم تھا اور احمدیوں کی املاک اور مساجد جلائی جارہی تھیں۔ راولپنڈی کی مسجد بمع خادم مسجد جلا کر خاکستر کر دی گئی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہاں اس وقت خان عبد القیوم خان صاحب کی حکومت تھی اس نے مولویوں کو پر امن رہنے کا حکم دیا اور اس پر سختی سے عمل کرایا جس کی وجہ سے صوبہ سرحد میں نسبتاً امن رہا۔ مجھے یاد ہے ہماری سول کوارٹرز کی مسجد کے باہر جمعہ کے روز پولیس کی نفری کی ڈیوٹی ہوتی تھی اور بفضلہٖ تعالیٰ کوئی تکلیف دہ واقعہ نہیں ہوا۔ الحمد للہ۔

میری عمر اس وقت تقریباً 10 سال تھی مجھے یاد ہے کہ ہمارے ہمسائے میں ایک غیر احمدی لڑکا بلند آواز سے اپنی ماں سے کہہ رہا تھا اُمی "کل قادیانیاں دا قیمہ بڑانہ ہے۔" میں یہ سن کر گھبرا گیا لیکن میری اُمی جان نے مجھے تسلی دی کہ ان شاء اللہ کچھ نہیں ہو گا۔

بزرگان کی رہائی

ایک دن ہم کھیل رہے تھے کہ میرے والد صاحب بہت خوش خوش ہمارے پاس آئے اور ہمیں چاکلیٹ دی کہ آج حکومت نے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو جیل سے آزاد کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے ان بزرگوں کو بے قصور گرفتار کر کے جیل کی سزا دی تھی۔

گھر کا ماحول نیز الفضل اور دیگر جماعتی رسائل

ہمارا گھریلو ماحول بفضلہٖ تعالیٰ خالص دینی تھا۔ خاکسار نے قرآن شریف ناظرہ گھر پر اپنے والدین سے پڑھا۔ والد صاحب باقاعدگی سے نمازوں کے لئے مسجد ساتھ لے جاتے اور ہمارے گھر پر نمازِ فجر کے بعد بلاناغہ قرآن پاک کی تلاوت ہوتی۔ نیز ہمارے گھر پر الفضل کے علاوہ دیگر جماعتی رسالہ جات بھی آتے تھے جنہیں ہم سب بڑے شوق سے پڑھتے۔

ترجمہ قرآن کریم

خاکسار نے قرآن پاک کے ابتدائی پاروں کا ترجمہ مولانا چراغ دین صاحب مرحوم سے پڑھا۔ مولوی صاحب سے ترجمہ پڑھنے کے لیے خاکسار سائیکل پر روزانہ تقریباً چار میل پشاور شہر کی مسجد واقع محلہ گل بادشاہ جی جاتا۔ مولوی صاحب بے حد توجہ، پیار اور محنت سے ترجمہ پڑھاتے اور ہر لفظ کے معانی اچھی طرح سمجھاتے۔ بعد میں بھی مولوی صاحب کا خاکسار کے ساتھ پیار محبت کا سلوک جاری رہا۔ بہت پیار کرنے والے، نیک اور دعا گو بزرگ تھے۔ اللہ غریق رحمت کرے اور درجات بلند کرے۔ آمین

اطفال الاحمدیہ کی کلاسز

سول کوارٹرز کی مسجد میں باقاعدہ اطفال کلاسز ہوتیں اور ہمارے مربیان ہمیں پڑھاتے تھے ان میں خاص طور سے مولوی محمد صدیق صاحب اور مولوی رحمت اللہ صاحب پٹھان یاد ہیں۔

قابل ذکر ہم عمر دوست

سول کوارٹرز میں اللہ کے فضل سے ہم عمر احمدی لڑکوں سے دوستی رہی ان میں منیر احمد خان انجینئر

حال امریکہ اور منیر احمد پائلٹ پی آئی اے قابل ذکر ہیں۔

کالج میں داخلہ

ایڈورڈز کالج میں 1959ء میں داخلہ لیا شروع میں انجنیئرنگ کے مضامین لئے لیکن والد صاحب کو شوق تھا کہ میں ڈاکٹر بنوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو دعا اور رہنمائی کے لئے خط لکھا۔ حضور ان دنوں بیمار تھے اس لیے والد صاحب نے مشورہ کے لئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ کو بھی خط لکھا جس پر حضرت میاں صاحب کا جوابی خط آیا جو میرے پاس آج تک محفوظ ہے کہ اگر لڑکا ہونہار ہے تو اسے ڈاکٹر بنائیں اس میں دین کی بھی اور انسانیت کی بھی خدمت ہے۔ اس کے بعد خاکسار نے اپنے مضامین بدل کر میڈیکل کروا دیئے۔

میڈیکل کالج میں داخلہ

1961ء میں خاکسار نے پشاور میڈیکل کالج میں داخلہ لیا جو ایک معجزہ اور دعاؤں کا نشان تھا اور 1966ء میں ایم بی بی ایس پاس کیا۔ یونیورسٹی قیام کے دوران پشاور میں ہمارے مربّی محمد اجمل شاہد صاحب تھے اور شمس الدین خان صاحب پشاور کے امیر تھے۔ ان دنوں ہمارے قائد محمد سعید صاحب انجنیئر تھے۔

کالج میں اعزاز اور دیگر احمدی طلبا

خاکسار کو بفضلہٖ تعالیٰ بطور صدر احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن خدمت کا موقع ملا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ کالج میں دیگر احمدی طالب علموں میں ڈاکٹر قاضی مسعود احمد حال شکاگو، کرنل عبدالودود خان حال لاہور اور ڈاکٹر انوار احمد حال شکاگو امریکہ، میجر صاحبزادہ مشتاق احمد حال پشاور، اردو اور پشتو کے معروف شاعر مبارک احمد خان چیف انجنیئر واپڈا حال لندن جو خاکسار کے بہنوئی بھی ہیں۔ انعام الحق چیف انجنیئر واپڈا، محمد نعیم راٹھور انجنیئر حال نیویارک امریکہ، ڈاکٹر کریم پاشا غیر مبایع ابن ڈاکٹر سعید احمد خان سابق امیر لاہوری جماعت، ڈاکٹر سفیر احمد غیر مبایع جو بعد میں بیعت کر کے احمدی ہو گئے تھے حال امریکہ۔

رجسٹرار صاحب

ان دنوں پشاور یونیورسٹی کے رجسٹرار مکرم احمد حسن صاحب آف ہزارہ احمدی تھے شروع میں کچھ عرصہ ہم اُن کے مکان پر نمازیں پڑھتے رہے بعد میں پروفیسر ڈاکٹر غلام اللہ صاحب فارسٹ کالج کے ہاں باقاعدہ جمعہ کی نماز شروع ہوئی لیکن مغرب اور عشاء کی نمازیں ہم ہوسٹل کے کمرے میں پڑھ لیتے تھے۔

غیر مبایعین طلبا اور نمازیں

ہمارے کچھ ہم جماعت غیر مبایع لڑکے بھی تھے جو غیر احمدیوں کے پیچھے نمازیں پڑھ لیتے تھے لیکن میں نے انہیں توجہ دلائی کہ یہ درست نہیں کیونکہ ہم نے مسیح موعود علیہ السلام کو مانا ہے اس لیے آپؑ کے کسی منکر امام کے پیچھے ہم نمازیں کیسے پڑھ سکتے ہیں جبکہ حضورؑ نے خود منع فرمایا ہے۔ چنانچہ میرے اس طرح توجہ دلانے پر انہوں نے ہمارے ساتھ نمازیں شروع کر دیں۔ نماز باجماعت کی امامت خاکسار کرواتا تھا۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی پشاور آمد اور یونیورسٹی میں لیکچر

1965ء میں جب خاکسار انٹر کالجیٹ تنظیم کا صدر تھا تو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ جو اس وقت صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ اور تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل بھی تھے، انصار اللہ کے اجتماع پر پشاور تشریف لائے تو ہم نے سوچا کہ یونیورسٹی میں حضور کا لیکچر کرایا جائے جس میں یونیورسٹی کے لیکچرار اور زیر تبلیغ طلبا کو مدعو کیا جائے۔ خاکسار نے محترم شمس الدین صاحب امیر جماعت سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے حضور سے پوچھا اور حضور نے بخوشی ہماری دعوت قبول فرمائی۔ الحمد للہ۔ یونیورسٹی میں مخالفت کے باوجود ہم نے پروفیسر ڈاکٹر غلام اللہ صاحب کے گھر پر لیکچر کا انتظام کیا۔ اس لیکچر میں پشاور یونیورسٹی کے رجسٹرار کے علاوہ کافی تعداد میں یونیورسٹی کے لیکچرار اور طالب علم شامل ہوئے۔ حضور کا خطاب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر تھا جو بہت مقبول ہوا۔ اللہ کے فضل سے یہ تقریب بہت کامیاب رہی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

لندن روانگی

1966ء میں MBBS مکمل کیا اور لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں ہاؤس جاب کے بعد 1967ء میں مزید تعلیم کے لئے لندن چلا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جون کا مہینہ تھا اور ہم پی آئی اے کے جہاز سے سفر کر رہے تھے۔ جب جہاز بغداد پہنچا تو ہمیں بتایا گیا کہ Middle East War شروع ہو گئی ہے اور جہاز کافی دیر بغداد ٹھہرنے کے بعد اُڑا اور جب جہاز Cyprus پہنچا تو ہم نے سکھ کا سانس لیا۔

برطانیہ میں قیام

لندن ائرپورٹ پر خاکسار کے کزن بشیر احمد خان رفیق صاحب لینے کو آئے تھے وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لندن مشن لے آئے۔ لندن چند دن قیام کے بعد خاکسار اپنے ماموں ڈاکٹر سعید احمد خان کے پاس ایڈنبرا چلا گیا، خاکسار نے پانچ سال انگلینڈ کے مختلف ہسپتالوں میں کام کیا جس میں Scotland, Norwich, Leeds, North Wales شامل ہیں۔

بطور GP

1972ء میں خاکسار نے Batley Yorkshire میں بطور GP یعنی جنرل پریکٹیشنر کام کیا اور 35 سال یہاں رہا۔

شادی خانہ آبادی

1972ء میں خاکسار شادی کے لئے پاکستان آیا۔ اللہ کے خاص فضل سے خاکسار کی شادی صاحبزادی امۃ الحیٔ دُرِّ ثمین صاحبہ بنت ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد مرحوم سے قرار پائی، میری بیگم حضرت مصلح موعودؓ کی پوتی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑ پوتی تھیں۔ ان کا وجود ہمارے خاندان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعاموں میں سے ایک خاص انعام تھا۔ اس پر ہم جتنا بھی اپنے مولا کا شکر ادا کریں کم ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ الفضل میں اس تقریب کی رپورٹ درج ذیل الفاظ میں شائع ہوئی:۔

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں شادی

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں شادی کی مبارک تقریب

ربوہ۔ 7۔اخاء۔ کل تیسرے پہر محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی صاحبزادی عزیزہ اَمۃ الحیٔ دُرّ ثمین سلمہا اللہ تعالیٰ کی شادی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ ان کا نکاح کل مسجد اقصیٰ میں خطبہ جمعہ سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مکرم ڈاکٹر حامد اللہ خاں صاحب آف لندن ابن محترم جناب عبد السلام خاں صاحب آف پشاور سے بعوض پندرہ ہزار روپیہ حق مہر پڑھا تھا اور اُن کے لئے دُعا کی خصوصی تحریک فرمائی تھی۔

کل پونے چار بجے شام محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی کوٹھی پر تقریب رخصتانہ عمل میں آئی جس میں افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام و بزرگان سلسلہ اور بیرونی جماعتوں کے متعدد احباب کے علاوہ ازراہِ شفقت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس مبارک تقریب کا آغاز افریقہ کے مخلص احمدی نوجوان مکرم عبد الوہاب بن آدم صاحب شاہدؔ سابق مبلغ گھانا نے تلاوت قرآن پاک سے کیا جس کے بعد مکرم چودھری شبیر احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اور مکرم عبد الحفیظ صاحب کھوکھر نے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدّ ظلّہا العالی کی دعائیہ نظمیں پڑھ کر سنائیں۔ آخر میں مکرم محمد احمد صاحب انورؔ حیدر آبادی نے ایک نظم حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی اور دوسری نظم جو مکرم چودھری محمد علی صاحب ایم اے نے صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب سلمہ اللہ ابن حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کی طرف سے لکھی تھی پڑھ کر سنائیں۔ آخر میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے لمبی اجتماعی دُعا کرائی اور اس طرح یہ تقریب بخیر و خوبی سرانجام پائی۔

ادارہ الفضل اِس مبارک تقریب پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ، حضور کی بیگم صاحبہ

مدّ ظلہا، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدّ ظلہا، حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدّ ظلہا، حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدّ ظلہا، حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ مدّ ظلہا، محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور آپ کی بیگم صاحبہ محترمہ، دیگر تمام افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور محترم جناب عبدالسلام خان صاحب اور ان کے خاندان کے تمام افراد کی خدمت میں دلی مبارک باد عرض کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس تعلق کو ہر لحاظ سے دونوں خاندانوں اور جماعت کے لئے خیر وبرکت اور یمن و سعادت کا موجب بنائے۔ دولہا اور دلہن کو (جو عنقریب لنڈن جارہے ہیں) اپنی خاص حفاظت اور امان میں رکھے اور زندگی کے ہر پہلو سے دینی اور دُنیوی دونوں لحاظ سے نیک نصیب بنائے اور ان سے خادم دین اور بااقبال نسل چلائے۔ آمین ثم آمین"

(روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ 7۔اخاء(اکتوبر)1972ء)

خاندان حضرت بانیٔ سلسلہ

بھائی کی شادی کی رپورٹ الفضل میں

احباب کو خوشی سے یہ خبر دی جاتی ہے کہ قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی نواسی مکرمہ امۃ الاعلیٰ ماہم صاحبہ (جو کہ محترم صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ اور مکرم شاہد احمد پاشا صاحب کی صاحبزادی ہیں) کی تقریب رخصتانہ مؤرخہ 24۔ دسمبر 1986ء کو بیت الکرام دارالصدر شرقی میں عمل میں آئی۔ عزیزہ مکرم حضرت نواب محمد عبد اللہ خاں صاحب اور حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی پوتی ہیں۔ عزیزہ مکرمہ کی شادی عزیزم مکرم حبیب اللہ خاں صاحب ابن مکرم عبدالسلام خان صاحب پشاور سے قرار پائی تھی۔ بارات پشاور سے ربوہ آئی اور 24۔ دسمبر 1986ء کو بعد از نماز عصر تقریب رخصتانہ منعقد ہوئی۔ تلاوت قرآن کریم مکرم قمر الدین صاحب طالب علم جامعہ احمدیہ

نے کی بعد ازاں مکرم بکر عبید صاحب نے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دعائیہ اشعار نہایت ہی خوبصورت ترنم کے ساتھ سنائے (مکرم بکر عبید صاحب تنزانیہ کے نہایت مشہور اور انتہائی مخلص احمدی مکرم امری عبیدی صاحب مرحوم سابق وزیر انصاف کے صاحبزادے ہیں) افریقہ کے ایک ملک کے نوجوان طالب علم کے منہ سے حضرت بانیٔ سلسلہ کے مقدس اشعار نہایت صحت وخوبی کے ساتھ سُن کر احباب پر وجد طاری ہو گیا۔ بعد ازاں محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب صدر مجلس تحریک جدید نے دُعا کرائی۔ تقریب میں ناظر صاحبان اور وُکلا صاحبان کے علاوہ خاندان حضرت بانیٔ سلسلہ کے افراد۔ اہل ربوہ اور دور ونزدیک سے آئے ہوئے احمدی احباب نے بڑی کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔

عزیزم مکرم حبیب اللہ خان صاحب اور عزیزہ صاحبزادی امۃ الاعلیٰ ماہم صاحبہ کا نکاح سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ نے لندن میں بتاریخ 15۔ نومبر 1986ء تیس ہزار روپے حق مہر پر پڑھا تھا۔ حضور نے خطبۂ نکاح میں آیاتِ مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ عزیزم مکرم حبیب اللہ خان صاحب ابن مکرم عبد السلام خان صاحب آف پشاور کا خاندان جماعت احمدیہ میں اپنے اخلاص کے مقام کی وجہ سے معروف ہے۔ یہ صوبہ سرحد کے ان معزز خاندانوں میں سے ایک ہے جنہوں نے آغاز ہی میں احمدیت قبول کی اور پھر نسلاً بعد نسلٍ پوری وفاداری سے اس پر قائم رہے۔ یہ خاندان اس لحاظ سے بڑا خوش نصیب ہے۔

حضور نے فرمایا: یہ بات مَیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگرچہ حضرت بانیٔ سلسلہ کے دعویٰ کے بعد بڑے معروف خاندانوں میں پنجاب کی نسبت سرحد میں احمدیت کا نفوذ زیادہ ہوا اور اس ابتدائی زمانہ میں صوبہ سرحد کا شاید ہی کوئی معروف خاندان ایسا رہا ہو جس میں احمدیت کا نفوذ نہ ہوا ہو۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ اس کی وجہ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کا اثر ورسوخ اور ان کا نیک اثر تھا۔ خصوصاً بنوں اور کوہاٹ کے علاقے میں بڑے بڑے معزز خاندانوں نے احمدیت قبول کی، اس میں صرف دولت کے لحاظ سے نہیں بلکہ شرافت، علم، مقامی اثر ورسوخ اور روایتاً معزز ہونے کے لحاظ سے معروف خاندان شامل تھے۔

حضور نے فرمایا کہ بد قسمتی سے اس صورت حال کو پہلا بڑا دھچکا اس وقت لگا جبکہ پیغامی جماعت کے

اختلافات کے نتیجے میں جماعت کے بہت سے لوگوں نے ٹھوکر کھائی لیکن چونکہ نظام قدرت ثانیہ سے باہر احمدیت کو سنبھالے رکھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے جس طرح بھیڑیں گلے سے باہر نکل کر ضائع ہو جاتی ہیں اس طرح سے مسلسل احمدی خاندان ضائع ہوتے رہے اور اب شاید ایسے خاندانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکے جو پورے خلوص سے پیغامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں اور ان میں سے جو ہیں بھی ان کی نسلوں سے خلوص اور تقویٰ رخصت ہو چکا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو دنیاداری کی وجہ سے احمدیت کے ساتھ منسوب ہونا عار خیال کرتے ہیں۔

حضور نے فرمایا:

احمدیت سے دوری کی دوسری وجہ یہ تھی کہ سرحد کے احمدی مخلصین نے روایتی طور پر اپنی بیویوں کو جھک کر احمدیت نہیں سکھائی اور جیسا کہ اس معاشرہ کا دستور تھا کہ عورت کو دین سکھانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی تھی اس لئے عورتیں عملاً غیر احمدی رہیں۔ ان کا رابطہ گھریلو کاموں سے سلسلے میں روایتی طور پر گاؤں کے دینی مُدرِّس سے ہوتا تھا جو اُن کا ملازم خیال کیا جاتا تھا۔ اس غیر احمدی مدرس نے عملاً غیر احمدی عورتوں پر اثر ڈال کر ان کی اولادوں کے دلوں سے احمدیت کی محبت نکال دی۔

حضور نے فرمایا:

ان سب بلاؤں کے باوجود جو خاندان نسلاً بعد نسلٍ پورے خلوص سے احمدیت کے ساتھ وابستہ رہے ہیں وہ یقیناً اعزاز کے مستحق ہیں اور اسی لئے مَیں نے اس خاندان کو خاص طور پر اعزاز یافتہ قرار دیا ہے۔

حضور نے صوبہ سرحد کے اس مخلص خاندان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس خاندان میں پہلے بھی ایک بچی گئی ہے اور اب دوسری بچی جا رہی ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ اگر پہلی بچی خوش نہ ہو تو خاندان والے دوسری بچی دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ پہلی بچی یہاں انگلستان کے صفِ اوّل کے مخلص احمدی مکرم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے گھر میں ہیں اُن کا نام امۃ الحیٔ ہے اور یہ میری بھتیجی ہیں۔ (محترمہ صاحبزادی امۃ الحیٔ صاحبہ محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی صاحبزادی ہیں)۔

حضور نے فرمایا: اس خاندان کے حالات، نیکی، تقویٰ اور اخلاص دیکھ کر اور صلہ رحمی کے تقاضے

پورے کرنے کی خوبی دیکھ کر خاندان حضرت بانیٔ سلسلہ کی دوسری بیٹی بھی ان کے چھوٹے بھائی کو دی جارہی ہے۔

حضور نے فرمایا: عزیزہ ماہم قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی خاص لاڈلی نواسی تھی اور حضور اکثر سفروں میں اسے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ حضور کے وصال کا اس پر خاص طور پر گہرا اثر تھا اور اس نے یہ صدمہ بہت محسوس کیا۔ مجھے بعض خطوط میں اس نے بہت ہی زیادہ جذباتی کیفیت کا احساسِ محرومی کا ذکر کیا۔ اس کو ماں سے بھی زیادہ نانی سے اور باپ سے زیادہ اپنے نانا سے تعلق تھا۔ بہر حال زندگی میں ایسے ابتلا تو آتے ہی رہتے ہیں۔ شادی نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی نئی زندگی میں محرومی کے سارے اثرات ختم کر دے اور دینی اور دنیاوی ہر دو اعتبار سے یہ رشتہ بہت بابرکت کرے۔ آمین

بعد میں حضور نے ایجاب و قبول کروایا اور فرمایا کہ لڑکی کے والد کی تحریک پر مَیں اس کی طرف سے وکیل ہوں اور چونکہ لڑکا بھی یہاں موجود نہیں اس لئے اس نے اپنے بڑے بھائی مکرم ڈاکٹر حامد اللہ خاں صاحب کو وکیل مقرر کیا ہے۔ ایجاب و قبول کے بعد حضور نے سب حاضرین سمیت دُعا کرائی اور دُعا کے بعد دولہا کے بھائی مکرم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کو مبارک باد دی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس رشتہ کو ہر جہت سے بہت سے فضلوں اور رحمتوں کا مورد بنائے۔ ہر دو خاندانوں کو اس رشتہ کے نتیجہ میں برکات سے نوازے اور ہر لمحہ و ہر آن اپنی محبت کے سائے میں رکھے۔ آمین

خاندانِ اقدس میں سرحد سے پہلی شادی

سرحد میں پہلا رشتہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ان کے صحابی غلام حسن خان صاحبؓ کی بیٹی کے ساتھ حضور کے صاحبزادے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ہوا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے بزرگ والدین کی دعاؤں کا ثمر ہے اور اللہ پاک کا خاص فضل ہے ورنہ خاکسار خود میں کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔ من آنم کہ من دانم۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شادی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بابرکت شمولیت

نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مسجد اقصیٰ میں پڑھایا اور شادی 6 اکتوبر 1972ء کو ہوئی۔ حضور نے خطاب کے دوران فرمایا کہ خاندان مسیح موعود پر دُہری ذمہ داری پڑتی ہے اور ان کا نمونہ دوسروں کے لئے قابل رشک ہونا چاہیے۔ شادی میں حضور نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور اس طرح خاندان مسیح موعودؑ کے دوسرے بزرگ بھی تشریف لائے۔

تقریب رخصتانہ

بہت پر رونق اور مبارک تقریب تھی۔ تلاوت محترم عبدالوہاب آدم صاحب مرحوم نے کی اور نظم مولانا عبدالحفیظ کھوکھر صاحب نے۔ تقریب کے بعد ہم بذریعہ چناب ایکسپریس پشاور کے لئے روانہ ہوئے۔

ہومیو پیتھک طریق علاج سیکھنے کی ترغیب

شادی سے پہلے خاکسار جب ربوہ میں تھا تو اُلٹیوں اور دست کی شکایت ہو گئی اور سخت بیمار ہو گیا اور جب دوسرے علاج ناکام ہو گئے تو حضور نے از راہ شفقت ہومیو پیتھک دوا بھجوائی جس کے استعمال سے خاکسار کو معجزانہ رنگ میں جلد شفا ہو گئی یہ حضور کی دعاؤں کا نشان تھا۔ صحت ہونے پر جب خاکسار حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضور نے تاکیداً فرمایا کہ میں لندن میں ہومیو پیتھک طریق علاج سیکھ لوں جس پر خاکسار نے ہومیو پیتھک سیکھنا شروع کیا اور لندن سے ہی ڈگری لی۔ اس کامیابی کے بعد چالیس سال سے اس کی پریکٹس کر رہا ہوں۔ الحمدللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی پاک صحبت

شادی کے بعد جب خاکسار جلسہ سالانہ کے ایام میں چھٹیوں پر پاکستان آتا تو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) جو اُس وقت ناظم وقف جدید تھے، ان کے ساتھ ان کے کلینک پر

بیٹھ کر حضور کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ الحمدللہ

لندن روانگی اور ازدواجی زندگی کی ابتدا

شادی کے بعد پاکستان میں دو ہفتہ قیام کے بعد ہم میاں بیوی لندن روانہ ہو گئے۔ ہماری ازدواجی زندگی کا آغاز یارک شائر میں ہوا۔ مجھے یاد ہے شروع میں ہمارے گھر میں معمولی فرنیچر کے علاوہ کچھ نہ تھا لیکن میری بیگم نے ان حالات میں بھی گزارہ کیا اور کوئی شکوہ زبان پر نہ تھا۔ ایک سال بعد ہم Mirfield میں اپنے ذاتی گھر میں منتقل ہو گئے۔ شروع شروع جب میں کام پر چلا جاتا تو میری بیگم گھر پر اکیلی رہتیں۔ چونکہ ربوہ میں ایک بھرے گھر سے آئیں تھیں اس لیے تنہائی، نئے ملک اور اجنبی ماحول کی وجہ سے ضرور بور بھی ہو جاتی ہوں گی لیکن مرحومہ نے کبھی اس کا اظہار نہ کیا بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتیں اور ہنسی خوشی وقت گزارتیں۔

اولاد

اپنے ذاتی گھر واقع Mirfield منتقل ہونے کے بعد نئے گھر کو بہت احسن طریق سے سنوارا۔ اس گھر میں 1973ء میں اللہ تعالیٰ نے پہلی بیٹی امۃ الولی اہلیہ محترم مرزا ناصر انعام احمد صاحب سے نوازا۔ الحمدللہ ہمارا بیٹا ڈاکٹر حماد خان اور بیٹی عطیۃ اللطیف صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا عدیل احمد صاحب اسی گھر میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی گھر میں چار بچے عطا فرمائے۔ الحمدللہ

1977ء میں ہم Batley کے بڑے گھر میں شفٹ کر گئے یہ گھر پہلے والے گھر کی نسبت بہت کشادہ تھا اور اس میں آٹھ بیڈ روم تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بابرکت آمد

1975ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ دن کسی صورت ہمارے لئے عید سے کم نہ تھا جب حضور انورؒ بیگم صاحبہ کے ہمراہ ہمارے گھر قدم رنجہ ہوئے۔ حضور کا قیام Lake District hotel میں تھا جو ہمارے گھر سے اڑھائی گھنٹہ دور تھا۔ حضور نے جمعہ کی نماز بھی ہمارے گھر پڑھی اور مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات کی

تفسیر بیان فرمائی۔ اس جمعہ میں تقریباً 10 افراد تھے۔

اس گھر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث دو بار تشریف لائے۔ ایک بار جب افریقہ کے کامیاب دورہ سے واپس تشریف لائے اور لندن میں نصرت جہاں آگے بڑھو الٰہی سکیم کا اجرا کیا تھا تو اس کے بعد تقریباً چار پانچ دن ہمارے ہاں قیام رہا۔ الحمدللہ

اللہ تعالیٰ نے مہمان نوازی اور خدمت کی توفیق دی اس کا سارا سہرا میری بیگم کو جاتا ہے جس نے دن رات ایک کیا اور خندہ پیشانی سے ہمہ وقت خدمت کی اور حضور انور کے سارے قافلے کا بہت خیال رکھا۔

محترم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور میری خوشدامن صاحبہ بھی ہمارے اس گھر پر تشریف لائی تھیں اور کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ ان کی لمبی لمبی نمازیں ابھی تک یاد ہیں۔

ایک ایمان افروز واقعہ

یہ ان دنوں کی بات ہے موبائل فون نہیں ہوتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے قافلہ کا انتظام میں نے ہڈرز فیلڈ مشن ہاؤس میں کیا تھا۔ ایک رات حضور بارہ بجے کے قریب اپنے کمرہ سے نیچے تشریف لائے اور پریشان لگ رہے تھے۔ حضور نے اپنے قافلہ کے بارے پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے؟ خاکسار اسی وقت کار میں مشن ہاؤس گیا تو دیکھ کر پریشان ہوا کہ بستر ناکافی تھے اور بعض مہمان سردی میں صوفے پر ہی آرام کر رہے تھے۔ حضور کو بذریعہ فون اطلاع دی۔ حضور بہت ناراض ہوئے۔ حضور نے بعض مہمانوں کو گھر لانے کی ہدایت فرمائی۔ خاکسار نے حکم کی تعمیل کی۔ ایسا لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورانور کو اپنے قافلے کا سارا منظر دکھا دیا تھا کیونکہ اس سے پہلے مجھے مشن ہاؤس سے کسی قسم کی اطلاع نہیں آئی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو اپنے سٹاف کا کتنا خیال تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بابرکت آمد

ہماری خوش قسمتی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کئی بار ہمارے ہاں اس گھر میں تشریف لائے حضور ہمارے گھر پر بہت پُرسکون ہوتے اور کئی دفعہ بیگم صاحبہ اور بچے بھی ساتھ ہوتے۔ حضور کے

سکیورٹی سٹاف کا انتظام بھی گھر پر ہی ہوتا اور پرائیویٹ سیکریٹری صاحب کے سٹاف کا قریبی احمدیوں کے گھروں پر انتظام کیا جاتا۔ ان سب کے لئے میری بیگم مرحومہ خود کھانے کا انتظام کرتیں اور اس میں بڑی خوش ہوتیں۔ اس طرح ہمارے بچے بھی اپنی والدہ کے ساتھ خدمت میں مدد کرتے۔ ہمارے ہاں قیام کے دوران خاکسار حضور انور کی خاص حفاظت کے لئے پولیس کو بھی اطلاع کر دیا کرتا تھا اور مقامی خدام بھی حفاظت کی خاطر پہرہ دیا کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خصوصی محبت اور بے تکلفی

مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے قبل ایک بار حضور انورؒ اپنی اہلیہ اور بیٹیوں کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لا چکے تھے اور اس وقت میری بیگم پاکستان میں تھیں تو خاکسار نے حتی الوسع خدمت کی لیکن اکثر اوقات بیگم صاحبہ یا حضور از خود کھانا بناتے۔

میری بیگم امۃ الحیٔ حضور انورؒ کی چونکہ بھتیجی تھیں اس لیے حضور میری بیگم کو پیار سے ”امتل“ کہہ کر پکارتے تھے۔ حضور کو میری بیگم کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند تھا خاص کر دھنیا گوشت تو فرمائش کر کے بنواتے تھے۔

خاص خدمت کی سعادت

ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جلسہ سالانہ کے بعد اپنے اہل و عیال اور پورے عملہ کے ساتھ تشریف لائے۔ رات ہمارے ہاں قیام رہا اگلے دن تفریح کے لئے سکاٹ لینڈ جانے کا پروگرام تھا، میری بیگم نے حسب معمول سب کے لئے کھانے اور رہائش کا انتظام کیا۔ جب صبح حضور سکاٹ لینڈ جانے کے لئے تیار ہوئے تو خاکسار اور میری بیگم نے نوٹ کیا کہ حضور، بیگم اور بیٹیوں نے اپنے ساتھ گرم کپڑے نہیں رکھے۔ خاکسار نے حضور سے عرض کیا کہ حضور سکاٹ لینڈ میں سردی ہوگی۔ اس پر حضور نے میرے سارے گرم کوٹ منگوائے اور ایک ایک کر کے پہنا اور اس میں سے ایک پسند آیا وہ ساتھ لے گئے۔ اسی طرح میری بیگم نے بیگم صاحبہ اور بیٹیوں کو اپنے اور اپنی بیٹیوں کے گرم کپڑے دیئے۔ جاتے ہوئے حضور نے بلا تکلف بیگم سے کہا کہ اتنا کھانا بچ گیا ہے اس کو کیا کرو گی؟ میری بیگم نے کہا کہ

علم نہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا ہم ساتھ لے جاتے ہیں۔ ہمارے کام آجائے گا ورنہ ضائع ہو جانا تھا۔ بعد میں سکاٹ لینڈ سے حضور کا خط آیا کہ ”یہاں ہم نے آپ کا پہنا بھی اور آپ کا کھایا بھی“ اس خط سے ہم سب بہت محظوظ ہوئے کہ الحمدللہ حضور کو ہماری کوئی ادا پسند آئی۔

حضور کی بے تکلفی کے مزید واقعات

ایک بار حضور کسی لوکل میٹنگ پر پارک شائر تشریف لائے اور قیام ہماری طرف تھا۔ جیسا کہ میں نے بتایا حضور کی طبیعت بہت بے تکلفی کی تھی، میٹنگ سے واپس تشریف لائے تو میری بیگم سے پوچھا ”امتل کیا پکایا ہے؟ کھانا دکھاؤ۔“ مزید فرمایا: ”میں نے اصل میں وہاں کھانا نہیں کھایا۔ مجھے وہاں کھانا پسند نہیں آیا۔“ بیگم نے سب کھانا حاضر کر دیا۔ حضور نے بے تکلفی سے ہر ڈونگے سے ڈھکن اُٹھایا اور ہر ایک میں سے ایک ایک نوالہ لیا۔ زہے نصیب! اللہ اللہ! ہم کتنے خوش نصیب ہیں!!

ہمارے گھر میں حضور کا کمرہ

حضور انور جب بھی ہمارے گھر تشریف لاتے تو چونکہ میری بیگم نے پہلے ہی سے حضور کے لئے اوپر کی منزل پر ایک کمرہ تیار کیا ہوتا تو بلا تکلف اوپر اپنے کمرے میں آرام کے لئے چلے جاتے اور فرماتے ”حامد! مجھے علم ہے میرا کمرہ کون سا ہے؟“

سادگی اور بے تکلفی کا پیارا انداز

ایک دفعہ جب حضور کا قیام ہماری طرف تھا، صبح کی نماز جو ہم اپنے گھر پر حضور کے ساتھ باجماعت ادا کرتے، نماز کے بعد ہم تھوڑی دیر آرام کے لئے سو گئے، جب ناشتے کا وقت ہوا تو میں نے بیگم کو جگایا تاکہ حضور کے ناشتے کا انتظام کریں۔ خاکسار نیچے گیا تو دیکھا کہ پیارے حضور اکیلے ناشتہ کر رہے تھے۔ مجھے حیران دیکھ کر فرمایا: ”حامد مجھے پتہ تھا کہ ناشتے کی چیزیں کہاں ہیں۔“ گویا حضور کی طبیعت میں بہت سادگی اور بے تکلفی تھی۔

حضور کی بیٹی کی شادی پر ہمارے گھر دعوت

حضور کی بیٹی مونا کی شادی خاکسار کے ماموں زاد مکرم کریم خان صاحب سے ہوئی۔ کریم خان آج کل international court of justice میں بہت کامیاب وکیل ہیں۔ میری بیگم نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میری خواہش ہے کہ ہم حضور کی اپنے گھر یارک شائر میں دعوت کریں۔ حضور نے از راہ شفقت یہ دعوت قبول کرتے ہوئے فرمایا: "امتل ہمارے ساتھ تقریباً پندرہ سولہ لوگ ہوں گے۔" میری بیگم نے کہا: "بہت اچھا۔"

چند دن بعد حضور انورؒ کا فون آیا اور بے تکلف انداز میں فرمایا:

"میرے خیال میں تعداد ساٹھ تک ہو جائے گی مشکل تو نہیں ہو گی؟"

بیگم نے کہا: "بالکل نہیں۔"

اس کے کچھ ہی دن بعد حضور کا فون آیا: "امتل اب تعداد ایک سو ہو جائے گی کیا خیال ہے؟" بیگم نے جواباً عرض کیا: "حضور جتنے بھی ہوں کوئی مسئلہ نہیں۔"

اصل میں اللہ کے فضل سے ایک صد پچاس کے قریب لوگ آئے جن میں خاندان کے بزرگ بھی شامل تھے۔ مجھے یاد ہے کہ محترم ایم ایم احمد صاحب اور محترمہ بیگم بی بی قیوم صاحبہ، محترمہ بی بی باچھی صاحبہ، محترم مرزا حمید احمد صاحب بمع محترمہ بیگم بی بی امۃ العزیز صاحبہ تھے۔ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز و بیگم صاحبہ یعنی خاندان کے کم و بیش پینتالیس احباب وخواتین تھے۔

حضور انورؒ نے دو دن ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ اس دعوت کے لئے میری بیگم کئی دن تیاری میں مصروف رہیں اور تمام کھانے اپنے ہاتھ سے بنائے۔ میجر محمود صاحب نے کئی بار مجھ سے اس دعوت کا ذکر کیا کہ ہم حیران تھے کہ بی بی نے اکیلے اتنی بڑی دعوت کا انتظام کیسے کیا؟

نمازِ فجر کے بعد حضور انورؒ نے خاکسار سے پوچھا: "ڈاکٹر صاحب آج آپ کے گھر پر کتنے لوگ رات ٹھہرے؟" خاکسار نے عرض کیا: "اندازاً ستّر لوگوں کا انتظام تھا۔" حضور انور نے خود کمروں میں بھی

جا کر دیکھا۔

تبلیغی نشست

اسی دعوت کے موقع پر ہمارے گھر پر بوسنیا کے زیرِ دعوت احباب کے ساتھ تبلیغی نشست بھی ہوئی جس میں ترجمانی کے فرائض میرے ایک Bosnian مریض نے ادا کئے۔ یہ نشست بہت کامیاب رہی اور میرے بیٹے حماد نے اس کی ریکارڈنگ بھی کی جو بعد میں MTA کو دے دی گئی۔

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب اور باربی کیو

اسی دعوت کے موقع پر حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس بھی مدعو تھے اور حضور نے BBQ کی ذمہ داری لی تھی۔ حضور انور سمیت سب احباب اس دعوت سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

ہمارے بیٹے داؤد احمد خان کی نمایاں کامیابی پر ایک مفید نصیحت

جب ہمارا بیٹا داؤد احمد A level میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا اور Cambridge میں اس کی سیلیکشن ہوئی تو خاکسار اور میری بیگم حضور سے ملاقات کے لئے گئے اور چاکلیٹ پیش کیا اور داؤد کی نمایاں کامیابی کا بتایا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور مبارکباد دی اور ساتھ فرمایا: ”ڈاکٹر صاحب داؤد کا رشتہ کر دیا ہے؟“ جس پر ہم حیران ہوئے۔ فرمایا: ”ڈاکٹر صاحب داؤد کے لئے مَل لیں“ یعنی پسند کر کے اس کے نام کر لیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور جلد داؤد کا رشتہ اس کے ماموں کے ہاں کر دیا۔ الحمدللہ داؤد کے پاس ہونے پر اس کی شادی ہو گئی اور الحمدللہ دونوں بہت خوش ہیں۔

عزیزم داؤد احمد خان کی کیمبرج میں معجزانہ کامیابی

عزیزم داؤد احمد خان نے جب کیمبرج میں پہلے سال کا امتحان دیا اور ایک پرچہ داؤد کے مطابق اچھا نہیں ہوا اور داؤد بہت پریشان تھا کہ کہیں فیل ہی نہ ہو جائے۔ اس وقت ہم دونوں میاں بیوی پُرتگال میں تھے۔ جب داؤد کے امتحان کا علم ہوا تو ہم نے داؤد کو فوراً اپنے پاس پُرتگال بلا لیا اور ساتھ ہی میری بیگم نے حضور انور کی خدمت میں دردمندانہ دعا کے لئے درخواست کی۔

پُرتگال میں ہم نے دیکھا کہ جیسے داؤد کو کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں اور ہمہ وقت یا تو پریشان رہتا یا سویا رہتا تھا۔ ادھر حضور کی دعاؤں کے ساتھ داؤد کی والدہ اور خاکسار نے بھی کامیابی کے لئے درد دل سے دُعائیں کیں اور داؤد کو تسلی بھی دی اور خود بھی اپنے لئے دعا کے لئے کہا۔ جب نتیجہ نکلا تو یہ سن کر بہت حیرانی ہوئی کہ حضور کی دعاؤں کے طفیل داؤد اس مضمون میں نہ صرف اعلےٰ نمبروں سے پاس ہوا بلکہ فرسٹ کلاس میں کامیاب ہوا۔ الحمدللہ

حضرت مسیح موعودؑ کی اَلَیْسَ اللّٰہ والی انگوٹھی کی زیارت

ایک موقع پر میرے والد محترم عبدالسلام خان صاحب مرحوم بھی ہمارے ہاں تھے مجھے یاد ہے کہ عصر کی نماز ہم نے حضور انور کی اقتدا میں پڑھی۔ نماز کے بعد میرے والد صاحب نے حضور سے عرض کہ کیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی دیکھ سکتا ہوں؟ حضور نے فرمایا کہ ہاں اور انگوٹھی اُتار کر والد صاحب کو دے دی۔ والد صاحب نے کافی دیر یہ انگوٹھی اپنے ہاتھ میں پہنے رکھی اور پھر واپس کر دی۔ یہ محض حضور انور کی شفقت تھی۔

احمدیت کی نئ صدی کی پہلی نمازِ جنازہ

میرے والد صاحب عبدالسلام خان کی وفات 22 مارچ 1989ء کو ہوئی اس لئے میرے والد صاحب کو یہ اعزاز ملا کہ نئ صدی کی پہلی نمازِ جنازہ میرے والد صاحب کے حضور نے اسلام آباد Surrey میں ادا فرمائی۔ والد صاحب کی وفات پر حضور کا افسوس کا فون آیا اور حضور نے فرمایا:

> ”ڈاکٹر صاحب! آپ کے والد صاحب کا بہت افسوس ہوا۔ بہت ہی افسوس ہوا۔ ان کے جذبات کا اظہار ان کے خطوط میں ہوتا تھا۔“ مزید فرمایا کہ: ”کوشش کریں کہ والد صاحب کا جنازہ لندن لے آئیں میں جنازہ خود پڑھاؤں گا۔“

اللہ کے فضل سے سارے مراحل بآسانی طے ہوئے اور حضور انور نے نہ صرف والد صاحب کا جنازہ پڑھایا بلکہ نئ صدی کے پہلے خطبہ میں والد صاحب کا بہت پیارے الفاظ میں ذکر بھی کیا۔ الحمدللہ

جنازہ کے بعد مجھے چودھری انور کاہلوں صاحب نے خود کہا کہ کاش آج خان صاحب کی جگہ میں

ہوتا۔ خان صاحب بہت خوش قسمت ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی عنایات

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے کئی بار ہمارے گھر کے لان میں باجماعت نمازیں پڑھائیں جس میں کافی تعداد میں احمدی احباب شامل ہوئے۔

ہمارے گھر کے پچھلے لان میں ایک مضبوط جھولا (swing) تھا جس پر حضور نے خود بھی جھولے لئے اور ہمارے ہاں آئے ہوئے انگریز نواحمدی کی بیٹی اور Bosnian احمدی لڑکے Emir کو بھی جھولا جھلایا اس مبارک موقع کی تصاویر بھی موجود ہیں۔

ہمارے Batley والے گھر کے لان کے بنچ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز Bosnian بچے Emir کے ساتھ تصاویر بھی ہیں۔

ہماری اولاد

1۔ عزیزہ امۃ الولی نورالعین ہماری سب سے بڑی بیٹی ہے۔ ہماری بہت ہی پیاری بڑی بیٹی کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے امۃ الولی رکھا اور حضرت صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم نے نورالعین کا اضافہ کرکے فرمایا: اس کو پیار سے عینی پکارنا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو میری بیگم سے بہت پیار تھا اور ''تلو'' کہہ کر پکارتی تھیں۔ عزیزہ امۃ الولی نورالعین کی شادی محترم صاحبزادہ مرزا ناصر انعام احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ ہوئی ہے اور ان کے 3 بچے ہیں۔ بڑا بیٹا مرزا رضوان احمد York university میں Law کا طالب علم ہے۔ دو بیٹیاں اریبہ اور امامہ ہیں۔

2۔ عزیزم ڈاکٹر قمر احمد حماد خان صاحب ہمارے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان کا نام قمر احمد رکھا اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے حماد بھی عطا فرمایا۔ عزیزم حماد آج کل لندن میں کنسلٹنٹ ہیں۔ ماشاء اللہ جماعتی کام میں MTA اور ہیومینٹی فرسٹ میں اللہ کے فضل سے خدمت بجالا رہے ہیں۔ حماد کی شادی اپنے ماموں مرزا عمر احمد تانی کی بیٹی ڈاکٹر فریحہ سے ہوئی ہے جو آج کل صدر لجنہ اماء اللہ برطانیہ ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیاں سبیکہ، شکیبہ اور سایدہ عطا فرمائی ہیں۔

3۔ عزیزہ عطیۃ اللطیف ہماری دوسری بیٹی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے عزیزہ کا نام تجویز فرمایا تھا۔ عزیزہ نے Leeds University سے BSC Hons کیا۔ عزیزہ کی شادی صاحبزادہ مرزا عدیل احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب مرحوم سے ہوئی۔ ان کے 3 بچے ہیں: مرزا ادیب احمد وقف نو، مرزا اوید احمد اور ایک بیٹی ابیل۔ محترم صاحبزادہ مرزا عدیل احمد بفضلہٖ تعالیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں نائب مشیر قانونی کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

4۔ عزیزم داؤد احمد محمود خان صاحب ہمارے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ ان کی شادی اپنے چھوٹے ماموں صاحب زادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی بیٹی عزیزہ عطیۃ السلام آمنہ صاحبہ سے ہوئی ہے۔ عزیزم داؤد احمد وکیل ہیں اور آج کل لندن کی ایک Legal firm میں پارٹنر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو بچوں سے نوازا ہے بڑی لڑکی امۃ السبوح وقف نو ہے اور بیٹا بشیر الدین ہے۔ داؤد بھی ہیومینٹی فرسٹ اور MTA کے پروگراموں میں حصہ لیتے ہیں۔

سارے بچے بفضلہٖ تعالیٰ بہت نیک اور خدمت گزار ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مزید خدمت دین کی توفیق دیتا رہے، اور ہماری اولاد اور اولاد در اولاد کو خلافت حقہ سے وابستہ رکھے۔ آمین۔

خاکسار کی جماعتی خدمات

یارک شائر میں پینتیس سال قیام کے دوران ہمارا گھر ہمیشہ نماز سنٹر رہا۔

خاکسار اللہ کے فضل سے لمبا عرصہ صدر قضا بورڈ برطانیہ رہا۔

خاکسار نے ریجنل قائد خدام الاحمدیہ نارتھ ریجن، ریجنل ناظم انصاراللہ اور امیر نارتھ ریجن کے طور پر بھی خدمت کی توفیق پائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

مجھے یاد کہ خدام الاحمدیہ نارتھ کے ایک اجتماع پر خاکسار کی درخواست پر حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خانؓ صاحب کو بھی مدعو کیا اور حضرت چودھری صاحب نے خدام سے خطاب بھی فرمایا۔

تبلیغ کا شوق

خاکسار کو اللہ کے فضل سے تبلیغ کا شوق وراثت میں ملا اور میری بیگم نے بھی ہمیشہ میرا بھرپور ساتھ

دیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہماری کوششوں کو پھل بھی لگتا رہا۔ الحمدللہ

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے پانچ انگریز، چار Bosnian اور تین پاکستانیوں کو آغوشِ احمدیت میں لانے کی توفیق عطا فرمائی۔

بوسنین خاندانوں کی خدمت

جب Bosnian مسلمانوں پر ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جماعت کو ہدایت فرمائی کہ حتی الوسع ان مہاجرین کی امداد کریں۔ یہ لوگ بہت ہی کس مپرسی کی حالت میں انگلینڈ آئے۔ ان کے پاس نہ کھانے کو کچھ تھا اور نہ پہننے کو ایسے حالات میں بفضلہٖ تعالیٰ خاکسار اور میری بیگم کو بھی کئی Bosnian خاندانوں کی خدمت کی توفیق ملی۔ الحمدللہ

ایک اہم بوسنین فیملی

ایک بار تین افراد پر مشتمل ایک بوسنین فیملی کا سنا جو بے حد مشکل حالات میں سکاٹ لینڈ پہنچی تھی۔ ان سے رابطہ پر ان کی تکالیف کا علم ہوا۔ ہم نے کوشش کر کے اس فیملی جس میں ماں، بیٹی اور چھوٹا بیٹا تھے کو اپنے علاقہ میں یارک شائر منتقل کر کے ان کے لئے علیحدہ گھر کا بھی انتظام کیا۔ الحمدللہ یہ خاندان بعد میں احمدی ہو گیا۔ چونکہ لندن میں حضور کے خطبات کے Bosnian زبان میں تراجم کی ضرورت تھی اس لئے حضور انور کے ارشاد پر اس فیملی کو لندن بھجوا دیا۔ الحمدللہ یہ خاندان جماعت کی خدمت میں پیش پیش ہے، ماں اور بیٹی MTA میں ترجمانی اور بیٹا بھی MTA میں کام کر رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو دعائیہ خط

ہماری بار بار کی کوششوں کے باوجود ہمیں جب کوئی پھل نہ مل رہا ہوتا تھا تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں دعا کے لئے خط لکھتے کہ حضور تبلیغی کوششوں کے باوجود کوئی پھل نہیں مل رہا۔ اس پر حضور کا ایک بار فون آیا کہ "ڈاکٹر صاحب آپ کی فارہ (Bosnian جس کا نام Fahra Avdic) سو پر بھاری ہے۔"

Batley میں مخالفت اور احمدیوں پر تشدد

ہماری جماعت کی تبلیغی میدان میں ترقی سے گھبرا کر غیر احمدیوں نے ہماری مخالفت تیز کر دی۔ انہی دنوں جماعت کوشش کر رہی تھی کہ ہمارا اپنا سکول ہو اور گورنمنٹ بھی کچھ سکول پرائیویٹ ملکیت میں دینے پر رضامند تھی۔ بیٹلے میں بھی ایک سکول جماعت کے زیر غور آیا اور اس کے لئے کوشش بھی کی گئی لیکن غیر احمدیوں نے اس کی بھی مخالفت کی۔ انہی دنوں مولانا دوست محمد شاہد صاحب یارک شائر آئے ہوئے تھے، ہماری Spenvalley جماعت نے محترم مولانا صاحب سے درخواست کی 19 اگست 1985ء کو جلسہ سیرت النبیؐ رکھ دیا۔ ہم نے اس جلسہ کے لئے کونسل سے ایک مقامی سکول کرایہ پر لیا لیکن غیر احمدیوں کی طرف سے فساد کے ڈر سے کونسل نے یہ اجازت واپس لے لی۔ اس کے بعد ہمیں کونسل سے Batley میں Town hall لینے کی اجازت مل گئی۔ جب ہم نے سارے انتظام مکمل کئے اور انگریز اور غیر احمدی مہمانوں کو مدعو کیا تو عین وقت پر کونسل نے بغیر وجہ کے اجازت کینسل کر دی۔ یہ ہفتہ کا دن تھا۔ میرے ماموں محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بمع اپنی بیگم سلمیٰ مبارکہ اور ہمارے ایک انگریز احمدی دوست بمع اپنی بیگم Town Hall کے سامنے اس مقصد کے لئے کھڑے ہو گئے تاکہ آنے والے مہمانوں سے معذرت کریں کہ میٹنگ منسوخ ہو گئی ہے۔

ہم نے کچھ دوستوں کو جن میں ہمارے نو احمدی پاکستانی دوست محمد صدیق اور ہمارے چار طفل میرے دونوں بیٹے حماد اور داؤد نیز محترم ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے بیٹے عارف احمد اور عابد احمد شامل تھے، انہیں Batley School کے قریب جہاں پہلے جلسہ ہونا تھا کھڑا کر دیا تاکہ یہاں بھی آنے والے مہمانوں کو معذرت کی جاسکے۔ جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ غیر احمدی فسادیوں نے ہمارے بچوں پر کار چڑھانے کی کوشش کی اور چونکہ ہمارا گھر قریب ہی تھا اس لیے یہ بچے بڑی مشکل سے جان بچا کر گھر پہنچے۔ ہمارا بڑا بیٹا اس وقت تقریباً پانچ سال کا تھا۔ اللہ نے اپنا فضل فرمایا اور ہمارے سارے بچے محفوظ رہے۔ الحمدللہ

دھمکی آمیز فون

جب میں گھر پہنچا تو میری بیگم نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر قبل کسی غیر احمدی کا فون آیا تھا اور اُس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا:

"Mrs. Khan! You live in our Batley, one day you wake up and find yourself and your daughter dead".

میری بیگم نے بڑی تسلی سے جواب دیا:

"If I am dead how do I wake up"?

اس جواب پر اس شخص نے شرمندہ ہو کر فون بند کر دیا۔

خاکسار پر حملہ اور میرا اعزاز

ان حالات کے پیشِ نظر میں نے مناسب سمجھا کہ لوکل پولیس کو اطلاع کر دی جائے۔ چنانچہ قریبی پولیس تھانہ میں اطلاع کر دی۔ تھانے سے واپسی پر میں نے دیکھا کہ کچھ غیر احمدی میرے ماموں ڈاکٹر سعید احمد خان اور ممانی سلمیٰ کے ساتھ بد تمیزی کر رہے ہیں اور مکّے بھی مار رہے ہیں۔ خاکسار اپنی کار روک کر ان کی مدد کو پہنچا۔ ایک غیر احمدی مجھے دیکھ کر زور سے چلّایا کہ یہ ڈاکٹر خان ہے۔ اس پر غیر احمدی میری طرف بڑھے، کار کو توڑنا شروع کر دیا اور کلمہ طیبہ کا سٹکر بھی نوچ لیا۔ چند لوگوں نے مجھ پر مکّوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ ایک مُکّا میرے سر پر اتنے زور سے لگا کہ میں زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ ختم نبوت کے نام نہاد ٹھیکیدار مجھے بے ہوشی کی حالت میں بھی بے تحاشا مار رہے تھے یہاں تک کہ میرے سر اور چہرے سے خون بہہ نکلا۔ اُدھر ایک بہت بڑا ہجوم حضرت مسیح موعودؑ اور جماعت کو گالیاں دے رہا تھا، ہلڑ بازی اور نعرے بازی بھی کرتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد اور ممانی سلمیٰ نے اپنی کار کی طرف جاتے جاتے مڑ کر دیکھا کہ مجھے مار پڑ رہی ہے تو ممانی نے میرے ماموں کو کہا I think they have got Hamidullah میرے ماموں اور ممانی مجھے بچانے کے لیے دوڑے تو دیکھا کہ میں زمین پر گرا ہوں اور سب مجھے مار رہے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک انگریز نو احمدی دوست Numan Newman

آ گئے۔ نعمان صاحب جسیم، مضبوط اور طاقتور تھے سو انہوں نے چند مولویوں کو زور زور سے مُکّے مارے جس پر اللہ نے مخالف مولویوں کے دل پر خوف طاری کر دیا اور وہ نعمان صاحب کو National Front کا ممبر سمجھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ نیشنل فرنٹ ایشین کے خلاف انگریزوں کی ایک تنظیم ہے اور دونوں کے باہمی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بر وقت مدد تھی جو فرشتہ بن کر نازل ہوئی کیونکہ اس دن مقامی تھانے میں صرف دو پولیس والے موجود تھے جبکہ باقی پولیس اس دن مقامی فٹ بال میچ پر ڈیوٹی پر تھی۔ بڑی مشکل سے مجمع منتشر ہوا اور مجھے پولیس حفاظت کے لئے تھانہ لے گئی جو خوش قسمتی سے قریب تھا۔ خاکسار احمدیت کے لیے اس طرح مار کھانا اپنے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں سمجھتا۔

غیر احمدیوں کے خطرناک عزائم

غیر احمدی بہت بڑی تعداد میں قریبی شہروں Leeds, Bradford, Huddersfield سے جمع ہو گئے تھے اور ان کی پوری کوشش تھی کہ پولیس تھانہ پر حملہ کر کے مجھے نقصان پہنچائیں۔ ان میں سے چند ایک تو تھانے میں گھسنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ پولیس والوں کے لئے یہ سب کچھ غیر متوقع، غیر معمولی اور اچانک تھا اور باہر اتنا بڑا ہجوم نعرہ بازی کر رہا تھا۔ پولیس نے فوراً ایمبولینس بلائی لیکن یہ بے قابو لوگ اس کے راستہ میں کھڑے ہو گئے اور چند ایک تو ایمبولینس کے اوپر چڑھ گئے اور ایمبولینس کو تھانہ کے قریب نہ آنے دیا۔ چونکہ حالات بہت تیزی سے بے قابو ہو کر نازک صورت اختیار کر رہے تھے پولیس والوں نے reinforcement منگوائی۔ اتنے میں Riots police کی Vans پہنچ گئیں۔ ان بڑی Vans کی کھڑکیوں پر اور آگے پیچھے مضبوط metal rods لگے ہوتے ہیں۔ یہ Vans تھانے کے عقبی دروازے سے آئیں اور ہم سب کو دو Vans میں بٹھا کر قریبی شہر Wakefield کے Pindersfield ہسپتال لے گئیں کیونکہ غیر احمدی کاریں ہمارا تعاقب کر رہی تھیں۔ خاکسار کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی نیز سر اور چہرہ پر بھی چوٹیں آئی تھیں لیکن الحمدللہ کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔ بعد میں میری ناک کا آپریشن بھی ہوا۔ اس دوران میری بیگم گھر پر بچوں کے ساتھ پریشان تھیں کہ میں ابھی تک گھر واپس نہیں پہنچا کیا معاملہ ہے۔

ایک منظم مخالفت

غیر احمدی بچے جب سکول جاتے تو ہمارے گھر پر گند، پتھر اور انڈے پھینکتے اور آوازے کستے ہوئے جاتے۔ میرے بیٹے حماد نے بتایا کہ سکول میں غیر احمدی بچے انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ غیر احمدیوں کی مخالفت بہت منظم طریق پر کافی عرصہ جاری رہی۔

سی آئی ڈی پولیس آفیسر کی طرف سے تنبیہ

ایک دفعہ سی آئی ڈی پولیس کا افسر میرے پاس آیا کہ میں نے آپ سے ملنا ہے اور یہ بہت ضروری ہے۔ میں نے کہا کہ اب میں نے ضروری کام دوسرے کلینک جانا ہے لیکن وہ نہ مانا کہا کہ میں نے آج ہی ملنا ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ کو بتانا تھا کہ آپ کی جان کو خطرہ ہے اور یہ کہ میری اور ڈاکٹر سعید صاحب کے سر کی قیمت چالیس چالیس ہزار لگی ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ یہ آپ کی ذمّہ داری ہے خاکسار کیا کر سکتا ہے؟ اُس نے کہا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے گھر پر ایک panic button لگانا ہے کیونکہ کسی خطرہ کی صورت میں اس کو دبائیں پولیس فوراً آجائے گی۔ اس نے مزید کہا کہ میں ہر روز صبح کار چلانے سے پہلے کار کے نیچے دیکھ لیا کروں کہ کہیں کچھ پارسل تو نہیں لگا ہوا۔ خاکسار نے کہا کہ جہاں تک کار کو دیکھنے کا تعلق ہے چونکہ خاکسار کا کام ہے کہ گھروں میں جاکر مریض دیکھنا ہوتا ہے اس لئے یہ تو ناممکن ہے باقی panic button لگا دیا گیا۔ ویسے زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہمارا محافظ ہمارا خدا ہے وہ ہماری حفاظت کرے گا۔ ان شاء اللہ

مخالفت اور نفرت کی انتہا

مخالفت اور نفرت کا یہ حال تھا کہ اگر اتفاقاً کوئی پاکستانی فٹ پاتھ پر مجھے اپنی سمت آتے دیکھ لیتا تو رُخ بدل لیتا۔ خاکسار بطور GP کام کرتا تھا۔ میری سرجری یعنی کلینک پر گالی گلوچ اور دھمکی آمیز فون آتے تھے جو میری انگلش سیکرٹری سن کر مجھے بتاتی۔

انگلینڈ میں GP کی آمدن اس کی لسٹ پر مریضوں کی تعداد پر ہوتی ہے۔ میری لسٹ میں 2800

مریض تھے جس میں ایک ہزار کے قریب پاکستانی غیر احمدی تھے۔ لوکل مولویوں نے میرے پاکستانی مریضوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ چونکہ ڈاکٹر قادیانی ہے اس لئے اس سے علاج نہیں کروانا۔ یوں بہت سے مریض لسٹ چھوڑ گئے اور میری لسٹ کافی کم ہو گئی لیکن مقامی طور پر خاکسار کے علاوہ انگریز عیسائی ڈاکٹر تھے اور عموماً پاکستانی انگریزی نہیں جانتے تھے اس لئے انہیں چیک اپ کے لیے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایک مریض نے مجھے بتایا کہ مساجد میں باقاعدہ میرے خلاف میٹنگز ہوئیں اور لوگوں کو ڈاکٹر بدلنے پر مجبور کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح شاید ڈاکٹر تنگ آکر یہاں سے چلا جائے گا لیکن میں اپنے خدا کے قربان جاؤں کہ اس نے ہر قدم پر میری مدد کی۔

ایک مریض مجھے ملنے آیا تو میں نے اسے کہا: ”مولوی صاحب کو میرا ایک پیغام دے دیں کہ ڈاکٹر خان کہتا ہے کہ مولوی صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اگر آپ اس کے رازق ہیں تو پھر ڈاکٹر خان کا بھٹّا بیٹھ گیا لیکن اس کو بتائیں کہ ڈاکٹر خان کہتا ہے کہ میرا رازق میرا خدا ہے اس لئے مجھے کسی چیز کی پروا نہیں۔“

ہومیو پیتھک اور آکو پنکچر

خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر ہومیو پیتھک کی ڈگری انگلینڈ سے کی اور آکو پنکچر میں بھی ٹریننگ حاصل کی تھی اس لیے خاکسار GP کے علاوہ ہومیو پیتھک اور آکو پنکچر کی پرائیویٹ پریکٹس بھی کرتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی شان عجیب ہے کہ جب GP پریکٹس سے آمدن کم ہوئی تو میرے مولا نے میری پرائیویٹ پریکٹس تین گنا بڑھا دی۔ الحمدللہ

اللہ تعالیٰ کا فضل

ایک دن میری سیکرٹری کہنے لگی کہ میں اتنے مریضوں کو کیسے appointment دوں؟ اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سال نہ گزرا تھا کہ وہی پاکستانی مریض منتیں کر کے دوبارہ واپس لسٹ پر آئے اور خاکسار نے انہیں واپس لے لیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل، احمدیت کی برکت اور خلیفۂ وقت کی دُعائیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے سارے ارادے ناکام کر کے ہماری نہ صرف فرشتوں کے ذریعہ حفاظت فرمائی بلکہ مزید فضلوں سے نوازا۔ الحمدللہ

خطبہ جمعہ میں ذکرِ خیر

حضور انورؒ نے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کا ذکر بھی فرمایا اور مجھے فون کر کے صحت کا بھی پوچھا۔ Spenvalley میں صرف دس احمدی گھرانے تھے اور احمدیوں کی تعداد بہت کم تھی اس لیے حضور انور نے مجھے ہدایت فرمائی کہ اپنا گھر کسی صورت نہیں چھوڑنا اور نہ ہی کسی پر کیس کرنا ہے کیونکہ ہمارا بدلہ ہمارا خدا خود لے گا اور ہم نے ایسا ہی کیا۔

قابل رشک

ہمارے ایک رشتہ دار صاحبزادہ مرزا منیر احمد کا فون آیا کہ مفت میں شہیدوں میں نام کر لیا۔ لہو لگا کے شہیدوں میں نام پیدا کر لیا۔ اسی طرح ڈنمارک کے احمدی بھائی Mr. Hensen صاحب مرحوم کا فون آیا:

I want to see the first shaheed of UK

بعد میں انصار اللہ برطانیہ کے اجتماع کے موقع پر حضور نے خاکسار کو سٹیج پر بلا کر فرمایا:

"ڈاکٹر صاحب آپ کی ناک تو پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہے۔"

پارک شائر والا بابرکت گھر

پارک شائر والے گھر میں ہمارا قیام پینتیس سال رہا۔ ہمارا گھر ہر لحاظ سے بابرکت تھا کیونکہ یہاں تین خلفا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ خاندان اقدس کے دیگر کئی بزرگان تشریف لائے۔ ان میں سے چند ایک جو یاد ہیں ان کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب و بیگم صاحبہ

صاحبزادہ ایم ایم احمد صاحب و بیگم صاحبہ

صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب و بیگم صاحبہ

صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب و بیگم صاحبہ

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب و بیگم صاحبہ

صاحب زادہ مرزا مبارک احمد صاحب و بیگم صاحبہ

صاحب زادہ نواب مسعود احمد خان صاحب

حضرت چھوٹی آپا

بی بی قوسی اور بی بی روفی صاحبہ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اور بعد میں بھی دوبار تشریف لائے۔

لندن میں منتقلی

2007ء میں خاکسار کو جب دل کی تکلیف ہوئی تو خاکسار ریٹائرمنٹ لے کر لندن شفٹ ہو گیا۔ پچھلے 11 سال سے خاکسار باقاعدگی سے سردیوں میں دو یا تین ماہ کے لیے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں وقف عارضی کی توفیق پا رہا ہے۔ الحمد للہ

خاکسار کی بیگم کی اچانک بیماری اور وفات

اکتوبر 2016ء میری جان سے پیاری رفیقہ حیات جن کو میں پیار سے "بیگم صاحبہ" کہہ کر بلاتا تھا جگر کے کینسر جیسے موذی مرض سے بیمار ہوئیں۔ بہت علاج کیا، دعائیں کیں اور صدقات بھی دیئے اور خلیفہ وقت کو بھی باقاعدگی سے دعاؤں کے لئے لکھتے رہے لیکن تقدیر مبرم تھی اس لیے ڈیڑھ سال بیمار رہ کر اللہ کو پیاری ہو گئیں اور ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی عیادت

حضور انور دوبار بمع بیگم صاحبہ گھر پر عیادت کے لئے تشریف لائے۔ حضور کے تشریف لانے پر بیگم بہتر محسوس کرتیں اور جب آنے کی اطلاع آتی تو بے تابی سے انتظار کرتیں اور پوچھنے پر کہتیں کہ الحمد للہ میں ٹھیک ہوں۔

بخار سے معجزانہ نجات

فروری 2017ء میں میری بیگم کے جگر کا بڑا آپریشن ہوا اور اس کے بعد ضعف کی وجہ سے کافی بیمار ہو گئیں اور تیز بخار کی وجہ سے دو ہفتے ہسپتال میں داخل رہیں۔ بعض اوقات بخار بہت تیز ہو جاتا۔

ہسپتال میں مختلف قسم کی antibiotics بدل بدل کر دی جا رہی تھیں اور ڈاکٹر فکر مند تھے کیونکہ کمزوری مسلسل بڑھ رہی تھی۔ ایک دن صبح کے وقت مجھ سے کہا کہ حضور کو دعا کے لئے کہوں۔ خاکسار نے کہا کہ بیگم حضور کو باقاعدہ بیماری کی اطلاع دے رہا ہوں۔ بیگم نے کہا کہ نہیں حضور سے خود جا کر ملیں۔ خاکسار نے اسی وقت پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر فون کیا اور ملاقات کی درخواست کی۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے بتایا کہ حضور آج بہت مصروف ہیں اور ویسے بھی صبح صبح دفتری ملاقاتوں کا وقت ہوتا ہے۔ خاکسار نے سارا ماجرا سنایا جس پر اُنہوں نے فرمایا: ”اچھا میں کوشش کرتا ہوں آپ آدھ گھنٹہ تک آجائیں۔“ خاکسار جلد ہی پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد حضور نے اندر بلایا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے؟

میں نے بہت جذباتی لہجہ میں کہا کہ حضور امۃ الحیٔ کو دو ہفتہ سے بخار ہے اور علاج کے باوجود ٹھیک نہیں ہو رہا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب امۃ الحیٔ کو کہیں Hospital infection تو نہیں ہو گیا؟ خاکسار نے کہا کہ حضور ہسپتال میں روزانہ خون ٹسٹ ہو رہا اور scan بھی ہوئے Hospital infection تو نہیں لگتی۔

حضور نے فرمایا اچھا ڈاکٹر صاحب ملیریا کا علاج کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: ملیریا کا علاج کریں اور کچھ ہومیو پیتھک دوائیاں بتائیں۔ خاکسار کے پاس اُس وقت کاغذ قلم نہ تھا۔ حضور نے مجھے اپنا قلم اور کاغذ دیا کہ ڈاکٹر صاحب اس پر لکھ لیں۔ خاکسار نے دواؤں کے نام نوٹ کیے اور دفتر میں ہی سلیم صاحب نے اُسی وقت بنا کر دے دیں۔ اللہ جزا دے۔ خاکسار اُلٹے پاؤں واپس گیا اور بیگم کو ساری کہانی بتائی اور فوراً دوا شروع کر دی۔ اللہ کے فضل اور حضور کی دعاؤں کے طفیل چوبیس گھنٹے میں بخار اُتر گیا اور طبیعت نارمل ہو گئی۔ اس معجزانہ شفا پر ہسپتال والے بھی حیران تھے اور ایک دن بعد بیگم گھر آ گئیں۔ الحمدللہ۔

حضور انور کی فکر مندی طبیعت کی بحالی

حضور باقاعدگی سے بیگم کی صحت کے بارے پوچھتے رہے۔ حتیٰ کہ حضور جرمنی کے دورہ پر تھے وہاں سے محترم منیر جاوید صاحب کا فون آیا کہ حضور بی بی کی طبیعت کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔

اللہ اللہ حضور کی کتنی شفقت اور پیار تھا۔ میری بیگم کی طبیعت بہتر ہونے لگی اور ہم نومبر 2017ء میں سپین گئے۔ سپین میں Valencia اور Cordoba Mission houses گئے۔ طبیعت بہتر رہی۔ محترم مولانا کرم الٰہی صاحب کے صاحبزادہ ڈاکٹر منصور الٰہی صاحب اوران کی بیگم نے بہت سیر کرائی۔ اللہ تعالیٰ جزادے۔ آمین

وفات

جنوری 2018ء میں میری بیگم کی طبیعت زیادہ کمزور ہونا شروع ہو گئی اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا لیکن میری بیگم بہت ہمت والی تھیں اور اللہ پر مکمل یقین تھا۔ اس کے بعد بھی طبیعت میں نسبتاً بہتری آئی لیکن اپریل کے آخر میں زیادہ بیمار ہوئیں اور 6 مئی 2018ء کو یہ نیک وجود ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ دوست ان کی بلندی درجات کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی دعائیں ہم سب کو ہمیشہ پہنچتی رہیں۔ آمین

حضور انور کی دلجوئی

پیارے حضور نے شفقت فرمائی اور ستمبر 2018ء کے تاریخی دورۂ امریکہ اور گوئٹے مالا میں خاکسار کو قافلہ میں شامل کیا۔ جزاہ اللہ

حرفِ آخر

احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ میرا مولا مجھ سے بھی راضی ہو اور ہمیشہ اپنی امان میں رکھے، کبھی کسی کا محتاج نہ کرے اور انجام بخیر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حصہ پنجم
متفرق مضامین

پیارے والدین

مکرمہ صادقہ صاحبہ۔ اہلیہ مکرم مبشر احمد خان صاحب

بہت دن سے اپنے پیارے والدین کے حالات لکھنا چاہتی ہوں۔ ڈر لگ رہا ہے کہ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا احق پورا کر سکوں گی۔

عظیم والدین

میرے عظیم والدین جو محبت و قربانی کا پیکر تھے۔ محبت الٰہی میں سرشار رہتے تھے اور اپنی اولاد کی تربیت بھی انہیں خطوط پر کی۔ مالی طور پر نامساعد حالات میں ہم سات بہن بھائیوں کی ضروریات پورا کرنے اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہم سب کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ میری والدہ بی بی عائشہ (اماجی) نے گھریلو ذمہ داریوں کا سارا بوجھ خود اٹھا کر ہمیں اعلیٰ تعلیم کے لیے کالجز اور یونیورسٹی بھیجا۔ اباجی نے بھی تمام توجہ ہماری تعلیم و تربیت پر دی اور اپنی مالی مشکلات کو کبھی ہماری راہ کی رکاوٹ نہ بنایا۔ جہاں ہمیں ہر طرح کی تعلیم کی آزادی دی وہیں خلیفہ وقت کے احکام کی پابندی کا تاکیدی حکم دیا۔

میری تعلیم

بی ایس سی کے بعد جب میں نے ایم ایس سی میں داخلہ لینا چاہا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے مخلوط طرزِ تعلیم سے منع فرمایا۔ اباجی نے فرمایا کہ ایم ایس سی میں طرزِ تعلیم چونکہ مخلوط ہے اس لئے تم داخلہ نہیں لے سکتی۔ کم عمری، ناسمجھی اور پڑھائی کے شوق نے مجھے اس حکم کی وجہ سے بیمار کر دیا۔ میں بہت روئی تو اماں جی نے کہا کہ تم خود حضور کو خط لکھو اور اپنے حالات اور خواہش کا ذکر کر دو۔ کچھ روز بعد حضور کا جواب آیا کہ اگر آپ پردے کا خیال رکھ سکتی ہیں تو پھر آپ اپنی پڑھائی جاری رکھ سکتی ہیں۔ میں نے خوشی خوشی خط اباجی کو دکھایا تو مسکرائے کہ اگر حضور کی اجازت ہے تو پھر میں کیونکر روک بن سکتا ہوں؟

بڑی بہن طیبہ صاحبہ کا رشتہ

میری بڑی بہن طیبہ نے جب میٹرک پاس کیا تو ان کے لئے کوہاٹ سے رشتہ آیا۔ ظفر احمد جو ظہور خان بنگش کے بیٹے اور نواب محمد علی خان بنگش کے پوتے ہیں۔ رشتے کے بارے معلومات لی جا رہی تھیں تو معلوم ہوا کہ ظہور احمد خان احمدیت میں کمزور ہیں۔ اباجی نے حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب ایم اے کو اس بارے خط لکھا کیونکہ وہ ظہور خان صاحب کو ذاتی طور پر جانتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: کیا آذر سے ابراہیم پیدا نہیں ہو سکتا؟ اباجی نے جب رشتے کے بارے مزید معلومات کیں تو تسلی سے بخش حالات نہیں نظر آئے۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں اماں جی اور اباجی کی بہت بحث ہوئی۔ اماجی رشتہ دینے کے خلاف تھیں۔ اباجی کہتے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے الفاظ میرے لئے حکم کی طرح ہیں اور اب میں ان کے حکم سے رُوگردانی نہیں کر سکتا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی اولاد کی قربانی دینی پڑے۔ میری پیاری بہن طیبہ نے بھی اپنے والد کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔

اباجی کی قربانی رائیگاں نہیں گئی اور اللہ تعالیٰ نے طیبہ کو چار ہونہار اولاد سے نوازا۔ جو سب نیک احمدی ہیں اور ظفر بھائی جان اپنے خاندان میں واحد احمدی رہ گئے۔ اور اباجی کی بات کہ طیبہ کو میں نے احمدیت کے لئے وقف کر دیا تاکہ اس خاندان میں احمدیت کو قائم کریں، پوری ہوئی۔ ہماری پیاری بہن نے ہر طرح کی مالی مشکلات کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کیا اور کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

میرے محترم والد صاحب

آپ ایک مثالی بیٹے اور بھائی تھے۔ آپ کے والد صاحب جو پہلے کوئٹہ میں رہتے تھے (کیونکہ احمدیت قبول کرنے کے بعد مخالفت کی وجہ سے کوئٹہ ہجرت کی تھی) اباجی شادی کے بعد اپنے والدین کو اپنے گھر پشاور سول کوارٹرز میں لے آئے۔ دونوں کی بے پناہ خدمت کی۔ اماں جی ذکر کرتی تھیں کہ دفتر سے آنے کے بعد فوراً (داداجان) باباجی کو سلام کرتے اور پھر کھانا لے کر ان کے ساتھ کھاتے اور جماعتی مسائل پر گفتگو کرتے۔ دونوں باپ بیٹا خدا اور اس کے رسول کی محبت میں سرشار رہتے تھے اور جب بھی کوئی اچھی شے فروٹ وغیرہ گھر لاتے تو اپنے بچوں سے بھی پہلے والد صاحب کو پیش کرتے۔

کشمیر کی جنگ پر جانے سے رخصت

1947ء میں جب تمام نوجوان خدام کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حکم دیا کہ کشمیر جنگ کے لئے چلے جائیں تو باباجی نے کہا کہ آپ حضور سے کہہ دیں کہ میرے بوڑھے والدین ہیں اور میں ان کی خدمت کر رہا ہوں اس لئے مجھے اجازت دے دیں کہ میں جنگ پر نہ جاؤں تو کہا: کیونکہ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں ایک صحابی کے والدین بہت بوڑھے تھے اور ان کا کوئی سہارا نہ تھا تو رسول خدا ﷺ نے اس کو جنگ سے رخصت دے دی تھی۔ اباجی نے حضور کو لکھا اور اجازت مل گئی۔ اباجی کہتے تھے سوائے اس ایک درخواست کے کہ حضور کا حکم ماننے میں پیچھے رہوں میں نے کبھی کسی خلیفہ کے حکم پر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ مجھے کیا نقصان ہوتا ہے اور نہ اپنے کسی نقصان کی پرواکی۔ اگر یہ بزرگ والد صاحب کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی یہ خط نہ لکھتا۔

تقسیم ملک کے وقت مہاجروں کی امداد

تقسیم ہند کے وقت اباجی لاہور میں مہاجروں کی مدد کے لئے گئے۔ اباجی ذکر کیا کرتے تھے کہ گاڑی کے ایک ڈبے کا دروازہ کھولا تو خون کا دریا اس میں سے نکل رہا تھا اور ایک فرد بھی زندہ نہ تھا۔ صرف ایک بچے کے کراہنے کی آواز آرہی تھی جسے لاشوں کے بیچ میں سے نکالا۔

ایک توانا مرد

اباجی کو اللہ تعالیٰ نے بہت مضبوط جسمانی ساخت دی تھی اس لئے جہاں جسمانی کام کی جماعت یا دوسرے لوگوں کو ضرورت ہوتی وہاں پر خدمت میں پیش پیش ہوتے۔

ملازمت

پیارے اباجی واپڈا میں کام کرتے تھے۔ شادی کے بعد کوئٹہ سے پشاور آئے اور بڑے اباجی یعنی ہمارے نانا محترم محمد خواص خان نے کوشش کر کے PWD نوکری دلوائی۔ تو کہنے لگے کہ سنا ہے اس محکمے میں بالائی آمدن ہوتی ہے۔ کیا آپ مجھے کسی دوسرے محکمے میں نوکری دلوا سکتے ہیں؟ تو انہوں نے کوشش کر کے واپڈا میں بطور کلرک بھرتی کروایا۔ اپنے محکمے میں اپنے زُہد و تقویٰ کی وجہ سے ''مولانا'' کے نام سے

پہچانے جاتے تھے۔ جہاں دفتر میں دو بندوں کا قضیہ ہوتا تو آپ کے پاس آتے اور جب آپ کسی کے حق میں فیصلہ کرتے تو وہ ہر صورت اسے مانتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرے کو اتنا بارُعب بنایا تھا کہ آپ کے فیصلے سے کوئی رُو گردانی نہ کر سکتا۔

احمدی احباب کی خیر خواہی

اپنی نوکری کے دوران جہاں موقع ملتا احمدی نوجوانوں کو نوکری دلواتے کیونکہ اس زمانے میں بہت سارے گرڈ سٹیشن کھل رہے تھے بہت Vacancies نکل رہی تھیں اور ہر جگہ سپر نٹنڈنٹ انجینئر آپ کی کارکردگی اور ایمان داری سے متاثر ہو کر آپ کی مرضی سے بھرتی کرواتا اس لئے آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سینکڑوں احمدی نوجوانوں کو ملازمت دلوائی جن میں سے کچھ ملنے والے اب بھی ذکر کرتے ہیں۔

نوکری اور تربیت

ہر احمدی کو نوکری پر رکھواتے ہوئے ماہوار چندے کی باقاعدہ ادائیگی کا وعدہ لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بنوں میں بطور سپرنٹنڈنٹ تقرری کے دوران ایک احمدی نوجوان کو اس وعدہ پر نوکری دلوائی کہ باقاعدگی سے چندہ ادا کرے گا اور اپنے بوڑھے والد کو بھی کچھ رقم دیا کرے گا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے والد نے شکایت کی بیٹا مجھے کچھ نہیں دیتا۔ اباجی نے اس کے بیٹے کو بلایا اور اس پر سخت ناراض ہوئے۔ سامنے تو وہ کچھ نہ بولا مگر باہر جا کر مولویوں سے مل کر سخت مخالفت شروع کر دی اور لاؤڈ سپیکر پر مسجدوں میں اعلان کئے کہ واپڈا میں ایک احمدی سپرنٹنڈنٹ ہے جو کفر کی تعلیم دے رہا ہے اور اس کا قتل واجب ہے۔ جب مخالفت بہت بڑھ گئی تو محکمے نے اباجی کا تبادلہ راولپنڈی کروایا۔ اس شخص نے بعد میں اباجی پر جھوٹا مقدمہ کروا کر بہت تکلیف دی جس کا ذکر ایک الگ واقعہ ہے۔

غیر احمدی رشتہ داروں سے حسن سلوک

ابا جان غیر احمدی رشتہ داروں سے بھی بہت محبت کا سلوک کرتے۔ اباجی کے سوتیلے چچا اور تایا

جنہوں نے ہمارے دادا کی احمدیت کی بہت مخالفت کی تھی اور ان کی زمین اور جائیداد پر قبضہ بھی کر لیا تھا ان کے ساتھ بھی بہت محبت کا سلوک کرتے اور ہمیشہ خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے کہ دینی مخالفت کے باوجود دنیاوی معاملات میں عزیز و اقارب کا خیال رکھنا چاہیے۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتے تو ان کے لئے خاص کھانے کا انتظام ہوتا اور ان کی ضروریات کا خیال کرتے ان کی اولاد کی شادیوں میں اور ویسے بھی مالی مدد کرتے۔ ان میں سے کئی کو جہاں ممکن ہو سکا واپڈا میں بھرتی کروایا۔ اس حسن سلوک کی وجہ سے وہ احمدیت کی تعریف کرنے لگے۔

احمدی مہمانوں کی میزبانی

پشاور کی مسجد میں چونکہ کوئی مہمان خانہ نہ تھا اس لئے پشاور آنے والے احمدی مہمان ہمارے گھر رکتے۔ کراچی کے ایک بیگ صاحب جن کا پورا نام تو مجھے یاد نہیں ان کا تبادلہ پشاور ہو گیا تھا، مجھے یاد ہے کہ وہ سال بھر ہمارے گھر پر رہے۔ ہمارے گھر میں کل تین کمرے تھے۔ دو کمرے اکٹھے، صحن اور پھر صحن کے پار ایک الگ کمرہ تھا جسے ہم بیٹھک کہتے تھے۔ سات بہن بھائیوں پر مشتمل ہماری بڑی فیملی ان دو کمروں میں رہائش پذیر تھی اور بیٹھک جماعت کے مہمانوں کے لئے وقف تھی۔ اماں جی خندہ پیشانی سے ان مہمانوں کی خدمت کرتیں۔ بیگ صاحب کو اماں جی کے ہاتھ کے کریلے بہت پسند تھے جو اماں جی بہت محنت سے ان کے لئے بناتیں۔ رکنے والے ان مہمانوں سے کبھی کوئی معاوضہ نہ لیا جاتا تھا کیونکہ انہیں حضرت مسیح موعودؑ کے مہمان سمجھا جاتا تھا۔ ایک اور احمدی نوجوان کے گھر پر جگہ نہ تھی وہ امتحان کی تیاری کے سلسلے میں کچھ ماہ تک اسی بیٹھک میں رہائش پذیر رہے۔ اس طرح گاہے بہ گاہے رشتہ دار اور غیر رشتہ دار احمدی احباب اس بیٹھک میں رہائش پذیر ہوتے تھے۔

مسجد کے مہمانوں کا کھانا

سول کوارٹرز مسجد میں آنے والے مہمانوں کے لئے بھی کھانا ہمارے گھر سے جاتا۔ خاص طور پر افغانستان کے مہمان جب رکتے تو ہم ان کے لئے کھانا لے جاتے۔ ایک افغان مہمان جو مسجد میں کافی عرصہ رکے تھے۔ ہم نے ان سے قرآن کریم پڑھنے کے ساتھ ساتھ خوش نویسی بھی سیکھی کیونکہ وہ بہت

خوش خط لکھتے تھے۔

والدہ محترمہ

ہماری والدہ صاحبہ کا نام بی بی عائشہ تھا جو مردان کے پاس ایک چھوٹا سے گاؤں رشکئی کے خواص خان صاحب کی بیٹی تھیں۔ ناناجان (خواص خان صاحب) اماں جی کے نانا میر احمد خانؓ کے ذریعہ احمدی ہوئے تھے۔ میر اکبر خانؓ صاحب اور میر احمد خان صاحبؓ امی کے نانا اور نانا کے بھائی تھے۔ یہ دونوں بھائی حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔ ہماری نانی کا نام خدیجہ صاحبہ تھا۔ ہماری نانی کے تایازاد بھائی محمد سعید صاحب نے علی گڑھ سے Law کیا مگر عین جوانی میں فوت ہوئے۔ ناناجان ہماری نانی کے بھائی محمد سعید خان مرحوم آف مردان کو سکول کے دنوں میں پڑھایا کرتے تھے اور اس تمام خاندان کے ساتھ قریبی تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں احمدیت کی نعمت سے نوازا۔ ہماری نانی کی والدہ بہت بچپن میں وفات پاگئی تھیں۔ ان کی سکول کی تعلیم تو معمولی سی تھی مگر ان کے والد صاحب نے ان کے دل میں احمدیت کی محبت بھر دی تھی۔ چنانچہ نانی جان انتہائی نیک، ہمدرد اور شکر گزار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی ساری اولاد کے دل میں سلسلہ احمدیہ کی محبت جاگزیں کی۔ میری والدہ کو اپنی والدہ سے بے پناہ محبت تھی اور گھر میں بڑا ہونے کے ناطے اپنی والدہ کی ہر وقت خدمت کو اپنا اوّلین فرض سمجھتی تھیں۔ میری والدہ کو چھوٹی عمر سے دین کے ساتھ بہت لگاؤ تھا۔ انہوں نے بتایا: سات سال کی عمر میں میری آنکھ کا آپریشن ہوا اور جب مجھے ہوش آرہا تھا تو خیال آیا کہ یہ عیسائیوں کا ہسپتال ہے تو میں نے بے ساختہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم:

آؤ عیسائیو ادھر آؤ
نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ

ساری نظم ترنم سے پڑھنا شروع کر دی۔ سارے سٹاف نے بہت تعریف کی اور مجھے ایک گڑیا انعام کے طور پر دی۔

نانی جان کی سخاوت کے واقعات

ہماری والدہ بیان کرتی ہیں: نانی جان جنہیں ہم سب بھابھی کہا کرتے تھے بے حد سخی خاتون تھیں۔ ہر وقت غریبوں کی مدد کی ٹوہ میں لگی رہتی تھیں۔ پشاور سے مردان جا کر اپنے غریب رشتہ داروں کو عید سے ایک دو روز پہلے تحائف پہنچاتیں۔ کئی بار میں بھی ساتھ گئی اور کئی بار ماما جی سعید احمد صاحب کو ساتھ لے جاتی تھیں۔

گھی، چاول، سویاں، چینی جو چیزیں بھی گھر پر موجود ہوتیں اُنہی میں سے کچھ نکال کر مستحقین کو دیتیں۔ ایک دفعہ قریب ہی ایک سرائے تھی جس میں کافی لوگ رہتے تھے۔ صبح کے وقت لسّی بناتیں اور ان سب غریبوں کے برتن لائن میں لگے ہوتے اور ہر ایک کو اس میں سے حصہ دیتیں اور چائے کی پتی اور چینی کے لئے باری مقرر ہوتی۔ ہر ہفتے ایک گھرانے کو اپنے گھر کے لئے منگوائے ہوئے راشن میں سے نکال کر دیتیں۔

دوسری نانی جان

بڑے ابا جی نے دوسری شادی والدہ مظفر احمد سے کی تھی۔ ہماری دوسری نانی جوانی اور کم عمری کی وجہ سے اکثر ہماری نانی سے الجھ جاتیں تو ہماری بھابھی جواب دینے کے بجائے اپنے آپ کو قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف کر لیتیں اور ہمیشہ کہتیں کہ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا غصہ کم کرے۔ بعد میں دوسری نانی خود بھی ہماری نانی کے ان اوصاف کی تعریف کرتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے پوچھا کہ سنا ہے کہ آپ کی سوکن بھی ہے تو جواب دیا کہ پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ آپ نانی جان کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں ان الفاظ سے بہت محظوظ ہوئیں۔

نانی جان کا اندازِ تربیت و تالیف قلوب

نانی جان کا اندازِ تربیت و تالیف قلوب بھی جداگانہ تھا۔ قریبی دیہات میں جا کر احمدیوں کو تحائف تقسیم کرتیں، اُن کے رشتے احمدیوں میں کرواتیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر ان احمدیوں سے محبت نہ کی گئی اور ان کی اولادوں کے رشتے احمدیوں میں نہ کئے گئے تو پھر ان میں احمدیت نہ رہے گی۔ اس طرح ان

تمام احمدیوں کو سلسلہ احمدیہ کے بہت قریب لانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتیں۔

میاں محمد یوسف صاحبؓ صحابی مسیح موعودؑ کا واقعہ

نانی جان نے مردان کے ایک بزرگ صحابی حضرت میاں محمد یوسفؓ صاحب سے ایک بار وعدہ کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ان کی ملاقات کا انتظام کروائیں گی۔

بڑے بھائی حامد اللہ (لالہ جی) ان دنوں ایف ایس سی کا امتحان دے کر فارغ ہوئے تھے کہ بھابھی نے ان سے کہا کہ میں نے ان سو سالہ بزرگ صحابی سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں ربوہ بھیجنے کا انتظام کروں گی۔ تم اس وقت فارغ ہو ان کے ساتھ ٹرین میں ربوہ چلے جاؤ۔ لالہ جی چونکہ بہت فرمانبردار اور بھابھی (نانی) کے چہیتے نواسے تھے انہوں نے فوراً حامی بھر لی۔ حالانکہ ایک سو سالہ بزرگ جن کی بات بھی سمجھنا مشکل تھی سہارا دے کر لے جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

لالہ جی نے بتایا کہ جب گاڑی میں نماز پڑھنے کا وقت آیا تو میاں صاحب نے مطالبہ کیا کہ حامد اللہ کوئی سخت پتھر مجھے سجدہ کے لئے چاہیے۔ اب یہ نیچے اترے اور بھاگم بھاگ پتھر کی تلاش شروع کی۔ ادھر گاڑی کے نکلنے کا ڈر بھی تھا۔ آخر کسی طرح کوئی پتھر تلاش کر کے ان کے لئے لے آئے۔ گاڑی میں ان کے لئے کھانا لانا اور کھلانا۔ وضو کروانے کا ہر کام بہت خوشی سے کرتے رہے۔

ربوہ پہنچے تو امۃ الکریم آپا (پھوپھی زاد بہن) کے گھر رُکے۔ یہ بزرگ صحابی کسی اور کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ غسل کرتے۔ ہر وقت کہتے کہ وہ حامد اللہ جو میرے ساتھ آیا ہے کہاں گیا؟ اور ساتھ ہی دو چار سخت الفاظ، سست اور کاہل کے خطاب سے نوازتے مگر لالہ جی نے اس تمام سفر میں بہت خندہ پیشانی سے ان کی خدمت کی۔ ان کو خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ملاقات کے لئے لے گئے۔ انہوں نے حضور کو اورنگ زیب بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف دیا۔

جب پشاور واپس آئے تو مجھے یاد ہے ہمارے گھر میں غسل کیا تو کمزوری کی وجہ سے کانپنے لگے۔ کہا کہ مجھے وہ چیز دے دو جس میں ٹر آتا ہے۔ کوئی بھی ان کی مدعا نہیں سمجھ سکا۔ وہ کہنے لگے حامد اللہ کو بلاؤ۔ لالہ جی اتنے دن میں ان کی بولی سمجھنے لگ گئے تھے۔ کہنے لگے کہ ان کا مطلب ہے سویٹر۔ یہ بزرگ ربوہ

سے واپس آکر مردان اپنی بیٹی کے پاس ٹھہرے اور چند دن بعد وفات پاگئے۔ اس دوران لالہ جی کا ایف ایس سی کا نتیجہ نکل آیا۔ شاید سیکنڈ ڈویژن آئی تھی اور میڈیکل کالج میں داخلہ مشکل نظر آتا تھا۔ Waiting List پر نام آیا تھا۔ ابا جی کہہ رہے تھے: بیٹا مایوس نہ ہو۔ میری دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی اور اس سے پہلے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو ابا جی نے خط لکھا تھا۔ اور میڈیکل کے بارے میں مشورہ لیا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ اگر بچہ لائق ہے تو میڈیکل اچھا پروفیشن ہے، خدمت خلق ہے۔ ابا جی کہتے کہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ نے تمہارے متعلق یہ الفاظ کہے ہیں تمہیں ضرور میڈیکل میں داخلہ ملے گا اور میں اپنی دعاؤں سے خدا سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔

زندہ خدا کا نشان

ایک دن میاں صاحب کی بیٹی عین دوپہر کے وقت مردان سے آئیں۔ کہنے لگی کہ اس کے والد میاں صاحب اس کو خواب میں نظر آئے اور کہا کہ حامد اللہ اداس ہے جا کر اس کو تسلی دے دو کہ اس کا کام ہو جائے گا۔ وہ بتا رہی تھیں کہ انہوں نے اپنے پہلے خواب کو نظر انداز کیا تو ان کو اپنے والد دوسری مرتبہ خواب میں نظر آئے اور بہت ناراض ہو کر کہا کہ تم ابھی تک حامد اللہ کے پاس کیوں نہیں گئی؟ اور اس کو تسلی کیوں نہیں دی؟ اس لئے میں گھبرا کر اس قدر سخت گرمی میں بس میں بیٹھ کر اکیلی پشاور آئی ہوں کہ والد صاحب کا پیغام حامد اللہ کو پہنچا دوں۔ پوچھا: کیا واقعی حامد اللہ کو کوئی پریشانی ہے؟ اماں جی نے انہیں صورت حال بتائی اور میڈیکل میں داخلہ کا مسئلہ اور لالہ جی کی اداسی کا ذکر کیا۔ یہ ہمارے زندہ خدا کی ہستی کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے نیک لوگوں کی تکلیف اور دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی خدمتوں کا صلہ ان کو دیتا ہے۔ اس کے بعد بہت جلد معجزانہ طریق پر لالہ جی کا میڈیکل میں داخلہ ہو گیا۔

لالہ جی کی تبلیغی مساعی

لالہ جی نے بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو کبھی نہ بھلایا اور ساری عمر تبلیغ کی۔ میڈیکل کے دوران بھی یونیورسٹی میں احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور بہت سے کمزور احمدیوں کو جماعت کے قریب لائے اور کئی ایک کو تبلیغ کر کے سلسلہ میں داخل کرنے کا باعث ہوئے۔

بھائی یونیورسٹی سے تبلیغ کے لئے طلبا کو اپنے گھر لاتے اور اباجی سے ملواتے جہاں اباجی انہیں تبلیغ کرتے۔ چونکہ شاہین ٹاؤن والا ہمارا گھر یونیورسٹی کا احمدیہ سینٹر تھا اور وہاں باجماعت نمازیں ہوتیں۔ بہت سے طلبا ہمارے ہاں آتے اور بعض اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی بھی ہوئے۔

ایک غیر مبائع دوست کی بیعت

میں جب امریکہ اپنی نند عذرا کے گھر گئی تو ان کے شوہر ڈاکٹر سفیر احمد نے بتایا کہ وہ لاہوری یعنی پیغامی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور احمدیت کی کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ جب بھائی یونیورسٹی میں تھے تو وہ ان کو اپنے گھر لاتے اور اس طرح لالہ جی اور اباجی کی صحبت میں رہ کر وہ مبائع ہو گئے اور اب اللہ کے فضل سے بہت فدائی احمدی ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد علی صاحب بھی بھائی اور اباجی کی تبلیغ سے احمدی ہوئے جو بعد میں امیر جماعت احمدیہ پشاور بھی رہے۔

اباجی اور تبلیغ کا ملکہ

ہمارے اباجی کو خدا نے تبلیغ کا ایک ملکہ دیا تھا وہ جس کو بھی تبلیغ کرتے اس کو ایسا قائل کر لیتے کہ اگر وہ احمدی نہ بھی ہوتا تو کم از کم سلسلہ احمدیہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتا۔

اباجی ریٹائرڈ ہوئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو لکھا کہ میں ربوہ شفٹ ہونا چاہتا ہوں تاکہ جماعت کی خدمت کر سکوں۔ حضور نے فرمایا:

”آپ پشاور میں ہی رہیں وہاں زیادہ بہتر رنگ میں جماعت کی خدمت کر سکتے ہیں۔“

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اباجی کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے پشاور میں تبلیغ کا بہت موقع ملا۔ جب افغانستان کے مہاجر پشاور آئے تو اباجی انہیں فارسی میں تبلیغ کرتے۔ اس طرح کئی افغان احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے قریب ہوئے اور بعض نے بیعت بھی کی۔ اباجی کی تبلیغ کا انداز یہ تھا کہ پہلے ان لوگوں سے محبت کرو، ان کی خدمت کرو اور اپنے اخلاق سے ان کو گرویدہ کرو اور پھر انہیں پیغام پہنچاؤ۔ چونکہ ہمارا گھر شاہین ٹاؤن پشاور میں بہت بڑا تھا تو اس کے Drawing Room کو ان افغانیوں کے شادی بیاہ اور دیگر تقاریب کے لئے استعمال کی اجازت دیتے۔ انہیں پشاور میں کاروباری مشورے دیتے۔ اس طرح

یہ لوگ اباجی کے بہت عقیدت مند ہو گئے تھے۔ جب دوسرے پڑوسی غیر احمدی ان سے کہتے کہ ان سے تعلق نہ رکھو کہ یہ غیر مسلم ہیں تو وہ کہتے کہ یہی شخص تو تم سب سے بڑھ کر ہمارے کام آتا ہے۔

پشاور میں ہمارے گیراج کے گیٹ کی چابیاں ایک عرصہ تک ایک زیر تبلیغ صاحب کے پاس رہیں کیونکہ اس کے پاس گاڑی کھڑی کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

تبلیغی اچار

جب ہم پنڈی میں رہتے تھے تو اباجی گھر پر اپنے ہاتھوں سے آم کا اچار بناتے اور کئی بوتلیں اس مقصد کے لئے بناتے کہ انہیں تبلیغ کے لئے استعمال کروں گا۔ ہمارے ایک کزن کرنل نذیر صاحب ازراہِ مزاح کہا کرتے تھے کہ میں توماموں کے تبلیغی اچار کی بوتل سے ہی اچار کھاؤں گا۔ اباجی کا یہ وطیرہ تھا کہ زیرِ تبلیغ احباب کو حتی المقدور تحائف دیتے۔ پشاور میں کوئی شہد بیچنے والا آتا تو شہد کی کچھ بوتلیں الگ سے خرید کر تبلیغ کے لئے رکھتے جنہیں ہم میں سے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے آخری سالوں میں پنشن کے بعد جب صحت کمزور بھی تھی تب ایک ہمسایہ جس کی تبدیلی دوسرے شہر ہوگئی تھی، ان کی فیملی کے لئے گھر کا سودا لایا کرتے۔ جب ہم کہتے کہ اباجی یہ آپ کی صحت کے لئے ٹھیک نہیں ہے تو کہتے بیٹا یہ زیرِ تبلیغ ہیں اِس میں تم لوگ دخل نہ دو۔ اسی طرح ایک اور زیر تبلیغ فیملی کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے۔ جب ایک دفعہ بہت بیمار تھے تو ان بچوں کی ٹیوشن کی بہت فکر ہوئی۔ نیرہ بہن نے کہا کہ اباجی میں پڑھادوں گی تو تب کہیں تسلی ہوئی۔

غیر از جماعت لوگوں کی شادیوں پر تحائف

اماں جی اور اباجی ہمیشہ غیر از جماعت لوگوں کی شادیوں پر تحفے دیتے اور ان کی بیماری میں تیمارداری کرنے یا کسی کی وفات پر افسوس کرنے ضرور جاتے تھے کیونکہ ان دونوں کا یہ خیال تھا کہ تبلیغ کا بہت سہل طریق ہے۔

احمدی خواتین کی زچگی میں معاونت

اماں جی بھی جب ہماری ذمہ داریوں سے فارغ ہوئیں تو کئی احمدی خواتین کی زچگی کے دوران ان کی مدد کے لئے کئی کئی دن ان کے گھر جاتیں اور جن کا پشاور میں کوئی رشتہ دار نہ ہوتا ان کے گھر چند دن رہ بھی لیتیں۔ غیر احمدی، ضرورت مند چھوٹے بچوں والے گھرانوں یا بعض نئی دلہنوں یا بزرگوں کی ضروریات کا بہت خیال کرتیں۔ صدقہ و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش ہوتیں۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کا بھی بہت خیال رکھتیں۔ کہتیں کہ غیر احمدی مخالفین کی نسبت یہ لوگ تھوڑی سی توجہ، محبت اور تبلیغ سے آسانی سے احمدی ہو سکتے ہیں۔

اپنے تمام سسرالی رشتہ داروں کو بھی ہمیشہ بہت خلوص اور پیار سے خدمت کرتیں۔ ہمارے دادا، دادی کی بھی خوب خدمت کی۔ جب دادا جان کی وفات ہوئی تو میں ابھی چھوٹی ہی تھی مگر دادی جو ہمارے پاس رہتی تھیں ان کی دس سال تک خدمت کی اور اس کے لئے ہمیشہ اچھے سے اچھا کھانا بنا کر کھلاتیں۔

ہماری پھوپھیاں بھی اکثر پشاور آتیں، اماں جی سب کی محبت سے خاطر داری کرتیں اور ابا جی کی بہنیں بھی ہمیشہ تحفے تحائف لے کر آتیں اور بھائی اور بھابھی اور ان کی اولاد پر نچھاور ہوتیں۔

جب ہمارے کزنز یونیورسٹی میں پڑھ رہے تھے اور ہمارا گھر قریب ہونے کی وجہ سے اکثر شام کو ہمارے گھر آتے تو اماں جی بہت خلوص سے جو کچھ گھر میں پکا ہوتا پیش کر دیتیں۔ بہت ہی پیار اور محبت کی محفلیں جمتیں جن میں خدا اور اس کے رسول کا ذکر چلتا اور باجماعت نمازیں بھی ادا کی جاتیں۔

جماعتی پروگرامز میں خدمت

شاہین ٹاؤن یونیورسٹی والے گھر میں لجنہ کے اجلاس ہمارے ہاں ہوتے تو اماں جی لجنہ کے لئے ہمیشہ خوشی خوشی کھانے کے لئے کچھ بناتیں۔ انگلینڈ میں سلمٰی مامی اور امۃ الحئی بھابھی سے کیک بنانا سیکھ لیا تھا تو واپس آکر پکوڑوں کے ساتھ اجلاسات کے لیے کیک بناتیں اور ساتھ پین کیک جن کو ہم انڈے کی ٹکیاں

کہتے وہ بنا کر کھلا تیں۔ بہر حال اگر انسان کسی کی خاطر کچھ کرنا چاہے تو اس کے لیے وافر پیسہ پاس ہونا ضروری نہیں بلکہ جہاں خلوص ہو وہاں تھوڑے سے بجٹ سے بھی آپ دوسروں کی خاطر کر سکتی ہیں۔

سلائی کا ہنر

اماں جی چھوٹی عمر سے سلائی کی بہت شوقین تھیں۔ ذکر کرتی تھیں کہ بچپن میں پڑوسی ہندو عورتوں سے سلائی سیکھی پھر ساری عمر اس ہنر سے سب کی خدمت کی۔ اپنے بہن بھائیوں کے کپڑے بڑے شوق سے سیتیں۔ سعیدہ خالہ اور سعید احمد ماموں جان سے بہت محبت تھی۔ مجھے یاد ہے ان کے کپڑے خاص طور پر بہت شوق سے سیتیں۔ خاص طور پر سعیدہ خالہ جو ان کی چھوٹی بہن ہیں ان کی طبیعت میں بہت نفاست پسندی تھی۔ ان کے کپڑے خاص توجہ سے سیتیں۔ جب بچے سو جاتے تو رات کو یا فجر کے بعد سلائی کرتیں۔

بعد میں اپنی سب اولاد کی سلائی کا کام اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ ایک بار سکول میں بلیو برڈ کی تقریب تھی۔ اماں جی نے راتوں رات میرے اور طیبہ کے یونی فارم اس قدر صفائی سے سی کر دیئے کہ سارے بچے بہت متاثر ہوئے۔ باقی بچوں کے کپڑے درزیوں نے سیئے تھے مگر ہمارے سب سے اعلیٰ سلے ہوئے تھے۔ ایک عید پر میرے بچوں مشہود احمد اور محمود احمد کے لئے اس قدر خوبصورت قمیضیں سی کر دیں کہ ہماری ایک رشتہ دار نے کہا کہ یہ تو ان کے والد (میرے شوہر مبشر احمد) امریکہ سے لائے ہوں گے۔ میں نے جب بتایا کہ یہ تو اماں جی نے سیئے ہیں تو بہت متاثر ہوئیں۔

اباجی کبھی کبھار ازراہ مذاق کہتے کہ یہ سلائی مشین تمہاری امی کے ساتھ قبر میں دفنائیں گے۔ اماں جی کہتیں کہ میں تمہارے اباجی کی طرح ہر وقت تو عبادت نہیں کر سکتی لیکن میں سارا دن جو سب کی خدمت کرتی ہوں اسی کو اللہ تعالیٰ میری بخشش کا ذریعہ بنادے۔ پنشن کے بعد تو ہر لمحے اللہ کا ذکر کرنا اور تبلیغ کرنا اباجی نے اپنے فرائض میں داخل کر لیا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پر دیر تک بیٹھ کر کسی دینی مسئلے پر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد گیارہ بارہ بجے تک Drawing Room میں بیٹھ کر جماعت کی کتابیں اور کلام پاک پڑھتے۔

مغرب اور عشا کی نماز پر بہت سارے احباب آتے اور ہمارے گھر پر باجماعت نمازیں ہوتیں۔ ہم

عورتیں پیچھے کے کمرے میں پردے میں باجماعت نماز میں اکثر شامل ہو جاتیں۔

رمضان کا احترام

آخری سالوں میں شوگر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے تھے مگر تراویح اور تہجد باقاعدگی سے پڑھتے اور ہمارے گھر پر رمضان میں ہی شام کو درس اور تراویح کا انتظام ہوتا۔ کئی مرتبہ احباب کے لئے افطاری کا انتظام بھی کرتے۔ رمضان میں جب دن کا کھانا بھی ہوتا تو ہمیشہ پردے کھینچ کر کمرے میں کھاتے۔ رمضان میں کھلم کھلا کھانے سے منع کرواتے اور ہمیشہ کہتے چاہے روزہ نہ بھی ہو تو روزے کا احترام بہتر ضروری ہے۔ شادی کے بعد ایک بار میں اباجی کے گھر پر تھی۔ میرا اور اماں جی کا بھی اتفاق سے روزہ نہ تھا۔ اباجی عصر کے وقت تلاوت کرنے کے بعد بہت اداس ہوئے کہ اس گھر میں آج روزے کی تیاری نہیں۔ اگلے دن میں نے اور اماں جی نے روزہ رکھا اور پوری تیاری کی۔ اور ساتھ پڑوسیوں کو بھی افطاری بھیجی تو بہت خوش ہوئے۔ کہا میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر آپ لوگ بیمار بھی ہوں تو روزہ رکھیں مگر افطاری کی تیاری سے روح کو خوشی ہوتی ہے۔

المختصر

سمجھ میں نہیں آتا اپنے عظیم والدین، ان کے پیار محبت اور اعلیٰ تربیت کو کیسے بیان کروں؟ یہ تو دریا کو کوزے میں جمع کرنے کے مترادف ہے۔ آنکھیں بار بار بھیگ جاتی ہیں۔ اپنے والدین کے احسانات کو دیکھتے ہوئے خیال آتا ہے کہ ہم تو ان کا کچھ بھی حق ادا نہ کر سکے۔

Abaji and Amaji

Tauseef Ahmad Khan

My maternal grandfather (Abaji) and grandmother (Amaji) were the bright light in my childhood. Their immense love for me and their raising me as their own son during those formative years can never be repaid. I pray that Allah raises their station in Paradise and that their enduring good works keep blessing their progeny till the end of times.

My premature birth took special care

I spent a substantial portion of my childhood with Abaji and Amaji and have some fond memories. I will share some of my memories here. I was born premature in Peshawar and it was Abaji and Amaji who took me as I was losing weight in the neonatal ward and survival looked bleak. They warmed a special room for me where they kept me warm nourished me and weighed me regularly to see if I was growing. I am told that it was their utmost care for me that I am alive today.

Our holidays

During holidays my mother would bring me and my two brothers to spend time with Abaji and Amaji. I

remember Amaji would make us fried eggs and whatever food we desired.

Our kind and active Amaji

Amaji would always be working, washing clothes, knitting, on her sewing machine, cooking or reading a prayer book. She also read the Holy Qur'an regularly. I remember she had a large edition of the Quran which was in two parts. We would run around making a lot of noise but Amaji would never be annoyed with us. Whenever we would ask something to eat Amaji would try her best to make it for us. I remember asking Amaji to make me something on her sewing machine while she was on her sewing machine. She immediately made a small cloth pouch for me to carry things.

I never saw Amaji not working. She would be washing clothes, cleaning the house, cooking taking, lice out of our hair etc. She would never ask us to do anything but would always be ready to cook us anything we demanded.

Extra medical care

I remember Amaji would take me to the dental hospital for my braces when I was around 7-8 years old. She would come to the school and take me to the hospital which was nearby. The procedures in the hospital were new and alarming for me. Once I had a tooth pulled out which was

a very painful experience. However, with Amaji I was always in good company and she would very patiently take care of me during my long crying episodes.

Our beloved Abaji

Abaji was very tall and awe inspiring for us but he was also very loving. I remember he would lie down in his bed to rest and ask us cousins to press (chappi) his legs. While we pressed his legs or just sitting around him he would most lovingly tell us stories full of moral messages. He would relate us the stories of prophets mentioned in the Holy Qur'an like the story of Jonah, Lot, Shoaib and the Holy Prophet (peace be upon him). Abaji also would tell us some interesting other nice stories which had some kind of moral message. My favourite was a story about a man who was able to subdue a Lion using his wits.

Rightiousness of Abaji

Abaji would wake up really early for Tahajjid I think he would wake up at between 2 or 3 am and pray for hours. I remember waking up a few times at night and saw Abaji crying in his prayers. Once I woke up to go to the washroom and abaji called. He was having an angina attack. I think I brought him his medicine bag or I woke someone else up, I don't remember. However Abaji told me in the morning that Allah woke me up so I could help

Abaji.

He has a great honour for the signs of Allah

Abaji would read the Holy Quran for a couple of hours in the morning and then go for errands. He would also teach me Holy Quran daily. His style was very loving and he would only correct me if I said something wrong. However Abaji had great honour for Sha'air Allah (signs of Allah.) I can relate to this because one day I saw his strong-willed honour for the Holy Quran. Whenever I would read Holy Quran with Abaji, I would start with reciting the Aoozobillah or Ta'awwuz (I seek refuge with Allah from Satan, the accursed). One day we started and after a few verses Abaji told me if I had read Ta'awwuz. I said I had but Abaji told me that he cannot recall and I should read it now. I refused and said I will not read Ta'awwuz. Abaji told me that I have to read Ta'awwuz before reciting the Holy Quran. I became stubborn and said I will not read Ta'awwuz. Abaji became angry and left and said once I had read Ta'awwuz he will come back and read the Holy Quran with me. I sat there thinking what I had done wrong. Later, I realized that Ta'awwuz is essential before reciting the Holy Quran. After that day, I always read Ta'awwuz before starting reciting the Holy Quran.

Abaji helps in the house works

Abaji would do work around the house. He would do gardening, taking care of the plants, fix the appliances and wires, and oversee any new construction in his house.

Baitus Slam

His house was called Baitus Salam it means "The House of Security''. The living room was very massive all cousins would always play in the entire house but Abaji would be very strict on what kind of games we play in that room. This was because the living room was a Salat centre for the local halqa too. In the evening, many people would come and congregational prayers would be take place. Ramazan was special as the prayer area would be full but I would sometimes hide during Taraweeh prayers as they were too difficult for me to finish.

A nice way of training

Sometimes after prayers, Abaji would ask one of us to lead a prayer while other cousins followed. This was when we were 8-9 years old. One day my younger brother Salman was leading prayer and he would look behind during Sadja. We all complained that he was looking behind. His excuse was that he wanted to see if all the cousins were there and no one had escaped. Abaji would also listen to our recitation of small surahs of the Quran. It

was a fun time for us.

Abaji's calm personality

I never saw Abaji upset except for a couple of occasions like the incident about the Holy Quran I have related above. Once, a lot of cousins had gathered together and playing around in the house. I think during that time one of us decided to go out and call the nearby shopkeeper by names he did not like. We kept doing it and the shopkeeper came to complain, Abaji was very upset with us and told us off.

Regularity in offering five Prayers

Abaji was very regular in his five daily prayers. He would always focus on them and teach us to be regular too. He would be upset at the older cousins if they missed praying on time.

Love for the Promised Messiah

Abaji also had a lot of love for the Promised Messiah[as]. I remember he came home one day very upset. We asked why, he said that someone pick-pocketed him and stole his wallet. He told us that he was not upset about the wallet. But that the wallet had a small piece of the clothing of the Promised Messiah[as] he was really upset that he had lostthat clothing. I had never seen Abaji in such grief before.

Tabligh and love for literature

Abaji was very active in Tabligh. He would bring people to the house and spend hours talking to them about Ahmadiyyat the true Islam. Abaji also had a large library of books. I remember sitting near the bookshelves in the living room just reading the titles of the books. I was not old enough to understand the books but I knew they were important. Abaji would see me looking at the books, he did remind me that I could not understand them. I was around 10 years old at that time.

Abaji's justice

When I became a tifl I took part in my first Atfal competitions at the local ijtima. I was not that good but I saw Abaji as one of the judges. I thought I will definitely get a reward as Abaji is there and he will favour me. However, I did not win any awards. I started crying after the awards ceremony. However, someone come to me and handed me a pencil saying that the judges have decided that all Atfal who did not win would still get a reward. That put a smile on my face. I thought about this incident for a long time and it was a lesson for me. As a judge Abaji was fair, but as a compassionate man he knew that some Atfal were upset so he ensured everyone got something to remember.

Abaji's days and nights

Abaji would sleep early. I think 9 o'clock the Pakistan TV station would broadcast news. Abaji would listen to the news and go to sleep at 9.30. I almost never saw him awake after 10 pm. He slept early as he wanted to wake up early for Tahajjud.

Abaji's special advices

Those times we had no Playstations or mobile phones. Our entertainment was running around playing hide. We found an old cassette recorder and we started recording funny sounds and our role-play sounds and then playing it back. Once we were recording that Abaji walked by. We asked Abaji to say something. Abaji smiled and said ok. I still remember what Abaji said. He said: "You are Ahmadi Muslims. You should always keep fast to this rope of Allah and be regular in your five daily prayers. You should pray to Allah that He enables you to serve Islam".

Abaji's prayers for me

I remember Abaji telling me that he has prayed a lot for me. Amaji told me once that Abaji has prayed much for you and he has high hopes for you that you will serve Islam one day. I now know that all my desire and humble efforts in serving Islam are due to those prayers. Many times in my life, I can see the cross-roads which could

have taken me on another path, however I kept on a path that kept me close to Khilafat. There is not other explanation except that my Abaji's prayers are constantly with me.

Holy demise of Abaji

Abaji would go for a few months to UK to live with his son and my uncle Dr. Hamidullah Khan Sb. When he left in 1989, we were all upset and wanted him to come back quickly. Abaji had a heart attack on 22nd March 1989 while he was in the UK and became the first person who passed away in the new Ahmadiyya Century. Hazrat Khalifatul Masih IVra led his Janaza prayers in Islamabad UK. I still remember going to Rabwah for burial. It was an emotional time for the whole family. I saw grownup men cry and wondered if my life will ever be the same without Abaji. He was the one who taught me the Holy Quran. That is his greatest gift.

Amaji after Abaji

Amaji lived for almost a decade after Abaji. She would come and live with us regularly. She was very loving and would still try to do all the work in the house even though her back hurt a lot due to injuries in a fall. She loved me like a son. When I was in high school, I wrote to Amaji that I want a colour monitor for our computer. She

immediately sent some money so we can buy one. I saw her last time in the first year of University when we went to see her in Islamabad. My greatest regret was that I did not spend enough time with her so that I could be of service to her in her time of need.

My dream about the demise of Amaji

I remember seeing a dream during her last illness. In that dream I saw Abaji standing on a white cloud in the sky lowering a ladder to Amaji asking her to come up to him. Then I saw Amaji climbing up and when she was close to Abaji he bent down and took her hand and pulled her to his level. My mother told me that Abaji's name is Abdus Salam and 'Salam' means peace - and this means that Amaji would gain peace from her illness. I then came back home from Islamabad due to my classes. One day, my brother told me that our mother called from Islamabad that Amaji had just passed away إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ Inna lillahi wa inna ilayhi raji'un (Surely we belong to Allah and to Him shall we return). She was certainly an angel who went to heaven to live with our Abaji.

However

I pray that one day we all get together in the hereafter and I can be in the company of our elders who taught me Islam.

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِهِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ

(Chapter 13, Verse 24 سورہ الرّعد Al-Ra`d)

ترجمہ: دوام کی جنتیں ہیں۔ ان میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو ان کے آباواجداد اور ان کے ازواج اور ان کی اولادوں میں سے اصلاح پذیر ہوئے اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہو رہے ہوں گے۔

Gardens of Eternity. They shall enter them and also those who are righteous from among their fathers and their wives and their children. And angels shall enter unto them from every gate. (13:240)

ابا جی اما جی

ترجمہ: محمد مقصود احمد منیبؔ۔ مربی سلسلہ

میرے نانا جان اور نانی جان میرے بچپن کی حسین یادوں میں جگمگاتے ہیں۔ ان کی بے پایاں محبت اور اپنے بیٹے کی طرح میری زندگی کے ابتدائی ایام میں میری پرورش انمول تھی۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے درجات بڑھاتا چلا جائے اور ہمیشہ ان پر اپنی رحمت برساتا رہے۔ آمین

میری قبل از وقت پیدائش اور خصوصی توجہ

میں نے اپنا بچپن اما جی اور ابا جی کے ساتھ گزارا جس کی بے شمار حسین یادیں میرے ساتھ ہیں جن میں سے کچھ میں یہاں درج کر رہا ہوں۔ میری پیدائش پشاور میں قبل از وقت ہو گئی تھی اور میرا وزن بھی بہت کم تھا اور زندہ رہنے کی امید بھی بہت کم تھی تو اما جی اور ابا جی نے میرے لیے ایک کمرہ مناسب حد تک گرم کیا تا کہ مجھے مناسب حدت دی جا سکے اور روزانہ میرا وزن کیا جاتا تھا تا کہ دیکھا جا سکے کہ میرا جسم

پھل پھول رہا ہے یا نہیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ان دونوں کی سر توڑ کوشش کی وجہ سے آج میں زندہ ہوں۔

ہماری چھٹیاں

چھٹیوں میں میری والدہ ہم تینوں بھائیوں کو اباجی اور اماجی کے پاس لے آیا کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ اماجی ہمیں انڈے فرائی کر کے اور جو کچھ ہم مانگتے وہ مہیا کرتی تھیں۔

ہماری مہربان اور مستعد اماجی

اماجی ہر وقت کام میں مصروف رہتیں۔ کپڑے دھونا، سویٹر بننا، سلائی کرنا، کھانا پکانا اور دعاؤں کی کتب پڑھتے رہنا ہی ان کی مصروفیت ہوتی تھی۔ تلاوت قرآن کریم بلاناغہ کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ ان کے پاس ایک بڑا سا دو حصوں پر مشتمل قرآن کریم ہوتا تھا۔ ہم ادھر ادھر شور شرابہ کرتے بھاگ رہے ہوتے تھے لیکن اماجی کبھی بھی ہم سے بیزار نہیں ہوتی تھیں۔ جب بھی ہم کھانے کے لیے کچھ مانگتے تو اماجی بھرپور کوشش کر کے ہمیں وہ سب مہیا کرتی تھیں۔ ایک بار وہ سلائی کر رہی تھیں کہ میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی کچھ بنا کر دیں تو مجھے ایک چھوٹا سا تھیلا سی کر دیا تا کہ میں اس میں چیزیں رکھ سکوں۔

میں نے اماجی کو کبھی فارغ بیٹھے نہیں دیکھا۔ کبھی وہ کپڑے دھو رہی ہوتیں تو کبھی گھر کی صفائی چل رہی ہوتی، کبھی کھانا پکا رہی ہوتیں تو کبھی ہمارے سروں میں سے جوئیں نکال رہی ہوتیں وغیرہ وغیرہ۔ وہ ہمیں کوئی کام نہ کہا کرتی تھیں بلکہ الٹا ہمارے لیے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں۔

خصوصی طبی اقدامات

مجھے یاد ہے کہ جب میں سات آٹھ سال کا تھا تو میرے دانتوں کے تار کے لیے اماجی مجھے دانتوں والے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی تھیں۔ وہ سکول سے مجھے قریبی ڈاکٹر کے پاس لے جایا کرتی تھیں۔ ایک بار میرا دانت نکالا گیا جو بہت ہی تکلیف دہ عمل تھا۔ تاہم اماجی کے ساتھ رہنا مجھے بہت اچھا لگتا تھا اور جب میں رویا کرتا تھا تو وہ مجھے بڑی محبت کے ساتھ چپ کروایا کرتی تھیں۔

ہمارے پیارے اباجی

اباجی لمبے اونچے قد کے رعب دار انسان تھے لیکن بہت محبت کرنے والا وجود تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ چارپائی پر لیٹ کر ہم سب کزنز سے کہتے کہ ان کی ٹانگیں دبائیں یوں ہم ان کی ٹانگیں دبانے ان کے گرد بیٹھ جایا کرتے تھے اور ان سے بہت ہی دلچسپ کہانیاں اور واقعات سنایا کرتے تھے۔ زیادہ تر قرآن کریم میں مذکور سبق آموز مرکزی خیال پر مشتمل انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت نوح، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ میری پسندیدہ کہانی وہ تھی جس میں ایک انسان اپنی عقلمندی سے ایک شیر کو اپنا مطیع بنالیتا ہے۔

تقویٰ اللہ

اباجی تہجد کے لیے دو اور تین بجے کے درمیان بلاناغہ جاگا کرتے تھے۔ کئی بار جب میں رات کو جاگتا تو دیکھتا کہ اباجی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں پڑے گڑگڑا رہے ہوتے تھے۔ ایک رات کو واش روم جانے کے لیے جاگا اور میں نے دیکھا کہ اباجی کو انجائنا کا شدید حملہ ہوا تو میں نے انہیں ان کو ادویات والا باکس لاکر دیا یا پھر کسی کو مدد کے جگایا۔ اباجی کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری مدد کے لیے جگایا تھا۔

اباجی شعائر اللہ کا خصوصی احترام کرتے تھے۔ وہ صبح کے وقت کئی کئی گھنٹے تلاوت قرآن کریم کرتے اور مجھے بھی روزانہ قرآن کریم پڑھاتے تھے اور پھر گھر کا سودا سلف لانے کے لیے بازار جاتے تھے۔ آپ کا پڑھانے کا انداز بہت مشفقانہ ہوتا تھا۔ اگر میں کوئی غلطی کرتا تو میری اصلاح کرتے تھے ڈانٹتے نہیں تھے۔ اباجی شعائر اللہ کا بہت احترام کیا کرتے تھے یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایک دن میں نے قرآن کریم کا احترام دیکھا۔ میں جب بھی تلاوت کرتا تو تعوذ اور تسمیہ سے آغاز کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں جب چند آیات پڑھ چکا تو اباجی نے پوچھا کہ کیا آپ نے آج تعوذ پڑھا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں پڑھا ہے تو اباجی نے کہا کہ دوبارہ پڑھ لو میں نے کہا کہ میں تو نہیں پڑھوں گا۔ اباجی اس بات پر سخت ناراض ہو کر اٹھ کر چلے گئے اور کہا کہ جب تک تعوذ نہیں پڑھو گے میں قرآن کریم نہیں پڑھاؤں گا۔ میں سوچنے لگا کہ میں نے ایسی کیا بات کہہ دی جس کا اباجی نے اتنا برا منایا؟ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ میں

نے تعوذ نہیں پڑھا تھا جو قرآن کریم کی تلاوت سے قبل پڑھنا ضروری تھا سو اس کے بعد میں ہمیشہ تعوذ اور تسمیہ سے تلاوت قرآن کریم شروع کیا کرتا تھا۔

گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا

ابا جی گھر کے کاموں کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ وہ باغبانی کرتے، پودوں کی دیکھ بھال کرتے، اگر کوئی چیز یا تاریں خراب ہو جاتیں تو انہیں ٹھیک کر دیتے نیز گھر کی مرمت وغیرہ کا کام ہوتا تو مرمت بھی لگا دیتے تھے۔

بیت السلام

آپ کے گھر کا نام بیت السلام یعنی سلامتی والا گھر تھا۔ بیٹھنے والا کمرہ اتنا بڑا تھا کہ ہم سب کزنز اس میں کھیلتے رہتے تھے۔ ابا جی بہت کڑی نظر رکھتے تھے کہ ہم کس قسم کی کھیلیں کھیلتے ہیں کیونکہ یہ ہال نما کمرہ مقامی حلقہ کے نماز سنٹر کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ شام میں بہت سے لوگ آتے اور فرض نمازیں یہاں ادا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں یہ نما سنٹر کھچا کھچ بھر جاتا تھا اور میں چونکہ بچہ تھا اور نماز تراویح مکمل نہیں ادا کر سکتا تھا اس لیے جا کر چھپ جاتا تھا کہ میرے لیے انہیں مکمل کرنا مشکل ہوتا تھا۔

ابا جی کا بہترین اندازِ تربیت

جب ہم آٹھ نو سال کے تھے تو نمازوں کے بعد ابا جی ہم میں سے کسی ایک کو امامت کے لیے کہتے اور باقی کزنز مقتدی بن جاتے۔ ایک بار جب میرا چھوٹا بھائی سلمان امامت کے دوران سجدے میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا تو ہم نے اس کی شکایت کی کہ یہ پیچھے دیکھ رہا تھا جبکہ اس کا کہنا تھا کہ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا سارے کزنز موجود ہیں اور کوئی بھاگ تو نہیں گیا؟ یہ سن کر ابا جی بہت محظوظ ہوئے۔ ابا جی ہم سے چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی سنا کرتے تھے اور یہ ہمارے لیے بہت دلچسپ وقت ہوتا تھا۔

ابا جی کی متانت

میں نے ابا جی کو کبھی بھی پریشان نہیں دیکھا سوائے چند مواقع کے جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے

قرآن کریم والا میر اواقعہ۔ ایک بار ہم سب کزنز ان کے گھر اکٹھے کھیل رہے تھے تو ہم میں سے کوئی باہر گیا اور دکان داروں کے نام لے کر انہیں پکار رہا تھا تو اباجی نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ہم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو دکان دار نے شکایت کی جس سے اباجی بہت پریشان ہوئے اور ہم سب کی سرزنش کی۔

نماز پنجگانہ کا التزام

اباجی نماز پنجاگانہ کا التزام فرماتے اور ہمیں بھی اس کی نصیحت فرماتے۔ ایک بار ہمارے بڑی عمر کے ایک کزن کی نماز رہ گئی تو اباجی اس پر بہت رنجیدہ ہوئے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے عشق

اباجی کو حضرت مسیح موعودؑ سے بے حد عشق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن وہ بہت پریشانی میں گھر آئے تو ہم نے پوچھا کہ خیریت ہے؟ تو کہنے لگے کہ کسی نے ان کی جیب مار کر ان کا بٹوہ نکال لیا ہے۔ کہنے لگے کہ وہ بٹوے کی وجہ سے پریشان نہیں ہیں بلکہ اس بٹوے میں موجود حضرت مسیح موعودؑ کے کپڑوں کا ایک ٹکڑا تھا اس کے گم ہو جانے کا دکھ ہے۔ میں نے اباجی کو اس سے پہلے کبھی ایسا پریشان نہیں دیکھا تھا۔

تبلیغ اور لٹریچر سے محبت

اباجی ایک مستعد داعی الی اللہ تھے۔ وہ لوگوں کو گھر لاتے اور گھنٹوں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ اباجی کی ایک ذاتی لائبریری تھی جس میں بہت سی کتب تھیں۔ جب میں دس سال کا تھا تو بڑے کمرے میں الماریوں کے پاس بیٹھ کر کتب کے ٹائٹل پڑھا کرتا تھا اباجی دیکھ کر بڑی محبت سے فرمایا کرتے تھے کہ ابھی تمہیں ان کتب کی سمجھ نہیں آئے گی۔

انصاف پسندی

جب میں اطفال الاحمدیہ میں ہوا تو مقامی اجتماع کے پہلے مقابلے میں شامل ہوا۔ گو میں نے اتنا اچھا مقابلہ نہیں کیا تھا لیکن اباجی کو جج بنے دیکھ کر مجھے حوصلہ ہوا کہ اباجی کی مدد سے مجھے کوئی نہ کوئی انعام ضرور ملے گا لیکن مجھے کوئی بھی انعام نہ ملا تو میں نے تقریب تقسیم انعامات کے بعد رونا شروع کر دیا تو کوئی

بزرگ آئے اور میرے ہاتھ میں ایک پنسل تھما کر کہنے لگے کہ منصفین نے فیصلہ کیا ہے کہ مقابلہ میں حصہ والے ہر بچہ کو انعام دیا جائے گا۔ اس طرح میرا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ میں نے اس واقعہ پر جب غور کیا تو مجھے اس میں بہت بڑا سبق ملا کہ ایک منصف کی حیثیت سے اباجی مکمل طور پر غیر جانبدار تھے لیکن ایک ہمدرد کے طور پر جانتے تھے کہ جن اطفال کو انعام نہیں ملا ان کی تالیف قلوب کیسے کرنی ہے؟

اباجی کے شب وروز

اباجی پاکستانی وقت کے مطابق عشا کی نماز کے بعد پاکستانی 9 بجے کے قریب ٹی وی پر خبریں سنتے اور 9:30 پر سو جایا کرتے تھے۔ میں نے رات 10 بجے کے بعد کبھی بھی انہیں جاگتے نہیں دیکھا۔ وہ جلد سوتے اور صبح تہجد کی نماز پر جاگ جایا کرتے تھے۔

اباجی کی خاص نصیحت

اس وقت نہ تو پلے سٹیشن ہوا کرتے تھے نہ موبائل فون۔ ہمارا مشغلہ یا تو بھاگ کر ایک دوسرے کو پکڑنا یا چھپن چھپائی ہوتا تھا۔ ہمیں ایک پرانا کیسٹ ریکارڈر مل گیا اور ہم اس میں کچھ اُوٹ پٹانگ آوازیں ریکارڈ کرتے اور پھر انہیں سن کو محظوظ ہوتے تھے۔ ہم نے اباجی کی آواز بھی ریکارڈ کرنے کے لیے انہیں کہا کہ کچھ فیکارڈ کروائیں۔ اباجی مسکرائے اور بولے کہ اچھا۔ اور اباجی نے جو کچھ ریکارڈ کروایا وہ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ:

”آپ لوگ احمدی مسلمان ہیں۔ آپ کو حدود اللہ کا خیال رکھنا چاہیے اور روزانہ پنجگانہ نماز کا التزام کرنا چاہیے اور یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کے خادم بنائے۔“

میرے لیے دعائیں

اباجی نے بتایا کہ انہوں نے میرے لیے بہت دعائیں کی ہیں۔ اماجی نے بتایا کہ ایک بار تمہارے اباجی نے تمہارے لیے بہت دعائیں کیں انہیں تم سے بہت امیدیں تھیں کہ ایک دن تم اسلام کے بہت بڑے خادم بنو۔ مجھے آج محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کے لیے میری ساری خدمات اور کوششیں انہیں

دعاؤں کی مرہون منت ہیں۔ میری زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے کہ میں ترقی کے نام پر اسلام سے دور چلا جاتا لیکن میں نے ہمیشہ وہی راستہ اپنایا جو مجھے ہمیشہ خلافت سے وابستہ رکھے۔ اس سے زیادہ بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اباجی کی دعائیں ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔

اباجی کا وصال

اباجی کچھ مہینوں کے لیے اپنے بیٹے اور میرے انکل محترم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے پاس رہنے کے لیے برطانیہ گئے۔ 1989ء میں جب وہ گئے تو ہم سب اداس ہو گئے اور ہم نے ان سے درخواست کی کہ جلد واپس آ جائیں لیکن 22 مارچ 1989ء کو اباجی کو دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ جان بر نہ ہو سکے اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اباجی جماعت احمدیہ کی دوسری صدی کے آغاز پر وفات پانے والے پہلے احمدی تھے جن کی نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام آباد یوکے میں پڑھائی جس کے بعد تدفین کے لیے میت ربوہ پاکستان میں لائی گئی۔ پورے خاندان کے لیے یہ وقت بہت کڑی آزمائش کا تھا۔ ہر نوجوان رو رہا تھا کہ کیا اباجی کے بغیر بھی زندگی گزاری جا سکتی ہے؟ مجھے قرآن کریم اباجی نے پڑھنا سکھایا تھا جو میرے لیے ان کی طرف سے سب سے بڑا تحفہ ہے۔

اباجی کے بعد اماجی

اباجی کے بعد اماجی ہمارے پاس مستقل آ گئیں اور ایک عرصہ زندہ رہیں۔ وہ بہت ہی شفیق تھیں اور گرنے جانے کی وجہ سے کمر کی چوٹوں میں تکلیف کے باوجود گھر کا سارا کام خود کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ مجھے تو وہ بیٹوں کی طرح چاہتی تھیں۔ میں جب ہائی سکول میں تھا تو ایک بار میں نے اماجی کو لکھا کہ مجھے سکول کے کمپیوٹر کے لیے ایک کلر مونیٹر درکار ہے تو انہوں نے فوراً کچھ رقم بھجوائی تاکہ ہم کلر مونیٹر لے سکیں۔ جب میں یونیورسٹی کے پہلے سال میں تھا تو اماجی سے ملنے اسلام آباد گیا۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ میں زیادہ وقت ان کے ساتھ نہ گزار سکا اور مجھے حسرت ہی رہی کہ کاش میں آخری وقت میں ان کی خدمت کا حق ادا کر سکتا۔

اماجی کی وفات کے متعلق میرا خواب

اماجی کی آخری بیماری کے دوران مجھے اپنا ایک خواب یاد آیا۔ میں نے دیکھا کہ اباجی ایک سفید بادل پر کھڑے ہیں اور ایک سیڑھی نیچے پھینکتے ہیں اور اماجی سے کہتے ہیں کہ اوپر آ جائیں۔ میں نے دیکھا کہ اماجی اس سیڑھی پر چڑھتی ہیں حتی کہ اباجی کے قریب پہنچ جاتی ہیں پھر اباجی تھوڑا جھکتے ہیں اور اماجی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے برابر کھینچ لیتے ہیں۔ میری والدہ نے اس خواب کی تعبیر کی کہ اباجی کا نام چونکہ عبد السلام ہے اور سلام کا مطلب ہے سلامتی اس لیے میرا خیال ہے کہ اماجی اس بیماری سے شفا پالیں گی۔ میں اپنی کلاسز کی وجہ سے اسلام آباد سے واپس آ گیا۔ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بتایا کہ اسلام آباد سے امی جان کا فون آیا ہے کہ ابھی ابھی اماجی وفات پا گئی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

وہ فرشتہ سیرت تھیں اور یقیناً اباجی کے ساتھ جنت الفردوس میں ہوں گی۔

حرفِ آخر

میری دعا ہے کہ آخرت میں ایک دن ہم سب اکٹھے ہوں اور میں اپنے ان آبا و اجداد کے ساتھ دوبارہ رہنے کا موقع پا سکوں جنہوں نے دین کی دولت سے ہمیں مالا مال کیا۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ

(سورۃ الرعد:24)

ترجمہ: دوام کی جنتیں ہیں۔ ان میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو ان کے آبا و اجداد اور ان کے ازواج اور ان کی اولادوں میں سے اصلاح پذیر ہوئے اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہو رہے ہوں گے۔

اُذْكُرُوْا مَوْتٰكُمْ بِالْخَيْرِ

میری ساس۔ خدیجہ بیگم صاحبہ

زبیدہ بیگم زوجہ ڈاکٹر بشیر احمد

محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ اور سُسر صاحب پشاور کے نیک اور مخلص احمدیوں میں سے تھے اور ہمارے دونوں خاندان ہمیشہ سے دوستی کے مخلص رشتے میں باہم منسلک تھے۔ ہماری رہائش مردان اور اُن کی پشاور میں تھی۔

اُن کی دو بیٹیاں پہلے سے ہی ہماری والدہ صاحبہ کے دو بھائیوں محترم عبد السلام خان صاحب اور عبد القدوس خان صاحب سے شادی شدہ تھیں اس طرح ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں تھے۔

میری بہن رضیہ بیگم کی شادی محترم بھائی خلیل احمد خان انجینئر سے اور میری ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سے ہوئی۔ شادی کے بعد ہم دونوں پشاور منتقل ہوئیں۔

ہماری شادی کے تیسرے دن میرے بھائی قاضی بشیر احمد کی شادی مکرم خواص خان صاحب کی چھوٹی بیوی کی بیٹی محترمہ مجیدہ بیگم صاحبہ سے ہوئی اور وہ مردان منتقل ہوئی۔

ان دونوں بھائیوں کی چھٹیاں ختم ہوئیں اور محترم بھائی خلیل احمد خان صاحب کی ڈیرہ اسماعیل خان میں پوسٹنگ تھی اور ڈاکٹر بشیر احمد خان کی کوہاٹ کے لیاقت میموریل ہسپتال میں پوسٹنگ تھی۔ ہماری ساس صاحبہ نے ہم دونوں کو بھی اپنے شوہروں کے ساتھ چلے جانے کی اجازت دے دی تو آپ کے ایک رشتہ دار نے کہا کہ لڑکیوں کو مت جانے دیں تو ہماری ساس صاحبہ نے اُنہیں جواب دیا کہ شادیاں میں نے اپنے بیٹوں کی خوشی کے لئے کی ہے اور یہ اُن کی خوشی اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے دن ہیں اس لئے میں ان کو اجازت دے رہی ہوں۔

آپ اپنے بچوں سے بہت پیار کرتی تھیں۔ آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سب کے سب

خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلص اور خدمت دین کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

بڑے بیٹے خلیل احمد خان صاحب کو تعلیم کے لئے قادیان بھجوایا اور بشیر احمد صاحب کو Fsc کے امتحان کے بعد گرمیوں کی چھٹیوں میں فرقان فورس میں شامل ہو کر کشمیر کے لئے روانہ کر دیا اور خود دعاؤں اور صدقات میں مصروف ہوئیں۔

یہ 1948ء کا زمانہ تھا حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ پشاور میں تعینات تھے آپ اُن کی دعائیں لینے کے لئے ہر طرح کی کوشش میں مصروف رہتیں۔ آپ کی بیٹی (والدہ صاحبہ حامد اللہ خان صاحب) سالہا سال مولانا صاحب کے کپڑے دھویا کرتیں اور دعائیں لیتیں۔

آپ نے بزرگوں کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے مسلسل کوشش کی یہاں تک کہ ہمارے ہاں بھی خود آجاتیں اور میرے والد صاحب سے دُعاؤں کی درخواست کرتیں اُس کے بعد گاؤں اسماعیلہ کے لئے بس میں روانہ ہوتیں اور امیر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ سے دعاؤں کی درخواست کرتیں بزرگوں کے لئے تحفے اور نذرانے لے کر جاتیں۔

اپنے سسرال کے غیر احمدی خاندان کے ساتھ زبردستی پیار محبت کا سلوک روا رکھا کیونکہ وہ احمدیت کے مخالف تھے آپ اُن کے پاس دور گاؤں میں جاتیں اور ہر طرح مدد کرتیں اُنہیں اپنے گھر بلاتیں۔

ہم دونوں بہنوں کا خیال

ہم دونوں بہنوں سے بھی پیار سے پیش آتی تھیں۔ میری شادی کے ایک ماہ بعد آپ اپنی بیٹی اور نوکرانی کو لے کر ہمارے پاس کوہاٹ آئیں مجھے پیار کیا اور سادہ کپڑوں میں دیکھ کر مجھ سے کہا کہ آپ ابھی دلہن ہیں یہ کپڑے بعد میں پہننا ان دنوں میں اچھی طرح خود کو سنوار کر تیار رہا کریں اور زیور پہنا کریں، مزید بھی کئی مفید ہدایات دیں، گھر کا جائزہ لیا اور ضرورت کی کئی اشیا فراہم کروادیں۔

پھر ڈیرہ اسماعیل خان دوسرے بیٹے کے ہاں گئیں اُن کو بھی مفید ہدایات دیں اور اُن کے لئے بھی ضروریات زندگی اور مسالے وغیرہ مہیا کروائے۔ واپسی وہاں سے میرے لئے بھی سارے مسالے لے آئیں۔

سردیوں کا موسم شروع ہو رہا تھا آپ نے پستے باداموں اور مختلف النوع کے مسالہ جات ملا کر سوجی

اور نشاستے کا سوکھا حلوہ بنا کر دیا کہ آپ دونوں سردیوں میں دودھ کے ساتھ کھایا کریں۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد ہماری والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ اپنے اور مہمانوں کے لئے بستر ساتھ لائیں اور جاتے ہوئے ہمارے پاس ہی چھوڑ گئیں۔ ہم بھی چھٹیوں میں ملنے جایا کرتے تھے بہت پیار سے پیش آتی تھیں اور واپسی پر بہت سی ضرورت کی اشیاء ساتھ دے دیا کرتی تھیں۔

ہماری شادی کے دو دن بعد آپ اپنے چھوٹے بیٹے اور بیٹی کو ساتھ لے کر کپڑے کی مارکیٹ گئیں وہاں سے کام والے خوب صورت لباس پسند کر کے بھائی ڈاکٹر سعید احمد خان کے ہاتھ گھر بھجوائے کہ ہم دونوں ان میں سے دو دو سوٹ پسند کر لیں ہم نے پسند کر لیے اور بعد میں سلوا کر پہن لئے۔ اُن کے دل میں ہمارے لئے بہت پیار تھا اور پسند کرتی تھیں کہ ہم زیور بنوائیں نیز نئے اور پیارے کپڑے خریدیں۔ آج کل ساس کے بارے میں شکایات سُن کر حیرت ہوتی ہے کہ شادی کے بعد تو ساس کی حیثیت ماں کی ہوتی ہے۔ ایک تقویٰ شعار ساس ملنا بہت بڑی نعمت ہے۔ ہم دونوں بہنیں جب تیار ہو کر کسی سے ملنے جاتیں تو آپ چاروں قُل پڑھنا ضرور یاد دلاتیں۔

میرے پیارے والدین

میمونہ بیگم اہلیہ عبد السمیع خان

سوانح

میرے پیارے ابا جی عبد السلام خان بہت ہی نیک، اللہ پر توکل کرنے والے، عبادت گزار اور خلافت سے عشق کی حد تک عقیدت رکھنے والے متقی احمدی تھے۔ خلافت احمدیہ اور جماعت کے لئے بے انتہا غیرت رکھنے والے فدائی تھے۔ بہت چھوٹی عمر سے آپ تہجد کے عادی تھے اور آخر وقت بیماری کے ایام میں بھی ہسپتال میں اگر بیٹھ نہیں سکتے تھے تو لیٹ کر اشارہ سے تہجد کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

بچوں کی تربیت کا انوکھا انداز

آپ بچوں کی تربیت پر بہت زور اور توجہ دیتے تھے۔ ہم سب نے آپ ہی سے قرآن مجید پڑھا۔ الفضل نیز دیگر جماعتی رسالہ جات باقاعدگی سے پڑھنے کی تلقین کرتے رہتے۔ بعض اوقات ہم سے حضور کے خطبات کا خلاصہ سنانے کو بھی کہتے تا کہ علم ہو کہ ہم نے کس حد تک سمجھا اور یاد رکھا ہے۔

تربیت کا انداز ایسا اعلیٰ تھا کہ بچپن میں ہمیں بڑے دلچسپ انداز میں رسول کریمؐ کی حیات مبارکہ اور دیگر انبیاء کے قصے بڑے دلچسپ انداز میں سنایا کرتے تھے۔ سردیوں کی رات کو ہم سب ان کے بستر پر لحاف میں ان کے گرد بیٹھ جاتے اور پیارے ابا جی بہت ہی دلکش انداز میں انبیاءؑ کے قصے سناتے اور ہمیشہ ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں ہمیں اللہ پر توکل کرنے اور دعاؤں کے ذریعہ اللہ کا فضل مانگنے پر زور دیتے تھے۔

نماز باجماعت

گھر میں نماز باجماعت پڑھنے کا بہت التزام رکھتے تھے ہمارے پشاور کے گھر میں بہت ہی وسیع ڈرائنگ روم صرف اس مقصد کے لئے بنایا تھا کہ یہ وہاں کے لوکل احمدیوں کے لئے نماز کا مرکز بنے اور ہمارے ہاں مغرب اور عشا کی نماز میں قریبی احمدی آتے اور باجماعت نماز ابا جی پڑھاتے۔ بعض اوقات

جمعہ کی نماز بھی ہمارے ہاں ہوتی تھی۔

مہمان نوازی

اباجی بہت مہمان نواز تھے۔ رشتہ داروں کے آنے پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے اور کھانے کے لئے اصرار کر کے ٹھہراتے تھے اور پیاری اماں جی جلدی جلدی خوش دلی سے اسی وقت کھانے کا انتظام کرنے بیٹھ جاتیں اور تھوڑی ہی دیر میں شاندار کھانا تیار کر لیتیں۔ مرکز سے جماعت کے جو مہمان پشاور آتے اباجی ضرور ان کو گھر پر دعوت کے لئے بلاتے اور دیر تک تبلیغی محفل جمتی۔

تبلیغ کا جنون

اباجی کو تبلیغ کا جنون تھا اور اللہ کے فضل سے غیر از جماعت احباب کے اعتراضات کے جوابات نہایت تسلی بخش اور دلچسپ انداز میں دیتے اور مقابل کو قائل کر کے چھوڑتے۔ اکثر پشاور یونیورسٹی کے ڈائننگ ہال میں چلے جاتے اور طالب علموں کو تبلیغ کرتے۔ کئی طالب علم آپ کی تبلیغ سے احمدی ہو چکے تھے۔

مالی امداد

زیادہ امیر نہیں تھے لیکن دوسروں کی مالی امداد کرنے میں پیش پیش ہوتے۔ آپ بعض ضرورت مند طلبا کی فیس بھی اپنی جیب سے جمع کرا دیتے۔ پشاور میں ایک غیر احمدی بیوہ عورت تھی جس کے لئے آپ نے اپنی جیب سے وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔

جماعتی خدمات، تحریکات اور وصیت

جماعت کے مختلف عہدوں پر کام کیا۔ لمبا عرصہ سیکرٹری مال کے عہدے پر کام کیا۔ پھر کافی عرصہ پشاور جماعت کے نائب صدر رہے۔ جماعتی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور چھوٹی عمر میں ہی وصیت کر رکھی تھی اور ہر ماہ باقاعدگی سے سارے چندہ جات دیتے تھے۔ شوریٰ اور عاملہ کے ممبر تھے اور ربوہ میں شوریٰ کے اجتماعات پر باقاعدگی سے جاتے تھے۔

جلسہ سالانہ میں شمولیت

جلسہ سالانہ ربوہ پر ہم سب فیملی کو لے کر جلسے پر جاتے تھے۔ میرے خیال میں پیارے ابا جی نے اپنی زندگی میں کبھی جلسہ سالانہ کا ناغہ نہیں کیا۔

خلافت سے وابستگی اور خاندانِ حضرت اقدس سے دعائیہ رابطہ

حضور کو دعا کے لئے باقاعدہ خطوط لکھتے تھے اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کو بھی دعائیہ خطوط لکھتے تھے اور ان کی طرف سے باقاعدگی سے ابا جی کو جوابات آتے تھے۔

زندگی کے آخری ایام

زندگی کے آخری دن آپ نے میرے بڑے بھائی ڈاکٹر حامد اللہ خان کے پاس لندن میں گزارے۔ اُنہیں اور بھابھی جان کو آپ کی خدمت کرنے اور دعائیں لینے کی توفیق ملی۔

بھائی جان سے بہت خوش تھے۔ اللہ ہر ماں باپ کو حامد اللہ جیسا بیٹا دے۔

اپنے سب نواسوں، نواسیوں اور پوتے پوتیوں سے بے انتہا پیار کرتے تھے۔ جب ہم سب بہنیں ابا جی کے گھر جمع ہوتے تو ابا جی ایک ایک بچے کو بلا کر باری باری ان کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ مجھے اکثر کہتے کہ تمہاری بڑی بیٹی ماہین پڑھنے کے معاملے میں بہت حریص ہے۔ سب بچے کے ساتھ میں ایک رکوع پڑھتا ہوں اور یہ بضد ہوتی ہے کہ میں نے دو تین رکوع پڑھنے ہیں۔ اور مسکرا کر فرماتے کہ مجھے تھکا دیتی ہے۔ آپ کی وفات 22 مارچ 1989ء کو بھائی جان کے گھر یارک شائر میں ہوئی۔ 23 مارچ صد سالہ جوبلی لندن میں شرکت کے لئے پوری تیار کر چکے تھے۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اور 22 مارچ 1989ء کو آپ کی روح اللہ کے حضور حاضر ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خطبہ جمعہ میں ابا جان کا ذکر خیر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خطبہ جمعہ میں بہت محبت سے ذکرِ خیر فرمایا کہ آپ کا نام عبد السلام تھا اور آپ کا اس دنیا میں آنا بھی سلامتی تھا اور دوسری صدی کا پہلا جنازہ ہے۔ آپ

کا اللہ کے حضور جانا بھی سلامتی ہے۔

اللہ پیارے اباجی کو اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ دے اور ہماری نسلوں کو ان کے پاک نمونے پر چلائے اور ان کی دعاؤں کا وارث بنائے۔ آمین

پیاری اماں جان

میری بہت ہی پیاری اماجی بی بی عائشہ بہت نیک، خاندان سے بے حد پیار کرنے والی، عبادت گزار، مہمان نواز بہت ہی نرم دل رکھتی تھیں۔ ہماری تربیت پر بہت توجہ دیتی تھیں۔ اللہ پر بے انتہا توکل تھا اور اکثر بڑی سے بڑی مشکل میں بھی فرماتی تھیں کہ ’’خدا داری چہ غم داری‘‘یعنی’’جب خدا ہمارے ساتھ ہے تو پھر کیا غم ہے۔‘‘ جماعت کے پروگراموں میں باقاعدگی سے حصہ لیتی تھیں اور سب چندہ جات باقاعدگی سے دیتی تھیں۔ آپ موصیہ تھیں۔ ہماری معمولی تکلیف پر تڑپ جانے والی اور بہت دعائیں کرنے والی ہستی تھیں۔

رشتہ داروں اور غیروں سے محبت

اپنے سسرالی رشتہ داروں سے بھی بے انتہا محبت رکھتی تھیں ہمارے چھوٹے سے گھر میں ہم ماشاء اللہ سات بچے تھے لیکن پھر بھی ہماری پھوپھیاں اکثر ہمارے ہاں اپنے بچوں کے ساتھ کئی کئی دن ٹھہرنے کے لئے آجاتیں اور اماں جی بہت خوش دلی سے ان کی مہمان داری اور خدمت کرتی رہتیں۔ خانہ داری میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ کھانا پکانا، سینا پرونا کمال کا کرتی تھیں اور ہم سب بچوں کے کپڑے خود سیتی تھیں۔ یہاں تک کہ بعد میں ہمارے بچوں کے کپڑے بھی سی لیتی تھیں اور بہت ہی خوبصورت ڈیزائن ہوتے تھے۔

دینی تربیت اور پڑھائی

دینی تربیت اور نمازوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ ہماری سکول کی پڑھائی پر بھی بہت توجہ دیتی تھیں۔ اس لئے طالب علمی کے دوران ہم سب بہنوں سے گھر کا کام بہت کم کروایا اور فرماتیں کہ آپ کا

تعلیمی سال ہے۔ آپ اپنی پڑھائی پر وقت صرف کریں گھر کے کام تو ہو ہی جائیں گے۔

پورے خاندان والے آپ کی خوش طبعی اور مہمان نوازی کی وجہ سے آپ سے پیار اور عقیدت رکھتے تھے اور پورے سسرالی خاندان میں ”بڑی مامی“ کے نام سے جانی جاتی تھیں۔

اماں جی کی وفات

آپ کی وفات پر آپ کی سب نندوں کے بچوں نے کہا کہ ہمیں لگتا ہے کہ ہماری اپنی ماں آج ہم سے جدا ہو گئی ہیں کیونکہ آپ نے ان کی ماں سے کم پیار انہیں نہیں دیا تھا۔ اس قدر پیار کرنے والی، شفیق اور دعا گو، پیاری اماں جی مختصر بیماری گزار کر فروری 1997ء کو ہم سے ہمیشہ ہمیش کے لئے جدا ہو کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئیں۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے اور ہمیں ان کی دعاؤں کا وارث بنائے۔ آمین۔ ہم سب پیارے ابا جی و اما جی کے لئے دعا گو ہیں۔

میرے پیارے والدین

نیّرہ مبارکہ

میں جب بھی اباجی، اماجی کے بارے میں سوچتی ہوں تو ڈھیر ساری خوبصورت یادیں بچپن کی اور پھر بڑے ہونے تک واقعات ایک فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور لگتا ہے کہ وہی اور ہے اور پیارے اباجی، اماجی ہمارے آس پاس ہیں اور ہمیں پیار سے دیکھ رہے ہیں اللہ میرے والدین کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور اللہ ہمیشہ ان سے راضی رہے آمین۔

میرے والدین تو صرف ہم بہن بھائیوں کو ہی نہیں بلکہ تمام رشتہ داروں کو مثالی لوگ لگتے تھے جو ہر کینہ و نفرت سے پاک دل لیے ہوئے ہر ایک پر محبتیں نچھاور کرتے تھے۔

بچپن یعنی بہت چھوٹی عمر میں مجھے یاد آتا ہے کہ ہم گرمیوں میں صحن میں چارپائیاں ڈال کر سویا کرتے تھے۔ اور رات کے وقت ہم اباجی کی چارپائی پر آکر بیٹھ جاتے اور اباجی خوبصورت کہانیاں انبیاء اور دوسرے نیک بزرگوں کی سناتے اور آخر میں ہمیں ابو بن ادھم کے بارے میں اس قدر دلچسپ کہانی سناتے کہ ہم ہر روز فرمائش کرتے کرتے سنتے پر دل نہ بھرتا۔

انبیاء میں حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، اور رسول خدا کی اور مسیح موعودؑ کے واقعات سناتے اس قدر محبت شوق ہم میں تمام انبیاء کا پیدا کیا کہ ہمیں تمام واقعات زبانی یاد ہو گئے اور روزانہ فرمائش کرتے ہر بار ان سے سنتے اور اس طرح گہری نیند میں کھو جاتے۔

اباجی اس قدر محبت سے واقعات سناتے کہ ہمارے دلوں میں خود بخود تمام انبیاء اور نیک لوگوں کی محبت پیدا ہوتی چلی گئی۔

جب ہم چھوٹے تھے تو اباجی مجھے اور حبیب اللہ میرے چھوٹے بھائی کو لے کر بازار لے جاتے اور وہاں ہمیں آلو بخارے کا مربع اور حلوہ خرید کر کھایا کرتے تھے۔

اماجی ہمیشہ ہمارے بچپن سے ہی ہمیں دُرِّ ثمین کی نظمیں یاد کروایا کرتی تھیں اور اماجی صبح سویرے

اٹھ کر صاف کپڑے پہن کر گھر کے کام شروع کرتیں۔ بچپن میں ہماری پسند کا پراٹھا بناتیں اور انڈوں کا حلوہ سوجی میں بہت مزے کا بناتیں۔ اماجی کو بچپن میں ہم مہمان نوازی میں مصروف دیکھا ہماری پھوپھیاں، خالہ کاکاجی اور دوسرے رشتہ دار ہمارے گھر جب آتے تو ہم سب بچوں کو ساتھ اماجی کو بھی سب کے آنے پر بہت خوشی ہوتی اور سب کی خدمت کرتیں۔ ہمیں رات کو نہلا کر رات کے کپڑے پہنا کر آنکھوں میں سرمہ لگا کر سردیوں میں چہروں پر چکنا ہاتھ پھیرتیں تاکہ خشکی ختم ہو۔ اور پھر وہ درود اور دعائیں ہمارے ساتھ پڑھتیں۔ میری اماجی پختہ نمازوں کی بڑی پابند اور اپنے ماں باپ سے ہمیشہ محبت اور بہن بھائیوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔

اماجی سلائی کڑھائی میں بہت ماہر تھیں اور ہمارے کپڑے بہت پیارا سیا کرتی تھیں۔ اتنی غضب کی سلائی ہوتی کہ گھر کے سلے ہوئے کپڑے بالکل ریڈی میڈ کپڑوں کی طرح لگتے تھے۔

جب ذرا بڑے ہوئے تو اباجی کو دیکھا کہ وہ نمازوں کے پابند اور قرآن مجید بہت کثرت سے پڑھتے۔

میں جب ذرا سمجھ بوجھ کی عمر کو پہنچی تو ہمیشہ دیکھا کہ اباجی باجماعت گھر میں نماز پڑھاتے اور قرآن پڑھنا اباجی سے سیکھا میں نے اباجی کو ہمیشہ وقت پر نماز پڑھتے اور لمبے سجدے کرتے دیکھا۔ بعد میں جب اور بڑی ہوئی تو تہجد بہت باقاعدگی سے پڑھتے دیکھا۔

میں کافی بڑی تھی تو مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ رات کو اباجی سے میں نے کہا کہ مجھے بھی رات کو تہجد کے لیے اٹھادیں۔ اس وقت سمجھ آجاتی پر نیند کا غلبہ غالب ہو جاتا اور میں سو جاتی جیسے اباجی نے کہا کہ بیٹا جب اٹھنا نہیں تھا تو کیوں کہا کہ مجھے اٹھادیں میں کہتی کہ اباجی میں کل دوبارہ کوشش کریں میں ضرور اٹھ جاؤں گی اور اباجی کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی۔

اباجی، اماجی کو ہمیشہ بہت نڈر اور باہمت دیکھا۔ دور تک سائیکل چلا کر جاتے اور بہت سا فروٹ، سبزی اور گوشت لاتے اور آتے تو آواز دیتے کہ دیکھو تم لوگوں کی پسند کی کیا کیا چیزیں لایا ہوں اور ہم سب بڑی خوشی سے تھیلے سے فروٹ نکالتے۔

اماجی ہمیشہ ہمت کا ایک بلند ستون تھیں۔ کبھی بھی تھکاوٹ کا اظہار نہیں کیا بس اباجی کے شانہ بشانہ

کھڑی اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کرتی تھیں اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ۔ میں نے اماجی کو بہت کم غصہ میں دیکھا اور اگر غصہ ہوتیں تو ہمیشہ کہتیں کہ نیک بخت ہو یہ کیوں کیا؟ اور بڑے پیار سے ہمیں ہماری غلطیوں کی نشان دہی کرتیں اور انداز اس قدر پیارا ہوتا کہ ہم دوبارہ وہ غلطی کرتے ہی نہیں تھے۔

پینشن کے بعد اباجی خود کو مصروف رکھنے کے لیے اچار بناتے اور مالٹے کا جوس نکالتے تھے۔ اماجی، اباجی کا اچار بڑے مزے کا ہوتا تھا اور مرتبان بھرتے تھے اور جوس سے بوتلیں بھر لیتے۔

دونوں کو تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا۔ اماجی تو گھر میں بچوں کے ساتھ ہمیشہ احمدیت کی چھوٹی کتابیں پڑھتیں اور آئے ہوئے غیر احمدی مسلمانوں سے احمدیت کا ذکر کرتیں تھیں۔ اباجی کو تو تبلیغ کا اس قدر شوق تھا کہ ان کے زیر تبلیغ بہت سے لوگوں نے احمدیت قبول کی الحمد اللہ! اباجی زیر تبلیغ لوگوں کا بہت خیال رکھتے جیسے ہی کوئی زیرِ تبلیغ مہمان آتا تو اماجی کو چائے بنانے کے لیے کہہ دیتے اور پھر ان کے اعتراضات دور کرتے اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں سے حوالے نکالتے۔ اباجی زیرِ تبلیغ لوگوں کو بھی ان کی ضرورت کی چیزیں مہیا کرتے کبھی کبھی اپنے اچھے بوٹ جو لالہ جی (بھائی حامد اللہ) کے ہاں جا کر خریدے ہوتے تھے وہ دے دیتے، سویٹر دیتے۔ اسی طرح کھانے پینے کی چیزوں میں اچار کی بوتلیں اور جوس کی بوتلیں انہیں تحفۃً دیتے۔

شہد کے لیے ایک آدمی سال میں ایک دفعہ آتا اور بہت سا شہد اباجی کو چھتے سے نکال کر دیتا اباجی بوتلیں بھر لیتے اور کچھ اپنے دوستوں کے لیے اور کچھ زیر تبلیغ مہمانوں کے لیے رکھ دیتے اور ان کے آنے پر بڑی خوشی سے ان کے حوالے کرتے۔

مجھے یاد ہے کہ اباجی کے ہاتھ کا بنایا ہوا اچار بہت ہی مزے کا ہوتا اور مجھے فرمائش کر کے کھلاتے اگر چہ اماجی کہتیں کہ اس کو نہ دیں کھا جاتی ہے لیکن میں اماجی سے چھپ کر آم اور لیموں کا اچار کھا لیتی۔

اباجی و اماجی پر تو مہمان نوازی ختم تھی اباجی کا گھر ہمیشہ سب مہمانوں کے لیے کھلا رہتا تھا۔ اماجی اباجی کے رشتہ داروں کے ساتھ بہت محبت بھرا رویہ رکھتیں اور ان کی بڑی خاطر کرتیں۔

ہم سات بہن بھائی تھے جو اب بڑی بہن طیبہ کی وفات کے بعد چھ رہ گئے ہیں (اللہ سب کو صحت

والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین) اماجی صبح اٹھ کر گھر کو صاف کرتیں، کھانا بناتیں، مہمان نوازی اور ہم تمام بچوں کا خیال رکھتیں۔ اباجی و اماجی نے دادا اباجی اور دادی امی کی بڑی خدمت کی اور اس طرح میرے نانا (بڑے اباجی) اور نانی (بھابی) کا از حد احترام کیا اور ان کی باتیں بڑی محبت سے کرتیں اور اماجی و اباجی میں غیبت اور عیب جوئی جیسی کوئی عادت نہیں تھی۔ ہمیشہ دوسروں کے لیے اچھا سوچتیں۔

اماجی اور اباجی ہمیشہ ایک دوسرے کے بہن بھائیوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور اماجی جن پر گھر کے کام کی ساری ذمہ داری تھی کبھی کسی کو بوجھ نہیں سمجھا بلکہ بڑے خلوص و محبت سے ہر ایک کی خدمت کرتیں کہ ہر مہمان خوش ہوتا۔

ہماری نانی ہی ہمارا بے حد خیال رکھتیں۔ ان کے گھر بھینسیں تھیں۔ دودھ اور دہی اکثر ان کے گھر سے آتا اور ہم بچے جب بھی جاتے تو ہمیں بڑے مزے کے پراٹھے اور سالن بنا کر کھلاتیں اور بہت پیار ہمیں دیا۔ کبھی کبھی اباجی کہتے کہ تمہاری ماں تھک گئی ہے تو کہتیں کیا اپنوں کے کام کر کے کسی کو تھکاوٹ ہو سکتی ہے؟

ہماری خدیجہ پھوپھی جب ہمارے گھر آتیں تو بڑی خوش ہوتیں وہ اباجی کی چھوٹی بہن تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب اباجی سے کوئی کام کراتے تو خدیجہ پھوپھی کو کہتے کہ آپ کا بھائی ہے آپ کہہ دیں اور وہ کہتیں کہ نہیں لالا (بڑے بھائی) سے کہوں گی کہ لڑکیوں کو کو لے کر باہر جانا ہے لیکن پھر ہماری محبت وہ بات منوا لیتیں۔

اماجی و اباجی کے بہن بھائیوں میں بڑے چھوٹے کا لحاظ بہت تھا۔ ہمارے چچا کاکا جی (عبد القدوس خان) اور اباجی میں اسکول سرٹیفکیٹ میں چھ ماہ بلکہ اصل میں 1 سال کا فرق تھا مگر کاکا جی اباجی کا بہت لحاظ اور ادب کرتے اور اگر باتوں میں اباجی کہتے کہ نہیں عبد القدوس یہ بات صحیح نہیں تو کاکا جی کبھی اپنی کہی ہوئی بات پر اصرار نہیں کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں میں بے حد پیار تھا۔ کاکا جی تو بہت ہی خوبصورت عادتوں والے بزرگ تھے۔ ہمیشہ صبح اٹھتے ہوئے ہمارے سلام کا جواب دیتے اور بہت پیار کرتے تھے۔ اباجی اور کاکا جی تو ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم تھے۔ ہمارے گھروں میں ہی آنے جانے کے لیے

اندر سے راستہ تھا۔ اور ہم تمام کزن لڑکیاں بہت مزے سے ایک دوسرے کے گھر آیا جایا کرتے۔

چھوٹی پھوپھی جب بیمار ہوتیں تو ہمارے ہاں آتیں۔ اماجی و اباجی تو یہ رشتے کو بہت نبھانے والے تھے ہمیں کبھی پھوپھی و خالہ میں فرق نہیں لگا۔ ہم ہمیشہ پھوپھیوں کو خالہ کہہ کر بلاتے تھے اور ان سب سے پیار ہمیں اماجی و اباجی نے دل میں بٹھایا تھا۔

اباجی کی بڑی اچھی عادت مجھے اپنے سفر کے بعد آکر وہاں کے حالات بتانے لگتا تھا۔ اباجی اس قدر تفصیل سے تمام واقعات بتاتے کہ لگتا کہ ہم بھی شریک سفر تھے۔

پیارے حضور بھی دورہ سے واپسی پر اس قدر خوبصورت انداز میں تمام تفصیلات بتاتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ اباجی یاد آجاتے ہیں کیونکہ اباجی بھی اسی طرح تفصیل سے تمام واقعات سناتے تھے۔

اباجی کو احمدیت، خلافت اور خلیفۂ وقت سے بہت محبت تھی اور حضرت مسیح موعودؑ کے واقعات اس قدر محبت اور شوق سے بار بار سناتے کہ دل میں خود بخود آپؑ کی محبت بھرتی جاتی۔ اباجی و اماجی ہمیشہ نیکی کی ہر بات پر عمل کرنے کو کہتے اور ہمیشہ سچ بولنے کا کہتے۔ اباجی و اماجی تو کہیں کسی سے شکوہ ہوا ہی نہیں۔ اباجی ہمیشہ کہتے کہ برائی کا ذکر نہ کرو ورنہ برائی، برائی نہیں لگتی اور اگر برائی اور اچھائی میں فرق نہ ہو تو وہ انسان برائی کی طرف خدانخواستہ چلا جاتا ہے۔

ہمیں ہمیشہ اباجی کا رعب ہوتا تھا کہ اگر غلط کیا تو اباجی سے ڈانٹ پڑے گی۔

ہمارے بچوں سے ہی اباجی اس قدر پیار رکھتے کہ قرآن پڑھاتے اور ان کو احمدیت کی چھوٹی کتابیں پڑھنے کو دیتے اور کہتے کہ پڑھ لو پھر سمجھ لو کہ احمدیت اللہ کی نعمت عظیم ہے جو ہمیں ملی ہے۔

اباجی تو ہمارے بچوں کے بھی رول ماڈل تھے میرا منجھلا بیٹا توصیف جب پیدا ہوا تو ساڑھے چار پونڈ کا تھا تو اباجی اور اماجی نے کہا کہ تم لاہور میں سرمد کو بھی اکیلے سنبھالتی ہو تو توصیف کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے اس کو ہمارے پاس چھوڑ دو اور پھر اماجی و اباجی اس قدر شوق و محبت سے اس کا خیال رکھتے کہ دونوں اس کی ایک ایک حرکت اور وزن بڑھنے کے بارے سب کو بتاتے تھے۔

اماجی اباجی کو سب سے پیار تھا مگر توصیف کو تو بہت ہی چاہتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے توصیف سے

کہا کہ تم تو اما جی ابا جی کے بیٹے ہو تو وہ اما جی کے پاس روتے ہوئے گیا کہ اما جی میں جب آپ کا بیٹا ہوں تو یہ آپ نے مجھے سرمد کے امی ابا کے حوالے کیوں کیا؟ اما جی ابا جی دونوں بہت ہنسے کہ تم ان کے بیٹے ہو پر ہمارے بہت پیارے ہو۔

ابا جی، بڑے بھائی لالا جی اور بھابھی امۃ الحیٔ کو بہت پیار کرتے اور حماد، عینی، عطیہ اور داؤد سے تو بہت ہی پیار تھا۔ ہر سال جب سردیوں میں وہ آتے تو اما جی ان کے لیے خاص کھانے پکواتیں اور گھر کی صفائی کا بہت خیال رکھتیں اور کہتیں کہ امۃ الحی اپنے گھر کو بہت صاف ستھرا رکھتی ہیں۔ ابا جی اما جی سے کہتے تھے کہ اللہ نے ہماری کیا نیکی قبول کی کہ خاندان مسیح موعود سے ہمارا تعلق جوڑ دیا۔ بھابھی جان بھی ابا جی و اما جی کا بہت خیال رکھتیں تھیں۔

میرا ایکسیڈنٹ ہوا تو چہرہ پر شدید چوٹ آئی۔ ابا جی ان دنوں لنڈن میں تھے۔ لالا جی بتاتے ہیں کہ جب ابا جی کو علم ہوا تو بہت درد سے دعائیں کی اور حضرت خلیفہ رابعؒ کو بھی دعا کے لیے درخواست دی۔

جب ابا جی کی وفات کے بعد 1989ء میں حضور سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم تو اب اللہ کے فضل سے بہتر ہو خان صاحب کو بڑی فکر تھی۔

اما جی نے کہا حضور! ان کو جلسہ میں شرکت کا بہت شوق تھا۔ حضور نے فرمایا کہ کیا علم خدا ان کو وہاں سے دکھا رہا ہو۔ حضور نے یہ بھی فرمایا کہ خان صاحب کشوف ورؤیا بزرگ تھے۔

چھوٹے بھائی حبیب اللہ کی شادی ماہم، آپا شکری کی بیٹی سے ہوئی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نواسی ہیں۔ ابا جی نے رشتہ دینے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ماہم کا رشتہ میرے بیٹے سے ہو گا۔

ابا جی کو اس بات پر بہت ناز تھا اور ہر وقت شکر ادا کرتے کہ خدا نے ہمیں احمدیت عطا فرمائی اور مسیح موعودؑ اور خلفا کا بہت احترام کرتے تھے۔ احمدیت کے لیے تو ننگی تلوار تھے۔ ابا جی کے سامنے مخالف جب آتے تو اس قدر اچھے طریق پر احمدیت کی تبلیغ کرتے کہ مخالف قائل ہو جاتے۔

ابا جی بہت نڈر تھے۔ ابا جی نے 1984ء میں جنرل ضیاء الحق کو خط لکھا جس میں احمدیت کی کافی تبلیغ تھی۔ بعد میں قاضی اکبر میری کزن کے میاں نے کہا کہ آپ نے یہ خط لکھ کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال

دیا۔ اباجی کہنے لگے کہ کیاہوا اگر احمدیت کے لیے پکڑا گیا؟ تو اچھا ہو گا۔

اباجی سچے خواب دیکھتے۔ ایک دفعہ اپنے خواب میں دیکھا کہ میری بیٹی آئی اور مجھے کہتی ہے کہ اباجی لوگ کہتے ہیں کہ ضیاء الحق مر گیا۔ اب باہر جا کر دیکھیں۔ تو میں باہر نکل کر دیکھتا ہو کہ ضیاء الحق مر دہ پڑا ہے میں قریب جاکر کہتاہوں کہ تم نے احمدیت کی بہت مخالفت کی ہے اب اللہ کو جواب دو۔

رات کو خواب دیکھی اور صبح جنرل ضیاء الحق کا طیارہ تباہ ہو گیا اور وہ مر گیا۔ اباجی نے اپنی خوابوں کی ایک ڈائری بنائی تھی جس میں میں نے پڑھا کہ ایک خواب جس میں اباجی کو دکھایا گیا کہ ان کی بہن صالحہ بی بی کا جنازہ ان کے گھر سے اٹھ رہا ہے اور لوگ آئے ہوئے ہیں۔ صالحہ خالہ کے اس خواب کے چند دن بعد جنازہ ہمارے گھر آیا اور لوگ بہت تعزیت کے لیے آئے۔

اباجی اللہ کے فضل سے صبح ناشتے کی میز پر اکثر اپنی خواب بتایا کرتے جو اکثر سچی ثابت ہوتی۔

اباجی نے میرے نانا کی بھی بہت خدمت کی نانا بیمار ہو کر ہمارے گھر آئے اباجی اور کاکاجی دن رات ان کی خدمت کی۔

اسی طرح میری نانی (بھابھی) ہمارے ہاں 1965ء کے اپریل کے ماہ میں آئیں اور اباجی نانی کا اس قدر خیال رکھتے کہ بھابھی (نانی) اکثر کہتیں کہ عبد السلام تو مجھے شرمندہ کر دیتا ہے۔ پھر اگست 1965ء میں وہ فوت ہو گئیں۔

ہماری اماجی اباجی نے کے شانہ بشانہ ہر کام میں شریک ہوتیں۔ آلو بخارے کا حلوہ بہت مزے کا بناتیں اور ہم سب صبح ملائی کے ساتھ ملا کر کھاتے۔ اماجی کا سالن بڑا مزیدار ہوتا تھا۔ سب لوگ اماجی کے کھانے، اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے۔

کڑھائی سلائی بہت اچھی کرتیں تھیں۔ سلائی مشین پر کام کرنا بہت پسند تھا۔ اباجی کبھی مذاق میں کہتے کہ بی بی عائشہ یہ مشین تمہارے ساتھ قبر میں جائے تو اچھا ہے۔ وہاں بھی یہ کام کرتی رہو۔ اماجی کا دل بالکل صاف تھا۔ ہمیشہ لوگوں کے مسائل حل کرتیں۔ رشتے کرواتیں اور دعوتیں کرتی تھیں۔

ہمارے اباجی کے ایک کزن کے ہاں تیسرا بچہ ہوا۔ چچی اکیلی تھی ان کا میکہ کوئٹہ میں تھا۔ اماجی نے

کہا فکر نہ کرو اور اس کے ساتھ اما جی نے دس دن گزارے اور تمام کھانے بنائے اور بچے کے لیے بہت خوبصورت کپڑے سی کرے دیئے کہ چچی تو اما جی کی گرویدہ ہو گئیں اور بس ہر بات میں بھابھی بھابھی کہتیں اور کہتیں کہ میری ماں بھی ہوتی تو میری ایسی خدمت نہ کر سکتی۔

ابا جی و اما جی میرے پیارے لالا جی (حامد اللہ خان) اور بھائی حبیب اللہ سے خاص محبت کرتے۔ لالا جی نے تو ہمیشہ ابا جی کی تمام ذمہ داریاں پوری کرنے میں بھرپور حصہ لیا اور ان کی بہت خدمت کی۔ ہمیشہ جب لالا جی ان کو انگلینڈ بلاتے تو واپسی پر ہمیشہ حامد اللہ لالا جی اور امۃ الحئی بھابھی کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ اللہ اما جی و ابا جی اور میری پیاری بہن طیبہ اور پیاری بھابھی جان امۃ الحئی کو جنت میں بہترین مقام عطا فرمائے ان سب کے ہم پر بہت پیارے احسانات ہیں۔ اللہ سب کو جزا دے۔ آمین۔

پیارے ابا جی

نصیرہ بیگم

میرے پیارے ابا جی عبد السلام خان ایک خوش شکل، خوش لباس اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ابا جی نہایت ہی پرہیز گار، نمازی اور نیک تھے۔ انہیں خلافت احمدیہ سے اور احمدیت اور اسلام سے عشق کی حد تک پیار تھا۔

ابا جی ایک بہترین والد تھے جن کو ہر وقت ہماری تربیت کی فکر ہوتی تھی اور ہم سب بہن بھائیوں سے بے انتہا پیار کرتے تھے اور ہماری والدہ کا بے حد خیال کر رکھتے تھے۔

ان کی تربیت کے کچھ پہلو پر میں روشنی ڈالنا چاہتی ہوں۔ ابا جی نے بچپن میں نہایت احسن طریق پر ہمارے دلوں میں اسلام اور تمام انبیاء کرامؑ کی محبت پیدا کی۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ابا جی کی بستر میں ان کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے اور ابا جی ہمیں بہت ہی خوبصورت انداز میں نبیوں کی کہانیاں سناتے تھے۔ اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ، عیسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام۔ حضرت ایوب علیہ السلام سب کی کہانیاں سنیں۔ اس کے علاوہ ہمیں شیخ سعدی اور حکیم لقمان کے قصے اور پشتو کی لوک کہانیاں سناتے تھے۔ ہمیں رات کا بڑا انتظار ہوتا تھا کہ اب اس کہانی میں کیا ہو گا۔

ابا جی کا قرآن کریم کا تلفظ بہت صحیح اور صاف تھا اور ہمیں قرآن مجید ابا جی پڑھاتے تھے۔ ہم سب بہن بھائیوں کو باآواز بلند تلاوت کی عادت انہوں نے ڈلوائی اور اگر ہم دوسرے کمرے میں بھی قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے ہماری غلطی صحیح کرواتے اکثر مجھے حیرانی ہوتی کہ ابا جی کو کیسے پتہ ہے کہ میں کون سا پارہ پڑھ رہی ہوں۔

ابا جی جب ہم چھوٹے تھے ہمیں احمدیت اور اسلام کی چھوٹی اور مختصر کتابیں پڑھنے کو دیتے اور پھر ان کے بارے میں پوچھتے تھے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے۔ اور اکثر الفضل اونچی آواز میں پڑھتے اس

کے علاوہ دینی مسائل اکثر بیان کرتے تھے جس کی وجہ سے ہم سب بہن بھائی بچپن میں ہی غیر احمدیوں کے اعتراضات کے جواب دینے کے قابل تھے۔

ہمارے گھر کا ماحول دینی تھا اور ہمارے گھر میں شروع سے ہی باجماعت نماز ہوتی تھی۔ خاص کر صبح اور مغرب اور عشا کی نمازیں۔ مغرب کی نماز کے بعد درس دیتے تھے۔ اور ہم سب سے تلاوت کرواتے۔ ہر بچے کی باری آتی تھی اور کچھ آیتیں ہر ایک سے پڑھواتے پھر اس کا ترجمہ اور تفسیر بتاتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہم صحیح تلفظ سے قرآن آگیا اور شرمندگی سے بچنے کے لئے کوشش کرتے تھے کہ ہم بالکل صحیح تلفظ سے قرآن کریم کی تلاوت کریں۔

اپنی زندگی کے حالات بہت ہی دلچسپ انداز میں سناتے تھے۔ اباجی یاداشت آخر دم تک بہت اچھی تھی اور اپنے بچپن کے واقعات بہت تفصیل سے یاد تھے۔ اس طریق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہماری اسلام اور احمدیت کی تاریخ سے واقفیت بڑھتی چلی گئی۔ بچپن میں ہمیں پوسٹ کارڈ لا کر دیتے اور کہتے کہ حضور (خلیفۂ وقت) کو خط لکھو (ان دنوں ہم پوسٹ کارڈ پر ہم خط لکھتے تھے۔ اباجی سارے صحابہ اور صحابیات اور مبلغین اور واقف زندگی کی بہت قدر کرتے تھے۔ اور جو بھی مبلغ پشاور میں آتا ان کے ساتھ بہت حسن سلوک کرتے اور ہمیں تاکید کرتے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی احمدیت کے لئے وقف کی ہے اس لئے ہم پر ان کی عزت فرض ہے۔

جو وفد بھی ربوہ سے پشاور یا جہاں ہم رہتے آتا، اباجی ان سے ضرور ملتے اور ان کو اپنے گھر دعوت پر بلاتے اور بہت خوش ہوتے۔

اباجی کی انگریزی اور حساب (Math) بہت اچھا تھا اور ہم سب بچوں کے ساتھ ہوم ورک میں اباجی ہماری مدد کرتے تھے۔ میں نے اپنا انگریزی اور سائنس کا ہوم ورک ہمیشہ اباجی کے ساتھ کیا۔ بچپن سے ہی ہمیں Dictionary دیکھنے کی عادت ڈالی۔ اور باجود اُردو میڈیم سکول میں پڑھنے کے ہم سب بہن بھائیوں کی انگریزی اچھی تھی۔ اباجی کی فارسی بہت اچھی تھی۔ اکثر فارسی محاورے بولتے مثلاً کہتے تھے ”خطائے بزرگان گرفتن خطا است۔“

اباجی انگریزی اتنی اچھی تھی کہ ان کے دفتر میں بعض اوقات B.A اور M.A کے طلبا بھی ان سے مدد لیتے۔ ہمارے گھر میں ہمیشہ انگریزی کا اخبار Pakistan Times آتا تھا اور ہم سے اونچی آواز میں اخبار پڑھواتے تھے اور خاص طور پر ہدایت کرتے کہ Letters to the Editor پڑھیں۔ اور اس طرح کے Letter لکھنے کی کوشش کریں۔

اس کے علاوہ ہمارے گھر میں الفضل بہت باقاعدگی سے آتا تھا اور روز ہمیں پوچھتے کہ آج کا الفضل پڑھا ہے؟ اور اگر ہم کہتے کہ ہاں تو پوچھتے کہ ملفوظات کا عنوان کیا تھا۔ اور اکثر ہم سے ملفوظات اونچی آواز میں پڑھواتے، جس کی وجہ سے ہمیں مطالعہ کی عادت پڑی۔ اور اس طرح سے اردو بھی اچھی ہو گئی۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں سلسلہ کے جو بھی رسائل تھے آتے، جیسے تشحیذ الاذھان، انصار اللہ، الفرقان وغیرہ۔

اباجی نہایت پرہیز گار اور ایماندار شخصیت کے مالک تھے۔ اباجی واپڈا میں ملازمت کرتے تھے جس میں رشوت کے مواقع بہت تھے اور قریباً پورے کا پورا محکمہ رشوت کا عادی تھا۔ لیکن اباجی رشوت لینے کے سخت خلاف تھے۔ اس لئے محکمہ میں مولانا کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم پنڈی میں تھے اور کوئی آدمی رشوت کے طور پر گھی کا کنستر لایا تھا۔ اباجی کو اتنا غصہ آیا کہ پورا کنستر گلی میں بہا دیا۔ ہر چندہ میں حصہ ڈالتے اور ہم سب کو تلقین کرتے کہ چندہ دیں اس سے برکت آتی ہے۔ مجھے یاد ہے جب مجھے جاب ملی تو اباجی مجھے حساب بنا کر دیا کہ یہ تمہارا چندہ بنتا ہے اور سب سے پہلے یہ ادا کرو۔ اباجی خود موصی تھے اور جوانی میں ہی وصیت کی تھی۔ اباجی تہجد گزار تھے اور بتاتے تھے کہ 14-15 سال کی عمر سے تہجد شروع کی تھی۔ اور وفات تک کبھی ناغہ نہیں کیا تھا۔ نہایت دعا گو تھے۔ میرا جب بھی کوئی ٹسٹ یا امتحان ہوتا تو اباجی کو دعا کے لئے درخواست کرتی اور پھر سکون ہو جاتا کہ اب ان شاء اللہ اچھا ہو گا۔

بزرگوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ اپنے والدین کی بہت خدمت کی۔ ہماری دادی ہمارے ہاں رہتی تھیں۔ ان کی بہت خدمت کی۔ اپنے والد محترم (مولوی محمد الیاس خان صاحب) جن کو بابا کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کا ہمیشہ ذکر بہت احترام سے کرتے تھے اور ان سے عشق کی حد تک پیار تھا۔ ان کا کرتہ رکھا ہوا تھا۔ اور یہ وصیت کی تھی کہ مجھے وفات کے بعد اسی کو پہنا کر اسی میں دفن کریں۔ ایک

مرتبہ 1965ء میں ہم راولپنڈی میں رہتے تھے، میری نانی محترمہ کو ہم بھابھی جان کہہ کر پکارتے تھے، وہ ہمارے ہاں آئیں تو ہماری اماجی سے بار بار کہتے کہ بی بی عائشہ ان کی خدمت کر کے جنت کماؤ کہ پھر یہ موقع نہیں ملے گا۔

اپنی بہنوں کی بہت عزت و احترام کرتے اور سب بہنوں سے بہت پیار تھا۔ جب ان میں سے کسی سے بھی ملتے تو ان کے آنے پر کھڑے ہو جاتے اور ان کے ہاتھ کا بوسہ لیتے۔ ہماری پھوپھیاں اکثر ہمارے گھر آتیں اور کئی کئی دن رہتیں۔ میری اماں جان بھی ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتیں اور بہت خیال رکھتیں۔

اباجی بے حد مہمان نواز تھے اور ہمارے خاندان کے اکثر لوگ ہمارے ہاں آتے اور اماجی اور اباجی دونوں انہیں بغیر کھانا کھائے نہیں جانے دیتے تھے۔ ہمارے چچا ہمارے قریب رہتے تھے اور اباجی کو ان سے اور ان کو اباجی سے بہت پیار تھا۔ اور اکثر دونوں مل کر قریبی گاؤں میں تبلیغ کے لئے جاتے۔

اباجی کو تبلیغ کا بے حد شوق تھا اور چونکہ ہمارا گھر شاہین ٹائون میں تھا جو کہ پشاور یونیورسٹی کے بہت قریب تھا۔ اس لئے اکثر Boys Hostel میں چلے جاتے تھے اور وہاں کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر یونیورسٹی کے طلبا کو تبلیغ کرتے تھے۔ اباجی کے تبلیغ کرنے کا انداز بہت ہی اچھا تھا۔ بہت پیار سے سمجھاتے۔ اباجی کی تبلیغ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو احمدیت کی دولت نصیب ہوئی۔ ان میں ڈاکٹر محمد علی بھی شامل تھے جو کہ اباجی کی تبلیغ کی وجہ سے احمدیت کی دولت سے روشناس ہوئے۔ ان کو احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے کافی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ بعد میں انہوں نے پاکستان آرمی جائن کی۔ پھر وہ شمس الدین خان صاحب (سابقہ امیر جماعت صوبہ سرحد) کے داماد ہوئے اور خود بھی جماعت کے مختلف عہدوں پر کام کیا۔ اباجی سترہ سال سیکرٹری مال رہے اور بعد میں نائب امیر صوبہ سرحد رہے۔ 1974ء میں جب احمدیوں کے خلاف گھیراؤ جلاؤ شروع ہوا تو ہمارے گھر شاہین ٹاؤن میں جو کہ یونیورسٹی کے لئے نماز سنٹر بھی تھا۔ اور جمعہ کی نماز کے لئے یونیورسٹی کے طلبا اور لوگ وہیں آتے تھے۔ تو ایک مرتبہ ہمارے ہمسائے میاں صاحب سمیت چند مولویوں کے ہمارے گھر کے گیٹ پر آئے

اور اباجی کو بلوایا۔ اباجی جب ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ بہت نیک اور عبادت گزار ہیں لیکن آپ میں یہ بات ہے کہ آپ قادیانی ہیں۔ تو آپ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر اباجی نے کہا کہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تو انہوں نے کہا کہ ایسے نہیں ہماری طرح کے مسلمان ہو جائیں۔ اباجی ان کو جواب دیا کہ آپ کی طرح کا مسلمان نہیں ہو سکتا، کیونکہ میں جلاؤ، گھیراؤ، قتل اور چوری نہیں کر سکتا۔ انہوں نے دھمکی دی کہ ہم اس لئے آپ کے پاس آئے تھے کہ آپ کو بچالیں لیکن اگر آپ باز نہ آئے تو ہم آپ کے جان ومال کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ جواباً اباجی نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا یہ سب اللہ کی عطا ہے اگر یہ چلا جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اللہ اَور دے گا۔

ہمارے گھر کے قریب ایک مسجد سیین جماعت تھی، جو کہ اس وقت کافی وسیع ہو چکی ہے جو کہ اس وقت کافی وسیع ہو چکی ہے لیکن 1974ء میں چھوٹی سی تھی۔ اور یونیورسٹی ٹائون اور یونیورسٹی کے لوگ وہاں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ قاضی حسین احمد جو کہ بعد میں جماعت اسلامی کے امیر بنے خطبہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ خطبہ میں کہا کہ میں عبد السلام خان کو وارننگ دیتا ہوں اپنے گھر میں نمازیں پڑھانی بند کر دیں۔ ورنہ ہم اس پر مسلمان چھوڑ دیں گے۔ یہ سن کر ہم سب کو بہت ہنسی آئی کیونکہ اس نے ایسے کہا تھا کہ جیسے کوئی کہے کہ ہم "کتے آپ پر چھوڑ دیں گے۔" اور یہ بھی لاؤڈ سپیکر پر دھمکی دی کہ ہم ان کی بیٹیوں کو لنڈی کوتل میں بیچ دیں گے۔

ہمارے گھر کی حفاظت کے لئے پولیس کی کچھ نفری بھی آئی تھی۔ اباجی نے مجھے اور میری دو بہنوں نیرہ اور میمونہ کو کرنل نثار کے ہاں صدر بھجوا دیا اور ایک آدھ دن کے بعد ہم اپنے ماموں ڈاکٹر بشیر احمد کے ہاں کچھ عرصہ رہے جبکہ اباجی اور میرے چھوٹے بھائی حبیب اللہ گھر کی حفاظت کے لئے رکے رہے۔

میری اماں جان ان دنوں میرے بڑے بھائی ڈاکٹر حامد اللہ کے ہاں UK گئی ہوئی تھیں اور ان کی واپسی 7 ستمبر کو تھی۔ اباجی ان کے بعد ان کو مذاق کرتے کہ میں نے تو تمہیں مسلمان بھیجا تھا اور اب تم غیر مسلم ہو کر آگئی ہو۔

اباجی کا خلیفۂ وقت سے اور خاندان مسیح موعودؑ سے بہت پیار کا تعلق تھا اور نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

اور نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کو با قاعدگی سے خط لکھتے تھے اور جب ربوہ جاتے تو ساتھ نان اور پنیر کا تحفہ ضرور لے جاتے تھے۔ میرے بڑے بھائی کے سسر ڈاکٹر منور احمد صاحب سے برادرانہ تعلق تھا اور بہت پیار کرتے تھے۔ میرے بھائی ڈاکٹر حامد اللہ سے بہت پیار کرتے تھے اور وہ بھی اماں جی اور ابا جی کا بہت خیال رکھتے تھے اور مالی مدد بھی کرتے تھے۔ میں نے انہیں اکثر یہ کہتے ہوئے سنا کہ خدا تعالیٰ سب کو حامد اللہ جیسا فرمانبردار بیٹا عطا کرے۔

ابا جی حساب کتاب بہت ایمانداری سے کرتے تھے۔ جب میں نائیجیریا تھی تو میرا اور ابا جی کا ایک Joint Account تھا اور میں اس میں کچھ رقم بھجوایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نائیجیریا سے واپس آئی تو رات کو مجھے بلایا اور ایک نوٹ بک نکالی اور کہا کہ بچے آکر اپنا حساب دیکھ لو۔ میں نے کہا کہ ابا جی ٹھیک ہے جو بھی آپ نے لکھا ہے۔ کہا کہ نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حساب کتاب لکھ لیا کرو۔ اس لئے سب کچھ دیکھ لو۔

ابا جی اکثر حضور سے ربوہ منتقل ہونے کی اجازت مانگتے، کیونکہ انہیں ربوہ میں رہنا بہت پسند تھا لیکن حضور فرماتے کہ آپ پشاور میں رہ کر جماعت کی زیادہ خدمت کر رہے ہیں۔

ابا جی کا اماں جی سے بہت پیار کا تعلق تھا اور سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے گھر کے کاموں میں اماں جی کی مدد کیا کرتے تھے۔ اکثر میں نے دیکھا کہ جب اماں جی کپڑے دھو رہی ہوتی تھیں تو ابا جی کپڑے تار پر پھیلانے میں مدد کرتے۔ اس کے علاوہ اکثر سبزی وغیرہ کاٹ کر دیتے۔ ابا جی، اماں جی کے اچار ڈالنے میں مدد کرتے۔ اور اکثر آم اور گاجروں کا اچار بہت اچھا ڈالتے۔ اورنج کا جوس اکثر نکال کر سکویش بناتے۔ چٹنی بہت اچھی بناتے اور اکثر کہتے تھے کہ یہ عبد السلام چٹنی ہے۔

ابا جی تہجد کے بعد صبح کی نماز کے لئے سب کو اٹھاتے اور اکثر صبح کی چائے خود دم کر کے رکھ دیتے اور تنور سے روٹیاں لے آتے تھے۔

مجھے کبھی بھی یاد نہیں کہ ابا جی نے سالن پر کوئی اعتراض کیا ہو۔ ہمارے معمولی سے کام کی بھی بہت تعریف کرتے تھے۔ ہم جیسی بھی روٹی بناتے شوق سے کھا لیتے تھے۔

میری ابا جی سے بہت دوستی تھی، کیونکہ ابا جی کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اور مجھے بھی تو ابا جی

اکثر کتابوں کی باتیں کرتے اور میرے یونیوسٹی کے پروفیسرز سے واقفیت تھی۔ اور ان کو تبلیغ بھی کرتے تھے۔ اکثر یونیورسٹی کے پروفیسر کا خیال تھا کہ اباجی نے بھی Phd کی ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ میرے پروفیسر نے اباجی سے پوچھا کہ آپ نے Phd کس مضمون میں کی ہے۔ ان کے بتانے پر کہ اباجی نے صرف میٹرک تک پڑھا ہے، بہت حیران ہوئے کیونکہ اباجی کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور پر مضمون پر عبور حاصل تھا۔

اباجی 22 مارچ 1989ء کو فوت ہوئے جبکہ وہ صد سالہ جوبلی میں جانے کی تیاری میں تھے۔ نئی صدی کا پہلا جنازہ حضور خلیفہ رابع نے پڑھایا تھا اور کافی تعریف کی اور کہا کہ نام بھی عبد السلام تھا اور ان کا دنیا میں آنا بھی سلامتی تھا اور جانا بھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اللہ تعالیٰ اباجی کے درجات بلند کرے اور ہم سب بہن بھائیوں اور ہماری اولادوں کو ان کے نقش قدم چلانے کی توفیق عطا فرمائے اور خلیفۂ وقت کی مکمل اطاعت کی توفیق دے۔ آمین